50.00

مقالاتِ عثمانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ
کے چند علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی مقالات و بیانات
کا حسین اور نادر مجموعہ

مرتّب
حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

168

مقالاتِ عثمانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ
کے چند علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی مقالات و بیانات
کا حسین اور نادر مجموعہ

مرتّب
حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب : مقالات عثمانی
مقالات : مولانا ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ
مرتب : حافظ اکبر شاہ بخاری مدظلہ
باہتمام : محمد ناظم اشرف
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳

ملنے کے پتے

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = چوک اردو بازار کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔
ادارۃ القرآن = چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہم العالیٰ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کے ان اکابر علماء میں سے تھے جن پر پوری ملت اسلامیہ بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ وہ نہ صرف پاکستان کے جید اکابر میں سے تھے بلکہ پورے عالم اسلام کے علماء و مشائخ کی صفِ اوّل میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے مالک تھے اور حقیقت میں اسلام کی یادگار تھے اور شریعت و طریقت اور علم و عمل کی ایسی جامع کمالات ہستیاں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور فی الوقت ایسی عزیز الوجود ہستیاں کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہوتی جارہی ہیں، پرانے علماء و بزرگ سب چلے گئے ہیں اور موجودہ دور میں ایسی باکمال شخصیات نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جو اپنے پیش روؤں کے خلاء کو پر کر سکیں، بلاشبہ سیدی و مرشدی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کا نام نامی اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اہل علم و فضل کے سلسلہ میں سرفہرست آتا تھا بلکہ آپ اپنے زمانہ کے اُن علماء کے صدر نشین تھے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی، دینی علوم میں جامعیت و بصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

زیر نظر کتاب مقالاتِ عثمانی عزیز مکرم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ' کی محنت و کاوش کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، عزیز سلمہ' کو اپنے بزرگوں کے ساتھ دلی لگاؤ اور محبت کا خصوصی تعلق ہے اور بزرگوں کے سوانح و حالات اور ان کے خطبات و مقالات کو جمع کرنے کا خصوصی ذوق ہے۔ مقالاتِ عثمانی کتاب میں شیخ الاسلام سیدی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی علمی روحانی شخصیت کا صرف نام نامی ہی آجانا اس کتاب کی اہمیت و افادیت کے لئے کافی وافی ہے۔ علوم و معارف پر مشتمل یہ گرانقدر مقالات و بیانات کا مجموعہ علم و حکمت کا عظیم سرمایہ ہے، ہمارے عزیز سلمہ نے محنت و جانفشانی سے حضرت کے ان علمی فقہی اور اصلاحی مضامین کو یکجا کر کے ملت اسلامیہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ ابھی حضرت کے بہت سے مقالات و مضامین رہ گئے ہیں، دعا ہے عزیز سلمہ' ان تمام مضامین کو تلاش کر کے ایک دوسرا مجموعہ مرتب کرنے میں کامیاب و کامران ہوں۔

اللہ تعالی عزیز سلمہ' کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ مزید ان کو اپنے اکابر کے علوم و معارف کی ترتیب اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین

سید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۔	پیش لفظ	۳
۲۔	اس صدی کا امامِ اعظمؒ تھا	۷
۳۔	حیات وخدمات	۹
۴۔	مشاہیر علماء کی نظر میں	۴۱
۵۔	توحید خالص	۵۳
۶۔	رسول اکرم ﷺ کی وصیتیں	۶۱
۷۔	اشرف البیان فی معجزات القرآن	۶۹
۸۔	تقریر بموقع ختم بخاری شریف	۸۳
۹۔	براءت عثمان ذوالنورینؓ	۱۱۷
۱۰۔	مقدمہ کے طور پر چند باتیں	۱۲۳
۱۱۔	فضائل جہاد	۱۷۵
۱۲۔	مصائب وحوادث کا علاج	۱۹۹
۱۳۔	اسلامی نظام کے بنیادی اصول	۲۱۵
۱۴۔	اسلام اور سائنس	۲۲۳
۱۵۔	عصر حاضر میں مسافت قصر کی تحقیق	۲۲۹

۱۶۔	میدان عرفات میں مسلمانان عالم سے خطاب	۲۴۱
۱۷۔	جدہ ریڈیو سٹیشن سے عربی میں تقریر	۲۴۹
۱۸۔	کراچی ریڈیو پر تقریر	۲۵۵
۱۹۔	تبلیغی جماعت کی اصلاح	۲۶۵
۲۰۔	مسئلہ قربانی پر ایک اہم مکالمہ	۲۸۳
۲۱۔	دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب	۳۱۱
۲۲۔	حکیم الامت مجدد الملت	۳۱۷
۲۳۔	محبوب نبی شبیر علی	۳۲۷
۲۴۔	مرثیہ	۳۴۱
۲۵۔	جہاد فلسطین	۳۴۵
۲۶۔	حضرت مولاناؒ کا ایک اہم انٹرویو	۳۵۱
۲۷۔	امیر اعلیٰ کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کا پیغام	۳۵۹
۲۸۔	صیانۃ المسلمین۔ حیاۃ المسلمین	۳۶۵
۲۹۔	پنج گنج۔ سود مند	۳۷۹

اس صدی کا امام اعظمؒ تھا

عالم باعمل ظفر احمد عارفِ بے بدل ظفر احمد
علم و عرفان و آگہی کا چراغ لمعہء نور صاحب ما زاغ
قائد حاملانِ دینِ متین رہبرِ عالمانِ شرع مبین
عالم و ماہر شریعت بھی سالک و رہبرِ طریقت بھی
مرد عارف بھی صاحب دل بھی بندہ حق بھی شیخ کامل بھی
ختم عرفان و آگہی اس پر فاش اسرار باطنی اس پر
رونقِ بزم اولیاء بھی وہی مسند آراء اتقیاء بھی وہی
چشمہء فیض بارگاہِ خلیلؒ یعنی مُرشدِ نگاہ خلیل
ملک گوہر فشاں اشرف بھی اور دست و زبانِ اشرف بھی
مُرشد تھانویؒ کا نورِ نظر صاحب علم و فضل و عقل وہنر
رہ نماؤ مفکر و دانا مُرشد و مفتقد رؤف مولانا
عالم و فاضل فقیہ و ادیب حافظ قاری و امام وخطیب
مفتی واعظ و مقرب بھی ناقد و شارح و مفسر بھی
مقتدائے محدثین بھی وہی پیشوائے محققین بھی وہی
اس سے اعلاء سنت نبویؐ اس کے سر پر لواء مصطفویؐ
پیشۂ علم کا وہ ضیغم تھا
اس صدی کا امام اعظم تھا

(قمر احمد عثمانی)

حیات و خدمات

www.alhaq.org

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

حیات و خدمات

ولادت و تعلیم :

آپ ۱۳؍ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور کے معروف و معزز عثمانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ لطیف احمد عثمانی مرحوم صوم و صلوٰۃ کے پابند اور با اخلاق انسان تھے۔ دیوبند کے مشہور پیر طریقت حضرت حاجی عابد حسین دیوبندیؒ سے بیعت تھے۔ آپ کے دادا مرحوم شیخ نہال احمد عثمانی دیوبند کے ایک معزز با اثر سخی اور بہت بڑے رئیس تھے۔

دار العلوم دیوبند کی عمارت والی زمین انھی کی عطیہ کردہ ہے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ نہال احمد صاحب مرحوم کے خاص بہوئی تھے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اور آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کے خواہر زادہ اور حقیقی بھانجے تھے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے دار العلوم دیوبند میں حاصل کی۔ پھر اپنے ماموں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ مدرسہ امداد العلوم میں داخل ہو کر مولانا محمد عبد اللہ گنگوہیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۳ھ میں جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا محمد

اسحاق بردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے عربی ادب کی اعلیٰ کتب پڑھیں۔ پھر حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی خدمت اقدس میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰ نمبروں میں سند الفراغ حاصل کی۔

علمی و تدریسی خدمات

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ اپنے استاد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی زیر نگرانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ۱۳۲۹ھ میں علمی و تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور ۱۳۳۶ء تک مسلسل سات سال اسی مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ابتداء میں شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ کے اسباق آپ کے سپرد ہوئے۔ پھر بتدریج ترقی ہوتی گئی اور فقہ میں ہدایہ، حدیث میں مشکوٰۃ شریف، فلسفہ میں میبذی اور علم کلام میں شرح عقائد وغیرہ مختلف فنون کی کتابوں کا درس آپ نے دیا۔ اور علم ادب عربی میں سبعہ معلقہ اور متنبّی کی کتابیں پڑھائیں۔

سات سال مظاہر العلوم میں درس دینے کے بعد ۱۳۳۶ء میں سہارنپور سے رخصت لے کر تھانہ بھون کے قریب مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں آپ نے ۱۳۳۸ تک دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف کا درس دیا۔ ۱۳۳۹ھ میں حج سے واپسی کے بعد آپ کا مستقل قیام تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ اور مدرسہ امداد العلوم میں ہو گیا۔ یہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ فتویٰ نویسی کا شعبہ بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا تھا اور آپ ان تمام شعبوں میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زیر نگرانی علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں آپ نے بیضاوی شریف اور دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا۔ اور تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء کی دستاربندی حکیم الامت تھانویؒ کے دست مبارک سے ہوئی تھی۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے قیام میں حضرت تھانوی کے انفاسِ قدسیہ اور توجہات عالیہ کی برکت سے جو قابل قدر علمی اور تالیفی کارنامہ حضرت مولانا عثمانی قدس

سرہ نے انجام دیا۔ اس کی مثال علماء سلف اور قدما کے کاموں میں بھی نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

۱۳۴۶ھ میں مدرسہ راندھیر یہ رنگون تشریف لے گئے تھے۔ جہاں اڑہائی سال تک تبلیغی و علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۹ھ میں پھر تھانہ بھون واپسی ہوئی اور یہاں پہنچ کر حسبِ سابق حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت میں رہ کر درس و تدریس تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی کے شعبوں میں خدمات انجام دیتے رہے اور سلسلہ یہ ۱۳۵۸ھ تک جاری رہا حضرت سے حکیم الامت تھانوی کی خدمتِ بابرکت میں اتنی طویل مدت اور عرصہ دراز تک قیام کرنے اور حضرت سے علمی استفادہ اور روحانی استفاضہ کا موقع حضرت عثمانی مرحوم کے برابر حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں سے کسی دوسرے کو میسّر نہیں آیا اور اس شرف میں حضرت عثمانی مرحوم، حضرت اقدس تھانویؒ علیہ الرحمۃ کے غالباً تمام ہی متوسلین پر سبقت لے گئے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۵۸ھ میں حضرت مولانا عثمانی مرحوم کے بعض احباب نے آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بلانے کی تحریک کی۔ اس پر آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کی اجازت سے تھانہ بھون سے ایک سال کی رخصت لے کر ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے۔ یونیورسٹی میں بھی اگرچہ آپ کے سپرد بخاری شریف، مسلم شریف، کتاب التوحید اور ہدایہ وغیرہ کے بڑے بڑے اسباق تھے لیکن آپ کے ذوق علمی کو پورا کرنے کے لئے یہ اسباق بھی کافی نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے یونیورسٹی کے مذکورہ اسباق کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں جو آپ کی ہی سرپرستی میں آپ کے احباب نے قائم کیا تھا موطا امام مالک، بیضاوی شریف اور مثنوی مولانا روم کے اسباق بلامعاوضہ پڑھانے شروع کر دیئے۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے۔ چنانچہ ڈاکٹر شہید اللہ مرحوم، ڈاکٹر سراج الحق صاحب اور پروفیسر جیلانی صاحب اسی زمانے کے مولانا عثمانی کے شاگرد ہیں۔

مدرسہ اشرف العلوم کے اکثر حضرات مدرسین بھی مؤطا امام مالک اور مثنوی کے

درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان اسباق کے علاوہ اس مدرسہ میں بھی آپ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

چوتھے سفر حج سے واپسی کے بعد لال باغ کی شاہی مسجد میں مولانا عثمانی کی زیر سرپرستی ایک عظیم دینی درسگاہ جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے نام سے قائم ہوئی۔ اس درسگاہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا شمس الحق فرید پوری جو حضرت حکیم الامت تھانوی سے بیعت تھے اور ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ سے تھا۔ حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد مولانا عثمانیؒ سے تجدید بیعت کرلی اور آپ کے مخصوص خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔

موصوف کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ و مجاز حضرت حافظ جی حضور مشرقی پاکستان کی مایہ ناز علمی وروحانی شخصیت ہیں۔ جامعہ قرآنیہ کے مدرس اول اور شیخ الحدیث ہیں۔ اس مدرسہ میں بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے بخاری شریف کا درس کم وبیش پندرہ سال تک نہایت پابندی سے دیا ہے۔ اس میں بھی جامعہ قرآنیہ کے تمام مدرسین شریک ہو کر علمی استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ڈھاکہ سے ترک تعلق کے بعد جب آپ مغربی پاکستان تشریف لے آئے تو جامعہ قرآنیہ کی سرپرستی بدستور فرماتے رہے اور ہر سال رمضان المبارک کی تعطیلات وہیں جاکر گزارتے تھے اور شوال کے مہینہ میں بخاری شریف کے اسباق شروع کرانے کے بعد واپس تشریف لاتے تھے اور شعبان کے مہینہ میں آپ ہی کے اختتامی درس سے ختم بخاری شریف کا ہوا کرتا تھا۔ جامعہ قرآنیہ کے بیشتر مدرسین آپ کے مرید و شاگرد ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۴ء تک آپ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے بھی صدر مدرس رہے۔ یہاں مدرسہ کی تعلیمی نگرانی اور اساتذہ میں تقسیم اسباق کے علاوہ بخاری شریف، الاشباہ والنظائر، اصول بزدوی کے اسباق بھی آپ کے سپرد رہے۔ علاوہ ازیں ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق کے زمانہ میں یونیورسٹی کی تعطیلات گرما میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بھی آپ نے درسِ حدیث کی خدمات انجام دی ہیں اور مسلم شریف وترمذی شریف کے اسباق بھی پڑھائے ہیں۔

۱۹۵۴ء میں مسلم لیگ، عوامی لیگ اور دوسری پارٹیوں سے مقابلہ ہوا جس میں

مسلم لیگ ناکام رہی۔ جس کی وجہ سے آپ مشرقی پاکستان میں قیام سے دل برداشتہ ہو گئے اور مغربی پاکستان میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ مدرسہ عالیہ سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے حج کا قصد کیا۔ اور سفر حج سے واپسی کے بعد ڈھاکہ تشریف لائے ہی تھے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر بلانے کے لئے ڈھاکہ پہنچ گئے اور آپ نے وہاں آنا منظور فرمالیا۔

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخر میں آپ دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے عہدہ شیخ الحدیث پر فائز ہو کر مسلسل بیس سال تک قرآن و حدیث کی خدمت اور تعلیم و تدریس میں مشغول رہے اور اپنی قوت و طاقت سے بڑھ کر زندگی کے آخری لمحات تک علوم قرآن و حدیث کی تعلیم اور نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ بہر حال آپ کی علمی و تدریسی خدمات کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

آپ کا فیض پورے برصغیر پاک و ہند بنگلہ دیش سے نکل کر حرمین شریفین اور یوگنڈا تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر یہ سلسلہ واسطہ در واسطہ ہو کر بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی دور دراز تک پھیلا ہوا نظر آئے گا اس لئے آپ سے فیض علمی حاصل کرنے والوں کی صحیح تعداد اور آپ کے نمائندہ کا قطعی انداز میں شمار کرنا از بس دشوار ہے۔ چند مشہور تلامذہ کے اسمائے گرامی سے ہی اندازہ لگائیے کہ جن کی علمی شخصیت اور تبحر علمی بجائے خود مسلم ہے اور جو بجا طور پر اپنے دور کے بلند پایہ استادانِ حدیث اور اکابر علماء میں شمار ہوتے ہیں ان سب کو حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ، سے نسبت تلمذ و شرفِ استفاضۂ علوم حاصل ہے:۔

☆ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

☆ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

☆ حضرت مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ

☆ حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوریؒ

☆ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

☆ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاندھلویؒ

☆ حضرت مولانا عمر احمد سورتی۔ اور

☆ حضرت مولانا عبدالرزاق افریقی وغیرہ مشاہیر علماء آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

(تفصیل کے لئے علمی خدمات "تذکرۃ الظفر" میں ملاحظہ فرمائیے)

تصنیفات و تالیفات

مولانا عثمانی مرحوم کا نام اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اہل علم و عمل کے سلسلہ میں سر فہرست آتا تھا۔ بلکہ آپ ان کے صدر نشین تھے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی اور دینی علوم میں کمال جامعیت و بصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔ آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی کی زیر نگرانی خانقاہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اسی زمانے میں آپ کی نوکِ قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات و تصنیفات عالم ظہور میں آئیں جن پر عالمِ اسلام کے مشاہیر علماء کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ بڑے بڑے محدث اور جلیل القدر مفسر آپ کے شاگردانِ کرام کی صف میں نظر آئے اور بہت سے جدید علوم کے ماہرین نے آپ کی ذات بابرکات سے علمی استفادہ کیا، درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کی خدمت کے علاوہ مختلف موضوعات پر ایک سو کے قریب چھوٹی بڑی کتب منظر عام پر آئیں جن کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

علم تفسیر

تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں حضرت مولانا عثمانی مرحوم نے علم تفسیر اور علم حدیث کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور بہت بڑی مایہ ناز کتابیں فنِ تفسیر اور حدیث میں

آپ نے یہاں کے قیام میں تالیف اور تصنیف فرمائی ہیں۔ یہاں کے زمانۂ قیام میں آپ نے ایک سال کی محنت میں تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ "تلخیص البیان" کے نام سے کیا تھا اور اس خلاصہ کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے بہت پسند فرمایا تھا۔

فقہ اسلامی حنفی کن کن آیات سے ماخوذ ہے اور علمائے احناف نے کون کون سی آیات سے کون کون سے مسائل فقہیہ کا استنباط کیا ہے۔ "احکام القرآن" میں ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سے قرآن کریم سے فقہ حنفی کے دلائل کا ایک بہت عمدہ اور مستند مجموعہ عربی زبان میں شائع ہو گیا ہے۔ علم تفسیر میں آپ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ "القول الیسور فی تسہیل ثبات الستور" حضرت تھانوی کے رسالہ ثبات الستور کی یہ تسہیل ہے آپ نے ایسی خوبی کے ساتھ یہ تسہیل فرمائی ہے کہ اصل رسالہ بہت ہی سہل اور آسان ہو گیا ہے۔

علم حدیث

مولانا عثمانی کا علم حدیث میں سب سے بڑا علمی شاہکار "اعلاء السنن" ہے جو اس صدی کا ہی نہیں بلکہ شاید علم حدیث کا بہت بڑا کارنامہ اعلاوالسنن اور اس کے مقدمہ کی تصنیف ہے جو کہ بیس ضخیم جلدوں میں بڑے سائز کے چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ "احکام القرآن اور اعلاء السنن" دونوں ایسی عجیب و غریب کتابیں ہیں جن کی مثال سے علمی دنیا تقریباً ایک ہزار سال سے خالی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں مولانا عثمانی مرحوم کے قلم گوہر رقم سے یہ نایاب موتیوں کا مخفی علمی خزانہ دنیا کو دستیاب ہوا۔ "اعلاء السنن" کے بارے میں یہاں صرف حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تاثر ہی ناظرین کے لئے اس کتاب اور اس کے مصنف کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کے لئے کافی ہے۔ مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں:

"مولانا عثمانی بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے۔ اگر اُن کی تصانیف میں

اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہانِ قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعے حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابلِ قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیق ذوق کا معیار ہے۔ مولانا موصوف نے یہ وہ قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے۔ "

علم فقہ

آپ کو علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی بہت مہارت اور بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ اور اس فن میں کمال اور رسوخ کے حصول میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فیض صحبت کا بڑا دخل تھا۔ تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں تالیف و تصنیف اور درس و تدریس کے ساتھ فتاویٰ کے لکھنے کا کام بھی آپ کے سپرد تھا۔ آپ خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی بھی تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ "امداد الاحکام" کے نام سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں مکتبہ دار العلوم کراچی سے شائع ہوا ہے جو علم فقہ کا مخفی خزانہ ہے۔ اس کے علاوہ علم فقہ پر متعدد کتب شائع ہوئیں جن میں "القول الماضی فی نصب القاضی" "کشف الدجی عن وجہ الربوا" جبریہ تعلیم کے خلاف فتویٰ وغیرہ۔

علم تصوف

اس علم کی بھی مولانا مرحوم نے بڑی خدمت انجام دی ہے بہت سے متعلقین و متوسلین کی اصلاح و تربیت کر کے ان میں ذوق معرفت پیدا کرنے کے ساتھ بطورِ فن کے بھی اس

علم کی مشکلات اور تحقیقات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے قلم سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں ”اسباب المحمودیہ“ روحِ تصوف مع عطر تصوف ”مرام الخاص“ ”الدر المنضود“ ”رحمۃ القدوس“ ”انکشاف الحقیقت“ ”القول المنصور فی ابن المنصور“ ”حقیقت معرفت“ ”الظفر الجلی باشرف العلی“ وظائف وافادات وغیرہ۔

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر بہت سی کتب و رسائل تصنیف فرمائیں جن میں ”تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین“ ”تردید پرویزیت“ ”رد منکرین حدیث“ ”تردید غیر مقلدیت“ ”براءۃ عثمانؓ“ ”کف اللسان“ ”عن معاویہ ابن ابی سفیان“ ”فضائل قرآن“ ”فضائل جہاد“ ”فضائل سید المرسلین“ ”ولادت محمدیہ کا راز“ ”جوائح بعثریہ اور تعلیم نبوت“ ”سفر نامہ حجاز“ ”انجاء الوطن“ ”علمائے ہند کی خدمتِ حدیث“ ”حیاتِ اشرف“ ”انوار النظر فی آثار الظفر“ ”مسلمانوں کے زوال کے اسباب“ ”دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب“ اور ”ذلتِ یہود اور عربوں کی حالیہ شکست“ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا عثمانی کی سیاسی خدمات

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی مسلک بالکل وہی تھا جو آپ کے ماموں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تھا۔ حضرت مولانا عثمانی مرحوم تحریکِ خلافت کے طریق کار اور کانگریس کی متحدہ قومیت کے ساتھ اختلاف کرنے میں نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ تھے بلکہ حکیم الامت کے دست راست اور عملی و تحریری خدمات میں پیش پیش اور شریک کار ہو کر حضرت تھانوی کے مسلک کی توضیح اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر مولانا عثمانی مرحوم حصہ لے رہے تھے۔ اس لئے لوگوں کی طرف سے جوش انتقام میں بے سوچے سمجھے جو کچھ اذیتیں اور تکلیفیں حضرت تھانویؒ کو پہنچائی گئیں ان سب میں مولانا عثمانی بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ برابر کے شریک اور حصہ دار بنے رہے۔

اسی زمانے میں مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر مفتی صاحب نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے پوچھا کہ حضرت تھانویؒ جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے ؟ حالانکہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور ﷺ نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔

مولانا عثمانی مرحوم نے جواب میں کہا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔ اور ان ہی کا حکم غالب ہے۔ ”

غرضیکہ حضرت عثمانی مرحوم ایک رفیق کار ہونے کی حیثیت سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کی تائید میں تحریری اور تقریری خدمات بجا لاتے رہے۔ تحذیر المسلمین اور الخیر الفامی وغیرہ رسائل مولانا عثمانی کے اسی زمانے کے ہیں۔ جن میں مولانا نے خلافت کمیٹی کے بعض لیڈروں کے محرمات اور کفریات پر متنبہ فرمایا ہے اور جس مسلک کو حق سمجھا اس کے برملا اظہار میں ہرگز دریغ نہیں کیا اور نہ کسی اپنے پرائے کی رعایت مدنظر رکھی بلکہ ہر طرح کے طعن و تشنیع برداشت کر کے کلمۂ حق کا اعلان کرتے رہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کی وصیت میں مولانا عثمانی مرحوم ہمیشہ سے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی رہے اور کسی دور میں بھی مسلمانوں کے لئے کانگریس کی شرکت سے متفق نہیں رہے اس لئے جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اور دونوں جماعتیں آپس میں متحد رہیں اس وقت تک ان حضرات نے مسلم لیگ کا بھی ساتھ نہیں دیا پھر جب یہ صورت حال سامنے آئی کہ مسلم لیگ نے کانگریس سے اب علیحدگی اختیار کر لی ہے تو اس وقت ان حضرات نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

جھانسی کا الیکشن اور حضرت تھانوی کا فتویٰ

مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد پہلا الیکشن جھانسی میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سے کس کو ووٹ دیا جائے ؟

ابھی تک حضرت حکیم الامت کا ذہن مسلم لیگ کی حمایت کے بارے میں واضح نہیں تھا بلکہ بجا طور پر یہ خدشہ محسوس کرتے تھے کہ یہ لوگ مصطفیٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ نہ کر دیں اس لئے اس تار کا جواب دینے کے لئے آپ نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے یہ مشورہ دیا کہ :۔

> ”آپ کانگریس کی حمایت کے تو خلاف ہیں ہی، صرف تامل مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں ہے اس لئے آپ یہ جواب دیں کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے“

یہ جواب حضرت حکیم الامت نے پسند فرمایا اور اس مضمون کا تار روانہ کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ کامیاب ہو گئی۔ الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کی خوشخبری سنانے کے لئے مولانا شوکت علی مرحوم اور ان کے چند رفقاء تھانہ بھون آئے انھوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت تھانویؒ کے جوابی تار کو حضرت حکیم الامت تھانوی کے فتویٰ کی صورت میں بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا اور جگہ جگہ چسپاں کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کانگریس کو ووٹ دینے کے لئے آئے تھے وہ بھی اس فتویٰ کو دیکھ کر مسلم لیگ کو ووٹ دیتے تھے۔ مولانا شوکت علی مرحوم نے تھانہ بھون میں جلسہ بھی کیا تھا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف سے تقریر کی تھی اور فرمایا تھا کہ :۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی آویزش کے دوران حضرت تھانویؒ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ دینے سے پہلے حالات اور واقعات کی مکمل تحقیق کی۔ اور کانگریس کی حامی جمعیت علماء ہندو اور مسلم لیگ سے کچھ ضروری

سوالات بھی کیئے تھے یہ سوالات حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے لکھے تھے۔ جب مکمل تحقیق کر لی گئی تو حضرت تھانوی قدس سرہ نے مسلم لیگ کی حمایت وشرکت کی رائے دی اور آپ کا فتوی بنام ''تنظیم المسلمین'' شائع ہوا۔ یہ فتویٰ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۸ھ کا تحریر شدہ ہے اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کی دینی حالت کے درست کرنے کے لئے حضرت تھانویؒ کی طرف سے مختلف اوقات میں متعدد وفود زعماء مسلم لیگ کے پاس بھیجے گئے۔

قائداعظم سے ملاقاتیں

مسلم لیگ کی باقاعدہ حمایت کے بعد حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے زعماء اور خصوصاً قائداعظم کی دینی تربیت کے لئے اپنے متعلقین ومتوسلین علماء کرام کو مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے بھیجا۔ سب سے پہلے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت حکیم الامت نے ایک تبلیغی وفد بھیجا اس وفد نے قائداعظم کو نماز کی تبلیغ کی اور اس اجلاس میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جو تاریخی بیان بھیجا اس کو عام اجلاس میں پڑھ کر سنانے کی خدمت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی انجام دی تھی۔ اجلاس پٹنہ سے ایک دن پہلے اس وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قائداعظم سے فرمایا کہ مسلمان ایک مذہبی قوم ہے۔ جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا کامیابی نہ ہو گی۔ آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کر لیں۔

قائداعظم نے پہلے تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے مگر جب اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو یورپ کی سیاست ہے۔ اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام قائد حرب بھی تھا اور نماز کا امام بھی تھا جب تک مسلمان رہے یہی صورت رہی جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا ہے۔ مسلمانوں کا تنزل شروع ہو گیا مصطفیٰ کمال نے مذہب کو چھوڑا تو اس کی سلطنت

مختصر ہو کر رہ گئی جب تک مذہبی شان تھی خلیفہ اسلام کی بڑی سلطنت تھی اور رعب تھا۔ امان اللہ خان نے بھی مذہب چھوڑا تو قوم نے علیحدہ کر دیا۔

قائداعظم پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اگلے دن کھلے اجلاس میں اعلان کر دیا کہ :۔

> ”اسلام عقائد و عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے۔ قرآن نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہیے۔“

قائداعظم کی اس تقریر کو اخبار الامان میں اس سرخی کے ساتھ شائع کیا تھا ”مولانا حکیم الامت کی روحانیت کی تاثیر اور قائداعظم کی تقریر۔“

اسی ملاقات میں تھانہ بھون کے وفد نے مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان کو نماز پڑھنے کی تبلیغ بھی کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ نماز پڑھا کریں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب نماز پڑھیں قاضی شہر امام بنے اور قائداعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

حکومت برطانیہ نے ایک بل آرمی بل کے نام سے پاس کیا تھا۔ کانگریس نے بظاہر اس کی مخالفت کی تھی لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھا اور بظاہر مسلم لیگ کی یہ حمایت مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھی۔ اس کی تحقیق کے لئے بھی حضرت تھانویؒ نے جو وفد قائداعظم کے پاس بھیجا تھا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم بھی اس میں شریک تھے۔ مولانا عثمانی کے دریافت فرمانے پر قائداعظم نے کہا کہ اس کی مخالفت تو کانگریس نے بھی نہیں کی بلکہ وہ یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ فوج میں تناسب آبادی کی رعایت رکھی جائے۔ اس وقت فوج میں ساٹھ فیصد سے زیادہ مسلمان ہیں۔ ہندو چالیس فیصد سے بھی کم ہیں۔ کانگریس کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو فوج میں ۲۵ فیصد رکھا جائے تو ہم آرمی بل مان سکتے ہیں۔ قائداعظم نے کہا کہ انقلاب آنے والا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی ہی اکثریت قائم رہے۔ اس لئے میں نے آرمی بل کی حمایت کی تھی مگر اس شرط پر مسلمان فوج کو مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ بھیجا جائے اور جو مسلمانوں کا تناسب تھا

اس کو بر قرار رکھنے کا حکومت نے وعدہ کیا تھا۔

تحریک پاکستان میں عظیم کارنامے

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب علماء کرام کے کردار پر بحث کی جائے گی اور پاکستان بنانے میں علماء کی عملی جدو جہد کا ذکر آئے گا تو قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے سیاسی رفقاء کے ساتھ ساتھ جن علماء کرام کا نام لیا جائے گا ان میں دیو بندی حلقہ کے سر خیل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے متوسلین کا نام سر فہرست ہوگا۔ حضرت تھانویؒ تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن رکھتے ہوئے ۱۹۴۳ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے مگر حضرت تھانوی کی جماعت اور ان کے متوسلین مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے رہے خصوصیت سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے جس کا ذکر مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ سے حضرت تھانوی نے ۱۹۲۸ء میں فرمایا تھا۔ جیسا کہ اسی کتاب میں پہلے گزر چکا ہے۔ تحریکِ پاکستان میں بیش بہا کام کیا اور مولانا عثمانی مرحوم نے ہندوستان کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں اپنی تقاریر اور عملی جدو جہد کے ذریعے تحریکِ پاکستان کو مقبول عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ درست ہے کہ اس وقت جمیعت علماء ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی مگر ان علماء دیوبند کی خدمات کو نظر انداز کر دینا اور یہی پروپیگنڈہ کرتے رہنا کہ علماء کی سرگرمیاں پاکستان کے سراسر خلاف تھیں اور ان کو تحریکِ پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ یہ بات کس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ جنھوں نے نہ صرف پاکستان کی حمایت میں فتوے جاری کیئے بلکہ خود بہ نفسِ نفیس حصہ لیا حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا شمار بھی قوم کے انھی محسنوں میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ پر صرف یہ کہ پاکستان کی زبانی تائید کی تھی بلکہ عملی طور پر بھی اسی کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔

جب پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آگئے اور مخالفین کی طرف

سے اس قسم کا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا کہ مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ ہے اسے جماعت علماء کی تائید حاصل نہیں ہے ایسے حالات میں اگر مسلم لیگ کو مقتدر علماء کی بااثر جماعت کی حمایت و تائید حاصل نہ ہوتی تو الیکشن کا جیتنا آسان کام نہ تھا۔ اسی نزاکت حال کا احساس کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد شفیع صاحب وغیرہ دیگر مقتدر علماء کرام نے یہ تجویز کیا کہ مطالبہ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی المبارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم آل انڈیا جمیعت علماء کانفرنس کے ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ اکتوبر کی تاریخوں میں چار روز تک مسلسل اجلاس ہوتے رہے پانچ سو سے زائد علماء اور مشائخ نے اس میں شرکت کی۔ عام تاثر یہ تھا کہ خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی۔ اس کانفرنس میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر صدارت مختلف قرار دادیں پاس ہوئیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ووٹروں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیا جائے۔

کلکتہ کے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحریک پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو نائب صدر مقرر کیا گیا۔ لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی کافی عرصہ سے علیل ہونے کی وجہ سے سیاسیات سے عملی طور پر علیحدگی اختیار کیئے ہوئے تھے اور جمعیت علماء ہند کے طریقِ کار سے اگرچہ عرصہ سے ان کو اختلاف چلا آرہا تھا مگر عملی طور پر اس سے بھی اختلاف کا اظہار ابھی تک نہیں کیا تھا جب اس صدارت کی قرارداد کو لے کر مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبند پہنچے تو علامہ شبیر احمد عثمانی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ :۔

”بھائی میں تو سولہ مہینے سے صاحبِ فراش ہوں، مجھ میں سفر کی ہمت کہاں ؟ اس کے لئے تو صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریریں کرنا ہوں گی۔“

مولانا ظفر احمد صاحب نے علامہ عثمانی کی معذرت کے جواب میں کہا کہ آپ صدارت قبول فرمالیں۔ کام کی ذمہ داری میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔

علامہ عثمانی نے خوش ہو کر جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول فرمالی۔ غرضیکہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی انھیں اس علالت کے باوجود صدارت کے قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور بالآخر اس شرط پر سیاسیات میں حصہ لینے پر آمادہ ہوگئے کہ اگر علالت کی وجہ سے کام نہ کر سکے تو مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ان کی نیابت کرتے رہیں گے جسے منظور کر لیا گیا۔

یہ زمانہ تحریک پاکستان کا نازک ترین دور تھا۔ اور اس زمانہ میں مجلس احرار نیشنلسٹ مسلمان اور جماعتِ اسلامی جمعیت علماء ہند اور خدائی خدمت گار سب مسلم جماعتیں اپنی اپنی اغراض اور مصالح کی بناء پر پاکستان کے خلاف متحد تھیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ کانگریس کی تائید کر رہی تھیں۔

مولانا عثمانی کے طوفانی دورے

۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقع پر جبکہ برصغیر کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کانگریس کے مطالبہ کے مطابق ہے یا مسلم لیگ کے موافق ہند اور پاکستان میں تقسیم ہو جائے۔ جماعتِ اسلامی اور جمعیت علماء ہند نے مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی بجائے کانگریس میں شرکت کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اولین فرصت میں کانگریس اور اس کی حامی جماعتوں کی تردید میں ایک زوردار بیان جاری کیا اور فرمایا کہ :۔

> "مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہادِ آزادی میں اشتراک عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکمِ اہل شرک غالب نہ ہو مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں چنانچہ شرح سیر کبیر ص ۲۳۱ جلد ۳ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اب فیصلہ اہلِ انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟ رہا مطالبہ پاکستان، سو جب تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا حالتِ موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنا لینا کہ

وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جاسکے لازم اور ضروری ہے۔"

(حیات محمد علی جناح صفحہ ۵۳۴ از تعمیر پاکستان)

علاوہ ازیں علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ ، مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ علماء کرام جن کا مذاق ہی شروع سے الیکشنوں کے طوفان سے یکسوئی تھا ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے پھیل گئے۔ کیونکہ یہ الیکشن ایک صحیح مقصد یعنی اسلامی سلطنت کے قیام کے لئے لڑا جارہا تھا جس کا قیام ہندوستان کے ایک حصہ میں مسلم لیگ کی حمایت و کامیابی پر موقوف تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ نے اس پاکستان الیکشن کے سلسلہ میں تقریباً چار ماہ تک پورے ہندوستان کا ایک ایسا طوفانی دورہ کیا جس کی لپیٹ میں یوپی، بہار، بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد سبھی آگئے۔ جلسوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر روز جلسہ ہوتا تھا بلکہ ایک دن میں کئی کئی جلسے ہوتے تھے۔ صبح کو کسی جگہ اور شام کو کسی جگہ اور عشاء کے بعد تیسری جگہ۔ یہاں تک کہ مولانا عثمانی ؒ کا کوئی ساتھی ان کے ساتھ نہ چل سکا۔ مسلسل سفر کی صعوبت اور شب بیداری کی وجہ سے مولانا کے ساتھی اکثر بیمار ہو جاتے اور مولانا مرحوم کو بعض مقامات پر تنہا جانا پڑتا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے بڑھاپے میں بھی ان کی صحت ان کا برابر ساتھ دیتی رہی۔ یہ جہاں بھی پہنچتے ان کی بے غرضانہ اور مخلصانہ آواز پر عوام لبیک کہتے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ بدل جاتا۔ چارہ ماہ کی مسلسل تگ ودو کا یہ نتیجہ نکلا کہ عامۃ المسلمین کانگرس کی متحدہ قومیت کا مورچہ فتح کرنے کے لئے مردانہ وار مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر میدانِ عمل میں نکل آئے اس دورے میں مولانا عثمانی اعظم گڑھ بھی تشریف لے گئے تھے اور جامع مسجد کے اندر ایک عظیم الشان جلسہ میں مولانا نے بڑی ولولہ انگیز تقریر کی۔ تقریر کے بعد جامع مسجد سے ایک جلوس نکالا گیا یہ اتنا مرعوب کن جلوس تھا کہ جونہی یہ شہر کی روڈ پر پہنچا تو ہندوؤں کی ساری دکانیں بند ہو گئیں۔ جس کی یاد وہاں کے لوگوں میں اب تک باقی ہے۔ (رسالہ دار العلوم دیوبند)

ایسے ہی بیانات اور طوفانی دوروں سے ہوا کا رخ بدل گیا جو لوگ ابھی تک مسلم لیگ کی حمایت کے لئے کھڑے نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہو کر اس کے ممد و معاون بن گئے۔

www.shiehaq.org

جس کا خود قائداعظم کے ایک روحانی رفیق نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۴۶ء میں یوں اعتراف کیا کہ :۔

> ”کل سے یہاں (لاہور میں) جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی، حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب دیوبندی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور بیسیوں حضرات علماء کرام تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلم لیگ کی بڑی شدومد سے حمایت کر رہے ہیں۔ ان بزرگوں کی آمد سے ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔“
>
> (مشاہدات وارادات صفحہ ۱۰،۹)

۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ ضلع مظفر نگر اور ضلع سہانپور سے ضمنی انتخاب کے لئے کانگریس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی منتخب کیا تھا۔ کاظمی صاحب بعض نمایاں خدمات مثلاً کاظمی ایکٹ ۱۹۳۰ء میں حصہ لینے کی وجہ سے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں خاصی شہرت کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ کاظمی صاحب کی امداد کے لئے مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی اس حلقہء میں دورہ کر رہے تھے۔ مسلم لیگ نے اس حلقہء انتخاب کے لئے نواب زادہ لیاقت علی خان کو ٹکٹ دیا۔ مگر اس علاقہ میں لیگ کی کامیابی کی توقع نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لئے لیاقت علی خان نے سردار امیر اعظم خان سابق مرکزی وزیر کو تھانہ بھون بھیجا۔

اتفاق کی بات ہے کہ محمد احمد کاظمی مولانا ظفر احمد عثمانی کے قریبی رشتہ دار تھے مگر مولانا عثمانی مرحوم نے دین کے معاملہ کو قرابت داری سے بلند رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا اور اپنے رشتہ دار کے مقابلہ میں نظریہ پاکستان کی حمایت کے لئے لیاقت علی خان کو ترجیح دی اور دینی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا عثمانی نے سہارنپور، ڈیرہ دون، مظفر نگر اور بلند شہر کے اضلاع میں لیاقت علی خان کی تائید کے لئے دورہ کیا وہ بحمد اللہ کامیاب رہا اور اس کے بڑے مفید اور دوررس نتائج پیدا ہوئے۔

مولانا انیس احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ :۔

> ”حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہندوستان میں بہت سے اضلاع اور مقامات پر تشریف لا کر مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہنے اور پاکستان کے قیام میں جدوجہد کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت عثمانی اس سلسلہ میں قصبہ کھاتولی ضلع مظفر نگر میں تشریف لائے۔ سردار امیر اعظم خان جو لیاقت علی خان مرحوم کے منیجر کے صاحبزادے ہونے کے علاوہ خود پاکستان کے معروف آدمی ہیں۔ آٹھ دس سال مرکزی وزارت میں شامل رہے اور اب کراچی میں بہت بڑے کاروبار الاعظم لمٹیڈ کے روح رواں ہیں۔ سردار صاحب نے آپ کی خدمت میں کچھ روپے (تقریباً دو صد روپے) پیش کیئے کہ آپ کرایہ وغیرہ میں صرف فرمائیں اور ہماری طرف سے یہ ہدیہ منظور فرمائیں۔ حضرت نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا کہ مسلم لیگ یا پاکستان کا کام تمہارا یا تمہارے والد یا لیاقت علی خان کا کام نہیں ہے میرا اور میری قوم کا کام ہے مجھے اس سلسلہ میں نذرانہ قبول کرنے سے معذور سمجھیں، اصرار کے باوجود ہرگز قبول نہ فرمایا۔“

(مکتوب بحوالہ تذکرۃ الظفر)

لیاقت علی خان مرحوم نے اپنے کامیاب ہونے پر پہلے مبارک باد کا تار مولانا ظفر احمد صاحب کے نام دیا اور اس میں یہ بھی تھا کہ انھوں نے تین ہزار ووٹوں سے کاظمی صاحب کو شکست دی ہے۔ اس کے بعد لیاقت علی خان نے مولانا عثمانی مرحوم کے نام سے شکریہ کا ایک مفصل مکتوب ڈھاکہ سے روانہ کیا جس کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے:۔

> ”مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدانِ عمل میں سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بے حد موثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے اب اس سے

سخت معرکہ سامنے ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی تحریریں اور تقریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتدبہ حد تک ختم کر سکیں گی۔"

قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کا یہ خراجِ تحسین اور اعترافِ حقیقت ان لوگوں کے لئے جو کہتے ہیں کہ پاکستان کے لئے قربانیاں کرنے والوں میں علماء کہیں نظر نہیں آتے۔ اور اس طرح وہ پاکستان سے علماء کرام کا اثر و رسوخ مٹانے کے درپے ہیں۔ سرمۂ بصیرت اور تازیانۂ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے متوسلین کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ جس کا اعتراف اس وقت کے مسلم لیگ کے تمام عمائدین کو تھا۔ اگر یہ حضرات حمایت نہ کرتے تو جمعیت علماء ہند کے مقابلے میں جس میں مشاہیر علماء کی بڑی تعداد شامل تھی اور وہ کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی تو ان حالات میں مسلم لیگ کا کامیاب ہونا سب کو دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

حضرت مولانا عثمانی مرحوم کے طوفانی دوروں اور جلسوں کی خبریں علامہ شبیر احمد عثمانی کو اخبارات اور خطوط سے ملتی رہتی تھیں۔

اسی زمانے میں مولانا عثمانی جب ایک بار دیوبند گئے تو علامہ شبیر احمد عثمانی نے خوش ہو کر فرمایا:۔

"ہمیں یہ امید نہیں تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام لیں گے واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیئے۔"

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی ہوئی۔ تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے۔ کلکتہ میں عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع تھا، مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی ڈھاکہ سے تشریف لا کر اس اجلاس سے خطاب فرمایا تھا۔

۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو ڈھاکہ کے ایک شخص مسمی محی الدین کے استفسار پر مولانا عثمانی مرحوم نے بعض دوسرے حضرات کے ساتھ جن میں علامہ سید سلیمان ندوی بھی تھے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ لکھا کہ اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر

صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔ (عصر جدید کلکتہ مارچ ۱۹۴۶ء)

پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا تھا کہ شریعت کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی قومی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے تا کہ اپنے قومی نصب العین پاکستان کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ ہندوستان کی پیچیدہ صورت حال کا حل صرف اور صرف پاکستان ہے۔ ایک بیان میں مولانا عثمانی نے فرمایا کہ ”مسلم لیگ اگر بحیثیت جماعت پیچھے ہی رہ جائے تو اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آجائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے جب کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ شائع فرمایا۔ اس پر بھی منجملہ اکابر علماء دیوبند کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کی تصدیق بھی ثبت ہے۔

حضرت مولانا عثمانی نے ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو ایک تار برطانوی کابینہ وفد کے نام دہلی روانہ کیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے۔ کل ہند جمعیت علماء اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی پشت پر ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا قومی ملی مطالبۂ ہے اس مطالبہ کے انکار کا تصور بھی کسی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان اس سوال پر کمی بیشی کوئی مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مسلمان اس مطالبۂ ملی کے حصول کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔“ (۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء

سلہٹ کا ریفرنڈم

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی نے انگریز اور کانگریس دونوں کو مطالبۂ پاکستان کے ماننے پر مجبور کر دیا۔ مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائداعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں اس لئے منعقد ہوا کہ اس

طرح پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے پر غور کیا جائے۔ اس جلسہ میں شرکت کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مولانا ظفر احمد عثمانی کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ جلسہ میں مختلف انداز میں تقریریں ہوئیں۔ قائد اعظم کی رائے یہ تھی کہ :۔

"اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا، میری رائے یہ ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔"

اسی طرح سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ قائد اعظم نے اس کو بھی منظور کر لیا۔ قرار داد پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ علامہ ظفر احمد عثمانی قائد اعظم سے ملاقات کے لئے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور قائد اعظم سے ان مسلمانوں کے بارے میں جو تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں رہ جائیں گے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ دوران گفتگو میں قائد اعظم نے کہا کہ مجھے سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔ کیونکہ قائد اعظم کی نظر میں سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ اگر پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا۔ جیسے ناریل وغیرہ۔

جمعیت علماء اسلام کے ان دونوں عظیم رہنماؤں نے کہا کہ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور انشاء اللہ مسلم لیگ ہی کامیاب ہو گی۔ مگر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ ان دونوں حضرات نے اس کے جواب میں ترکی سلطنت کا ذکر کیا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود حکومت نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔

اس پر قائد اعظم نے کہا کہ آپ میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا۔ اس کے بعد طے ہوا کہ سلہٹ کی ریفرنڈم کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی

کام کریں گے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جاکر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ مگر سلہٹ میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور مرید زیادہ تھے۔ مولانا مدنی ہر سال رمضان بھی وہاں گزارا کرتے تھے۔ اس لئے جمعیت علماء ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔ مولانا عثمانی مرحوم کے احباب کے خطوط آئے کہ آپ کو خود یہاں پہنچنا چاہیے زمین بہت سخت ہے۔ اِدھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خان کا تار مولانا کے سلہٹ پہنچنے کے لئے آیا۔ مولانا اس وقت تھانہ بھون میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں پر بھی تار پر تار آئے۔ تو مولانا تھانہ بھون سے ڈھاکہ اور وہاں سے سلہٹ پہنچے۔ اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے اور نوابزادہ لیاقت علی خان ان دنوں سلہٹ اور آسام کا دورہ کررہے تھے واپسی میں غضر گاؤں میں کانگریسی لوگوں نے جلسہ میں گڑبڑ مچادی تو مولانا عثمانی مرحوم کے پاس آدمی بھیجا گیا کہ جلدی سے غضر گاؤں آئیں۔ چنانچہ مولانا عثمانی غضر گاؤں کے لئے روانہ ہوگئے۔ میمن سنگ اسٹیشن سے حسین شہید سہروردی مرحوم بھی اسی گاڑی میں سوار ہوگئے۔ جو غضر گاؤں میں گڑبڑ کی وجہ سے رات کو وہاں میمن سنگ آگئے تھے اور اب دوسرے جلسہ میں شرکت کے لئے پھر غضر گاؤں جارہے تھے۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی کو کرنی تھی۔ جب آپ غضر گاؤں پہنچے تو مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے آپ کا استقبال کیا ظہر کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا، مولانا نے اپنے خطبہ میں دلائل شرعیہ سے حمایت پاکستان کی ضرورت اور مخالفین کے شبہات بیان کیئے۔ جلسہ بڑے سکون و آرام سے ہوا اور شروع سے آخر تک کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد مولانا عثمانی نے مولانا سہول صاحب عثمانی کو ہمراہ لیا اور سلہٹ کے مضافات میں ان مقامات کا دورہ کیا جو پاکستان کے مخالف تھے۔

اب پولنگ میں دو روز باقی تھے کہ اتفاق سے اس وقت شاہ جلال کا عرس بھی تھا۔

لاکھوں آدمی اطرافِ سلہٹ سے اس عرس میں آئے ہوئے تھے، مسلم لیگ نے شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جلسہ کا انتظام کیا بڑے وسیع پیمانے پر لاؤڈ سپیکر لگائے گئے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے۔ عشاء کے بعد مولانا نے حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر جلسہ کا افتتاح ہوا۔ مولانا عثمانی نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا دلائل سے ثابت کیا اور بتایا

کہ جس حصہ کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے یہ اس لئے غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا اور مکہ کو دارالحرب رہنے دیا۔ کیونکہ اس وقت مکہ کو دارالاسلام بنانے کی نسبت مدینہ منورہ کو دارالالسلام بنانا آسان تھا۔ کیونکہ مدینہ کی فضا سازگار تھی جب مکہ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تو مکہ کو بھی دارالاسلام بنا دیا گیا۔ اس لئے ہم بھی پہلے اسی حصے کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں جس کی فضا سازگار ہے اور آسانی سے وہ حصہ دارالاسلام بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حصہ مسلم اکثریت کے صوبوں کا ہی ہو سکتا ہے۔

ان کی یہ تقریر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔

سب سے بڑا شبہ یہ تھا کہ پاکستان اسمبلی میں ہندو بھی ہوں گے تو وہاں اسلامی حکومت کس طرح ہو گی؟

مولانا عثمانی صاحب نے فرمایا کہ اکثریت مسلمانوں کی ہو گی۔ ہندو ہمارے تابع ہوں گے، مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے ہوں گے تو اسلامی حکومت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے جو معاہدہ یہودِ مدینہ و مشرکین سے کیا تھا اس میں صراحت موجود تھی کہ ہم سب مل کر ایک ہیں اور بصورت اختلاف رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سب کو ماننا پڑے گا تو کیا یہ اسلامی مملکت نہ تھی۔

علماء سے بھی مولانا نے فرمایا کہ آپ عوام سے نہ اُلجھیئے جو اشکال اور اعتراض کرنا ہو اس کا جواب دینے کو میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد ضلع سلہٹ کے کئی مقامات کا آپ نے دورہ کیا اور سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔ اس دورہ میں مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ مولانا محمد سہول صاحب عثمانی بھی تھے۔ مولانا نے پولنگ کے دن تک سلہٹ میں کام کیا جس دن پولنگ شروع ہوئی، مولانا عثمانی نمازِ فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گئے تو غنودگی کی حالت میں مولانا نے دیکھا کہ مسلم لیگ

اور جمعیت علماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر مولانا عثمانی پولنگ پر تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ واقعی جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگارہے ہیں، جمعیت علماء ہند، مسلم لیگ بھائی بھائی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ خواب سچا ہو گیا۔

شام کو رائے شماری کا نتیجہ نکلا تو ثابت ہوا کہ عظیم اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی اور پولنگ اسٹیشن سے اطلاع ملی کہ مسلم لیگ ۵۰ ہزار ووٹ سے جیت گئی اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ مولانا نے شکرانے کے نفل پڑھے اور ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔

مسلم لیگ کی اس کامیابی پر مولانا عثمانی نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارک باد دی تو انھوں نے جواب دیا کہ اس مبارک باد کے آپ مستحق ہیں سلہٹ کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے اور یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔

بہر حال ۲۷ر رمضان المبارک بمطابق ۱۴اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لئے قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدین مرحوم نے مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحریک پاکستان میں عظیم خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کو دعوت دی۔ آپنے سورہ انا فتحنا کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ تمام وزراء اور عمائدین مسلم لیگ خاموش وباادب سنتے رہے پھر بسم اللہ کر کے مولانا عثمانی نے پاکستانی پرچم لہرایا، خوشی میں توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی مولانا ظفر احمد عثمانی مع جماعت علماء شریک رہے اور چیف جسٹس مشرقی پاکستان سے آپ نے حلف لیا۔ اس کے بعد چیف جسٹس نے گورنر، وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء سے حلفِ وفاداری لیا۔

آئینِ اسلامی اور مولانا عثمانیؒ

ابھی ملک تقسیم بھی نہیں ہوا تھا اس وقت سے ہی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد شفیع، مولانا اطہر علی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور دوسرے اکابر علماء دیوبند پاکستان کے لئے اسلامی آئین بنانے والے کے لئے قائدین مسلم لیگ کو آمادہ کرتے رہے اور مسلم لیگ کے عمائدین سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے ان سے پاکستان میں آئین اسلامی جاری کرانے کا وعدہ لیتے رہے اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بھی ہمیشہ اس پر زور دیتے رہے۔ عام مسلمانوں کو بھی جلسوں میں اس پر آمادہ کرتے رہے۔

چنانچہ تقسیم سے پہلے ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو مولانا ظفر احمد عثمانی کی قائداعظم سے جو ملاقات ہوئی تھی اس میں بھی قائداعظم سے پاکستان میں آئین اسلامی ہونے کے اعلان کرنے کو کہا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں قائداعظم کو پھر ان کے دورہ مشرقی پاکستان کے موقع پر اس کی طرف توجہ دلائی اور ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جلسوں میں شرکت کرتے رہے اور قرارداد مقاصد کی منظوری میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی تقاریر میں دستورِ اسلامی کے جلد نافذ کیئے جانے کی حکومت پاکستان کو تاکید کرتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور کرانے کے بعد لیاقت علی خان مرحوم نے قومی اسمبلی کے ذریعے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی۔ اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا خاکہ تیار کرے۔

لیاقت علی خان نے ۱۹۵۰ء میں ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہیں کیا اور وزیراعظم لیاقت علی خان مرحوم کے چیلنج کے جواب میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر ہر مکتب خیال کے ۳۳ علماء کے دستخط سے ۲۲ نکاتی دستور بنا کر حکومت کو بھیجا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی بحیثیت صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام علماء کے اس اجتماع میں شرکت فرمائی اور ایک بیان میں حکومت سے صاف صاف لفظوں میں احتجاج کیا اور فرمایا:۔

میں جناب لیاقت علی خان وزیراعظم حکومت پاکستان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں

کہ بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہیں یا برطانیہ اور امریکہ کے قوانین کو؟ لیاقت علی خان کو قائداعظم کے اور خود ان کے وہ اعلانات اور وعدے یاد دلانا چاہتا ہوں جن میں بار بار کہا گیا تھا کہ دستور پاکستان، آئین قرآن و نظام اسلام کے مطابق ہوگا۔ میری جماعت جمعیت علماء اسلام ایسی سفارشات ہرگز منظور نہیں کرے گی جس میں قرارداد مقاصد اور آئین اسلامی کو نظر انداز کیا گیا ہو تو اس لئے جمعیت کے تمام ارکان کو اپنی اپنی جگہ سفارشات کے خلاف برابر احتجاج کرتے رہنا چاہیۓ تاآں کہ ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔“

(دستوری سفارشات اور ان پر تنقید و تبصرہ صفحہ ۵۵)

۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا یہ ملتِ اسلامیہ کے خلاف لادین عناصر کی ایک خطرناک سازش تھی۔ اس اندوہناک واقعہ پر ملت نے سخت رنج و غم کا اظہار کیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے ڈھاکہ میں ایک زبردست تقریر کی جس میں لیاقت علی خان کی شہادت پر سخت غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔ ۱۹۵٦ء میں جب ملک غلام محمد صاحب ڈھاکہ گئے تو اس موقع پر بھی مولانا عثمانی نے علماء کی جماعت کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستورِ اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔

۱۹۵۳ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم الدین مرحوم نے پیش کی۔ جس پر غور کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب فکر کے علماء کرام کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا اس میں بھی مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم شریک تھے۔ قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو دستوری روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد گورنر جنرل نے برطرف کر دیا جب کہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ قادیانی میں ان کی نازیبا روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔

اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا اگر خواجہ صاحب مرحوم نے مجلس تحفظ ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے چوہدری ظفر اللہ قادیانی کو وزارت سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرز عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

اس طرح خواجہ ناظم الدین کے دور میں جو آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ پھر ۱۹۵۶ء کے آئین میں اگرچہ قرارداد مقاصد کے مطابق آئینی طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ پاکستان کا کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور مروجہ قانون میں جو قانون قرآن و سنت کے خلاف ہوگا اس کو قرآن و سنت کے موافق بنادیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس آئین میں بھی کئی دفعات خلافِ اسلام پائی جاتی تھیں۔ علماء کرام نے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے۔ اس آئین پر غور و خوض کیا اور اس کی مذکورہ بنیادی اس دفعہ کو کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت کے موافق ایسی شرعی ترمیمات پیش کیں جن کو شامل کرنے سے ۱۹۵۶ء کا یہ آئین مکمل طور پر اسلامی آئین بن جاتا تھا۔ اسی لئے مولانا عثمانی ان ترمیمات کے ساتھ ہی ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کے حق میں تھے اگر مولانا عثمانیؒ کے منشاء کے مطابق یہ آئین بحال ہو جاتا تو آج ملک کی تقسیم کے صدمۂ جانکاہ سے امت مسلمہ دو چار نہ ہوتی۔ کیونکہ اس آئین کو جس طرح چند ترمیمات سے شرعی اور اسلامی بنایا جا سکتا تھا اسی طرح اس میں پاکستان کے مغربی اور مشرقی دونوں حصوں میں اس قدر گہرا تعلق قائم رکھنے پر زور دیا گیا تھا اور ایک دوسرے کو اس طرح مربوط قرار دیا گیا تھا کہ ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے جدا ہونے کا تصور باقی نہیں رہتا تھا۔ مگر پاکستان کے مخالف عناصر نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کو اپنے اغراض و مقاصد کے خلاف دیکھا اس لئے اس کی بحالی کے مطالبہ کی مخالفت کی اور نئے آئین کا مطالبہ کیا جس کے نتیجہ میں جو قیامت برپا ہوئی اور ملی سالمیت کو جس قدر شدید اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے ہر محب وطن پر واضح ہے۔ (تذکرۃ الظفر)

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں مولانا عثمانی مرحوم جمعیت علماء اسلام مشرقی

پاکستان کے صدر کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کے قائد بن کر کراچی تشریف لائے۔ اس وفد میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا مفتی دین محمد خان صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ اور اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے لئے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں اعلان فرمایا تھا۔

۱۹۴۹ء میں خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کی طرف سے حکومت سعودی عربیہ کے لئے خیر سگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور حج کے موقع پر میدان عرفات میں سلطان ابن سعود مرحوم کی درخواست پر مسلمانانِ عالم کو خطاب فرمایا۔

مسٹر حسین شہید سہروردی کی وزارتِ عظمیٰ کے عہد میں حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لئے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تھا جس کے اعزازی رکن کی حیثیت سے مولانا عثمانی نے اس کے متعدد اجلاسوں میں شرکت فرما کر اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی۔

آخر میں اہل سیاست کی باہمی آویزشوں اور قوم کی متعصبانہ صوبہ پرستیوں سے دل برداشتہ ہو کر از خود عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں جو حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قائم کردہ ایک علمی درسگاہ ہے شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جو آخر دم تک جاری رہا۔

۱۹۶۹ء میں کراچی کے مقام پر مشرقی و مغربی پاکستان کے مقتدر علماء کرام کے ایک نمائندہ اجتماع میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء عمل میں آیا اور مولانا عثمانیؒ کو جمعیت کا امیر اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ انتہائی ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ چنانچہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اہم مقامات پر جمعیت کے خصوصی اجتماعات میں جہاں تک ممکن ہوا آپ شرکت فرماتے رہے۔

الغرض قیام پاکستان اور اس کے بعد نظام اسلام کے لئے آپ کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ ساری زندگی خدمتِ اسلام میں بسر کی اور ۲۳ ذوالقعد ۱۳۹۴ھ بمطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو یہ مردِ حق خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

(مولانا عثمانی کی علمی و سیاسی خدمات کی تفصیل "تذکرۃ الظفر" مولفہ سید مفتی عبد الشکور ترمذی میں ملاحظہ فرمائیے)

مشاہیر علماء کی نظر میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

مشاہیر علماء کی نظر میں

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی شخصیت علمائے ربانی میں وہ عظیم شخصیت تھی جس کو دین و سیاست کے رجالِ کار کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کل کا مؤرخ جب پاکستان کے بانی، محرک اور مؤید اہل فکر اور نظریۂ پاکستان کو فروغ دینے والے مدبرین و مبصرین پر قلم اُٹھائے گا تو علمائے حق میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمِ گرامی کو سنہری حروف سے لکھنے پر مجبور ہو گا۔ آپ کو نہ صرف ہندوستان و پاکستان کے اہلِ علم بلکہ تمام دنیائے اسلام متفقہ طور پر آسمانِ علم و حکمت و سیاست کا نیر اعظم تصور کرتی ہے۔ یوں تو دنیا میں بڑے بڑے اہل علم گزرے ہیں مگر ایسی شخصیت جس کو یکساں طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام و معقولات و منقولات، تقریر و تحریر اور سیاسیات میں بصیرت حاصل ہو کوئی کوئی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا عثمانیؒ کی شخصیت دین و سیاست کا سنگم تھی اور تمام علوم کی جامع، پھر

ان سب کا یہ کمال تھا کہ وہ دین اور بین الاقوامی مسائل کو ہم آہنگ بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی شخصی عظمت اور علمی و روحانی مقام کے بارے میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی" اس تاریک دور میں علم و عمل، اخلاص و ہمت اور علم ظاہری و باطنی کے آفتاب و ماہتاب تھے، رُشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آخر وقت تک تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہِ طریقت و تصوف کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیۂ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف تھے۔ سینکڑوں علماء اور ہزارہا افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔"

(ماہنامہ الرشید لاہور دسمبر ۱۹۷۶ء)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت عثمانی عہد حاضر کے آئمہ فن علماء اولیاء اتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اُن کو علمی و عملی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی بزرگانِ دین کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی کہ جو علماء دیوبند کا خاص امتیاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی کمالات کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل باخدا ہستیاں کہیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔"

(ماہنامہ بینات کراچی)

یہ فخر روزگار عالم ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو شیخ لطیف احمد صاحب عثمانی کے گھر قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوا۔ آپ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس

سرہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ والدہ محترمہ کا انتقال پیدائش کے تین ماہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ ابتدائی تربیت دادی صاحبہ نے کی۔ پانچ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ پھر حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب کے والدِ محترم مولانا محمد یسین صاحب دیوبندی سے فارسی، ریاضی اور منطق پڑھی۔ اس کے بعد تھانہ بھون میں حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی سے عربی زبان کا درس لیا اس سے فارغ ہوئے تو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ آپ کو کانپور لے گئے جہاں پر مولانا محمد اسحٰق بردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے دینی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو مظاہر العلوم سہارنپور میں اس زمانہ کے نامور بزرگ محدث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ نامور اُستاذ کا یہ ہونہار شاگرد تعلیم و تربیت کی یہ تمام منازل اٹھارہ سال کی عمر میں طے کر گیا تھا اور ۱۳۲۸ھ کو اپنی تعلیم مکمل کر کے اسی درسگاہ "مظاہر العلوم سہارنپور" میں مدرس مقرر ہوا۔ حضرت عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے شاگرد ہی نہیں تھے بلکہ اپنی روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے اُن سے شرفِ خلافت بھی حاصل کیا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور عارف باللہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے بھی کافی عرصہ فیضان حاصل کیا۔

بلاشبہ عہد حاضر میں حضرت عثمانی قدس سرہ، کا شمار ان علماء دین میں کیا جاتا ہے جن پر عرب و عجم ہمیشہ ناز کرتا رہے گا۔ سات سال مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس دینے کے بعد آپ تھانہ بھون چلے آئے جہاں آئندہ سات برس تک حدیث و فقہ اور منطق کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "اعلاء السنن" بیس ضخیم جلدوں میں علمِ حدیث پر عربی زبان میں تصنیف کی۔ اس بلند پایہ علمی تالیف کو عالم اسلام کے مشاہیر علماء نے جس طرح خراج تحسین پیش کیا وہ قابلِ دید ہے۔ چند مشاہیر علماء کی مختصر۲ آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے

"مصر کے نامور محقق عالم علامہ زاہد الکوثریؒ اسی کتاب کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ۔

"اس کتاب کے مولف جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں یعنی محدث، محقق، مدبر، ناقد زبردست فقیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ علمی خدمات

کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا فرمائے میں تو اس غیرت مند عالم کی علمی قابلیت و مہارت اور اس مجموعہ کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا جس میں اس قدر مکمل تحقیق و جستجو اور تلاش و تدقیق سے کام لیا گیا ہے کہ ہر حدیث پر فنِ حدیث کے تقاضوں کے مطابق متن پر بھی اور سند پر بھی اس طریقہ سے کام کیا گیا ہے کہ اپنے مذہب کی تائید پیش کرنے میں تکلیف کے آثار قطعاً نظر نہیں آتے بلکہ اہلِ مذاہب کی آراء پر گفتگو کرتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہائی درجے کا رشک ہونے لگا مردوں کی ہمت اور بہادروں کی ثابت قدمی اس قسم کے نتائج فکر پیدا کیا کرتی ہے۔ خدا ان کی زندگی کو خیر و عافیت کے ساتھ دراز فرمائے کہ وہ اس قسم کی مزید تصنیفات پیش کر سکیں۔“

(المفتی دیوبند ۱۳۵۷ھ بحوالہ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

”اگر حضرت عثمانیؒ کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو بھی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق کو محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابلِ قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب ان کی تصانیف کا شہکار اور فنی و تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابلِ قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہونِ منت رہیں گے۔ حق تعالیٰ اُن کو رحمت و رضوان کے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔“ (ماہنامہ بینات کراچی ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی مدظلہ، بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور فرماتے ہیں کہ :۔

> حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حدیث رسولؐ کی خدمت جلیلہ سے نوازا تھا پھر حضرت حکیم الامت قدس

اللہ سرہ جیسے مرشد وہادی وشیخ کامل کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات سرانجام دینے کا موقع عطا فرمایا۔ اور اپنی ذہانت تبحر علمی کے بدولت احادیث مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ "اعلاء السنن" جیسی شہرہ آفاق تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی حق تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔"

(ماہنامہ الرشید دسمبر ۱۹۷۶ء)

اعلاء السنن کے بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ، کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ :۔

"ان کے مرکز علمی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے اگر اس کتاب کی تالیف کے علاوہ کوئی دوسری علمی خدمت انجام نہ دی ہوتی تو اپنی فضیلت و کرامت کے اعتبار سے یہی ایک کتاب بہت کافی تھی۔" (ہفت روزہ صورت الاسلام لاہور ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء)

حضرت عثمانی قدس سرہ نے کم وبیش ۲۵ برس تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی رفاقت میں تصنیف و تالیف اور تبلیغ وافتاء کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اسی دوران میں "احکام القرآن" اور "امداد الاحکام" جیسی تفسیر وفقہ کی عظیم الشان تالیفات آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئیں جو آپ کے علمی و فقہی بصیرت کا بین ثبوت ہیں۔ اسی لئے تو حکیم الامت آپ کی علمی صلاحیتوں سے اس قدر متاثر اور مطمئن تھے کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ ہی سے مشورہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مولانا ظفر احمد صاحب اس دور کے امام محمدؒ ہیں اور علوم دین کا سرچشمہ ہیں۔ آپ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ مولوی ظفر احمد صاحب پڑھائیں گے۔ چنانچہ یہ سعادت بھی آپ ہی کو نصیب ہوئی آپ کے شیخ ومربی عارف کامل محدث وقت مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"مولانا ظفر احمد عثمانی اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کا نمونہ ہیں۔"

(انوار النظر فی آثار الظفر)

حضرت عثمانی قدس سرہ کے علمی وروحانی مقام کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے تلامذہ اور خلفاء میں ایسے جید علماء بھی شامل ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق فرید پوری "شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا سید عبد الشکور صاحب ترمذی جیسے اکابر آپ کے شاگرد اور خلفاء میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ لاکھوں تلامذہ اور مریدین ملک وبیرون ملک میں دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ غرضیکہ آپ کا فیض افریقہ سے لے کر مشرق بعید تک پھیلا ہوا ہے اور بالخصوص سابق مشرقی پاکستان کے توچپے چپے پر آپ کے جلائے ہوئے چراغ روشنی پھیلا رہے ہیں۔

www.dhlehaq.org

تھانہ بھون سے برما کے مسلمانوں کی خواہش پر آپ مدرسہ محمدیہ رنگون تشریف لے گئے اور وہاں دو برس تک حدیثِ رسولؐ کے چراغ جلائے۔ پھر ڈھاکہ یونیورسٹی سے آپ کو دینی علوم کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی گئی۔ تو حضرت حکیم الامت کی اجازت سے آپ وہاں تشریف لے گئے اور کئی سال تک اس یونیورسٹی میں علم کے موتی رولتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں بھی آٹھ سال تک صدر مدرس رہے۔ یہیں پر "جامعہ قرآنیہ" لال باغ کی اپنے دستِ مبارک سے بنیاد رکھی۔ یوں آج مشرقی پاکستان کا کوئی چھوٹا بڑا شہر یا قصبہ ایسا نہ ہوگا جہاں آپ کے تلامذہ اور مریدین علم دین کو پھیلانے کی خدمت سرانجام نہ دے رہے ہوں۔ اور یوں آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ اس سرزمین پر اسلامی علوم کی جوت جگانے میں صرف کیا۔ پھر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے اصرار پر وہاں سے دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اور آخر دم تک یہیں دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے۔

دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدماتِ جلیلہ کے ساتھ ساتھ ملکی اور سیاسی خدمات بھی

ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز باقاعدہ طور پر مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ ۱۹۳۸ء سے ہوا۔ جب نواب اسماعیل کی سرکردگی میں مسلم لیگ نے ایک مجلس عمل قائم کی تھی جس کا کام علماء سے رابطہ قائم کرنا تھا اس کی وساطت سے اس اجلاس میں حضرت عثمانی حکیم الامت کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اجلاس سے پہلے آپ کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی۔ سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور یکجائی کے مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ قائداعظم اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اگلے روز کے اجلاس میں کھلم کھلا شاید پہلی مرتبہ یہ بات کہی کہ مذہب اور سیاست ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں۔

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کی حمایت میں عملی طور پر حصہ لیا اور مسلم لیگ اور کانگریس کے آخری فیصلہ کن الیکشن میں پورے ہندوستان کا دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگریس کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر ان کے اثرات کو باطل کر دیا۔ پاکستان کی کامیابی میں مولانا عثمانی کے اس دورہ ہندوستان کو بہت بڑا دخل ہے جس کا اقرار نواب زادہ لیاقت علی خان نے اپنے ایک خط میں کیا ہے جو انھوں نے نجی طور پر حضرت عثمانی کو لکھا تھا۔ آخر میں قائداعظم کی خصوصی درخواست پر سلہٹ ریفرنڈم کی مہم میں جو نہایت معرکۃ الآرا مہم تھی حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ ہی نے سر کی تھی۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ کے مقام پر جمعیت علماء اسلام کا قیام حضرت عثمانی کے ہاتھوں عمل میں آیا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے آپ کی درخواست اور خواہش پر جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول فرمائی تھی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم کی خواہش پر پاکستان کی پہلی رسم پرچم کشائی کا شرف بھی مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی کو اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی کو حاصل ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت عثمانی مشرقی پاکستان کی جمعیت علماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کے قائد بن کر کراچی تشریف لائے۔ اس وفد میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری کے علاوہ مفتی دین محمد خان بھی شامل تھے۔ آپ نے اردو زبان کو پاکستان میں سرکاری زبان بنانے کے لئے پانچ لاکھ بنگالی

مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی۔ جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں حمایت کا اعلان کیا تھا۔ ۱۹۴۹ء میں خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کے ہمراہ حکومت کی طرف سے حکومت سعودی عرب کے لئے خیر سگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور میدانِ عرفات میں سلطان ابن سعود کی درخواست پر مسلمانانِ عالم کو خطاب فرمایا تھا۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب کے شانہ بشانہ کام کیا اور قرار دادِ مقاصد پاس کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر جب حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لئے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تو مولانا عثمانی نے ایک اعزازی رکن کی حیثیت سے اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی اور اس کے بعد ہر مکتب فکر کے جید علماء نے ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ تیار کیا تو آپ بھی اس میں شامل تھے۔ بہر حال حضرت عثمانیؒ کی خدمات اتنی ہیں کہ احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ اپنے آخری وقت میں اکثر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے اور زندگی کا آخری حصہ درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں صرف کیا۔ مگر جب بھی ملک میں کسی نئے فتنے نے سر اُٹھایا تو آپ باوجود پیرانہ سالی اور ضعف و علالت کے میدان عمل میں کود پڑتے تھے اور ہمیشہ ہر جابر و ظالم کے سامنے کلمۂ حق ادا کرتے رہے۔ آخر کار یہ مرد حق اپنی دینی، علمی، روحانی اور سیاسی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۳ ذوالقعد ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

﴿انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون﴾

ہزاروں عقیدت مندوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور نمازِ جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے پڑھائی اور پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات پر پورے عالم اسلام کے مشاہیر علماء نے رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ کی شخصی عظمت اور خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی مدظلہ نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ ”مولانا عثمانی کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوگا۔ وہ اس وقت بر صغیر میں ایک ممتاز اور جید عالم دین تھے ان کی ساری زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں بسر ہوئی۔“

خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اپنے بیان میں فرمایا کہ ”حضرت مولانا عثمانی کی وفات سے تمام علمی و دینی حلقے یتیم ہو گئے اور پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہو گیا ہے۔“

محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے اپنے تعزیتی اداریے میں تحریر فرمایا کہ ”حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے ہمارے قلوب کو مجروح کر دیا ہے اور ان کی رحلت سے مسند علم و تحقیق، مسند تصنیف و تالیف، مسند تعلیم و تدریس، مسند بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہو گئیں۔ ان کو پر کرنے والا مستقبل میں کوئی نظر نہیں آیا ہے۔“

فخر اسلاف حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ”ان کی وفات پورے عالم اسلام کا عظیم سانحہ ہے اور ان کے ساتھ ہی موجودہ صدی کی ایک تاریخ رخصت ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔“

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ :۔

آہ! مولانا ظفر احمد رئیس کارواں　　علم کے کوہ بلند اور زہد کے شبلی صفات
عالم باقی و دائم کی طرف ہو کر رواں　　چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہان بے ثبات
اب کہاں وہ فیض علمی اور کہاں اصلاح حال　　اب کہاں وہ جامع شرع و طریقت نیک ذات
شمس علم ظاہر و باطن ہوا ہے غروب　　روز روشن بخت کا اب بن گیا تاریک رات

عارف باللہ حضرت بابا نجم احسن صاحب نگرامی نے یہ تاریخ وفات لکھی ہے :۔

ظفر احمد رہے مردِ حق آگاہ !
مکیں خلد شد مغفور باللہ

۱۳۹۴ھ

توحید خالص

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح

توحید خالص

توحید خالص یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ کرے، کیونکہ وہ یکتا ہے (صمد ہے، سب اسی کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں) جب تم نے "یا اللہ! کہا، تو اللہ کو اسم اعظم سے یاد کیا، مگر تم اس کی عظمت و ہیبت سے ہنوز محروم ہو کیونکہ تم نے اپنی شان کے موافق کہا ہے، اس نام کی شان کے موافق نہیں کہا!

اے عزیز! خدا کی قسم قربِ الٰہی میں نہ وصال ہے نہ جدائی، نہ حلول ہے نہ انتقال، نہ حرکت ہے نہ سکون، نہ چھونا ہے نہ پاس ہونا، نہ مقابلہ ہے نہ برابری، نہ سامنا ہے نہ مماثلت، نہ ہم شکل ہونا ہے نہ ہم جنس ہونا، نہ کوئی جسم ہے نہ کوئی تصور، نہ تاثر ہے نہ تغیر و تبدل، یہ تو سب کی

سب تیری صفات ہیں۔ حق سبحانہ تیری ان صفات و کیفیات سے منزہ ہے، یہ تو اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ پھر وہ ان کے ذریعہ سے یا ان کے اندر کیونکر ہو سکتا ہے، یہ تو خود اسی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ وہ ان سے ظاہر نہیں ہوا، وہ ان شکلوں، صورتوں اور معانی سے پاک اور منزہ ہے! نہ وہ ان میں چھپا ہوا ہے نہ ان سے ظاہر ہوا، نہ کسی کا فکر اُس تک پہنچا، نہ کسی کی نظر نے اس کا احاطہ کیا!

گفتگو کا دائرہ حقیقت کے بیان سے قاصر ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات پر قیاس نہ کرو۔ اشارہ کے طور پر صفاتِ الٰہی کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، یہ محض سمجھانے کے لئے ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان صفات کی جو حقیقت تم سمجھے ہو، اللہ تعالیٰ کی صفات ویسی ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی جاتی ہیں اور جو کچھ اس کی تعریف کی جاتی ہے وہ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جن کمالات کا مستحق ہے، اُن کو ثابت کیا جائے، اور عیبوں سے دامن کو پاک سمجھا جائے۔ مگر در حقیقت وہ جس عظمت کا مستحق ہے، وہ تو علم اور عقل و فہم کے ادراک سے بہت دُور ہے! ولا یحیطون به علماً لوگوں کا علم اس کو محیط نہیں ہو سکتا! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

﴿لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك﴾

اے اللہ! میں آپ کی پوری تعریف نہیں کر سکتا، بس آپ ویسے ہی ہیں
جیسا آپ نے خود اپنی تعریف کی ہے!

دوستو! کیا کہا جائے، کیا بیان کیا جائے؟ خدا کی قسم! زبانیں گونگی، عقلیں حیران اور دل سوختہ ہیں، حیرت اور دہشت کے سوا کسی کے پاس کچھ نہیں۔

دُور بینان بارگاہ الست! غیر ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست!
در طریقت آنچہ می آید بدست حیرت اندر حیرت اندرحیرت است!

اے اللہ! اپنے بارے میں میری حیرت کو اور زیادہ کیجئے کہ یہ حیرت ہی مطلوب ہے، جس کو یہ میسّر نہیں وہ محروم ہے۔

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آبِ حیات زادنی اللہ به کل زمان عطشا!

دوستو! ہم کو ظاہری توحید پر محض رحمت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ تم دعوتِ توحید کے جھنڈے تلے آجاؤ، چونکہ نرمی کرنا مقصود ہے، اس لئے تمھاری ظاہری طاعت اور دعویٰ توحید پر اکتفا کیا گیا تاکہ تم الٹے نہ لوٹ جاؤ اس لئے ظاہر پر دعوی توحید کی بناء پر تمھارا نام مسلم رکھ دیا گیا، اس کی حقیقت کا مطالبہ نہیں کیا گیا، کیونکہ وہ تو تمھاری طاقت سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے، پس جس شہادتِ توحید کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے، اسلام سے تمھارا وہی حصہ ہے، اسی سے تم منکرین کے زمرہ سے نکل گئے! اگرچہ ابھی تک حقیقی مومنوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہوئے :۔

﴿قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا!﴾

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ تابعدار بن گئے!

یہ گمان نہ کرنا کہ کسی کو توحید کی حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے۔ بس ہر شخص کی توحید اس کے درجہ کے موافق ہے، جس کو کشفِ الٰہی سے جتنا حصہ ملا ہے، وہی توحید سے اس کا حصہ ہے۔ ورنہ حقیقتِ توحید کو کون پا سکتا ہے! متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا! حادث قدیم کا ادراک نہیں کر سکتا۔ بس جو کچھ ہے کشفِ الٰہی کی عطائیں ہیں اور اس کی کوئی حد نہیں، اگر ایسا ہوتا تو سیدنا رسول اللہ ﷺ سے یوں نہ کہا جاتا :۔

﴿وقل رب زدنی علما﴾

یہ دعا کرتے رہو کہ اے رب میرے علم کو بڑھاتا رہ!

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے علم و معرفت میں برابر ترقی ہوتی رہتی تھی، جب حضورؐ جیسی کامل ہستی بھی برابر ترقی میں ہے تو کسی دوسرے کی کیا مجال ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے قربِ الٰہی کے تمام مراتب اور وصول کے تمام درجات طے کر لئے اور ایسی غایت پر پہنچ گیا ہوں جس کے آگے کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں رہا اور یہ تمام گفتگو محض لفظی دلائل اور سمجھانے کے عنوانات ہیں۔ ورنہ جن حقیقت شناسوں کو حقیقت کی کچھ خبر ہے، اُن کے پاس تو وہ

براہین اور دلائلِ قطعیہ ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان لفظی دلائل اور متکلمانہ عنوانات کی کچھ ضرورت نہیں، وہ اپنی حقیقتِ حال سے جانتے ہیں کہ ان کا سرمایہ عجز ہے اور انتہا یہ ہے کہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر اند   آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

بندہ کے لئے اپنے پروردگار کو پہنچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ جس نے یہ جان لیا کہ میں خدا کا ہو (یہ ہے اپنا پہچاننا) وہ اپنا سب کچھ خدا پر قربان کردے گا (یہ ہے خدا کو پہچاننا) جو اپنے نفس سے اور تمام اغیار سے الگ ہو گیا جس نے طبیعت کے گرد فکر ساز و سامان، تکبر و عجب پر لات ماردی وہ جہل کی قید سے چھوٹ گیا اور عارف ہو گیا، معرفت کی حقیقت یہ نہیں کہ اونی جبہ ہو، سر پر کلاہ ہو، اونچے کپڑے ہوں، بلکہ معرفت یہ ہے کہ خشیت و غم کا جبہ ہو، سچائی کا تاج ہو، توکل کا لباس ہو۔ اگر ایسا ہو تو بس تم عارف ہو گئے! عارف کا ظاہر شریعت کی چمک سے اور باطن محبت الٰہی کی آگ سے خالی نہیں ہوتا۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی است!   کار دو ناں حیلہ و بے شرمی است!

وہ حکم کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے اور راستہ سے ہٹنے نہیں پاتا۔ اس کا دل وجد کی چنگاریوں پر لوٹتا رہتا ہے، اس کا وجد ایمان ہے، اس کا سکون یقین ہے (جس کے حاصل کرنے کا طریقہ اتباع سنت اور کثرتِ ذکر ہے) ذکر اللہ کی پابندی کرو، کیونکہ ذکر وصال کا مقناطیس ہے۔ قرب کا ذریعہ ہے (اور قرب ہی سے توحید کامل ہوتی ہے) جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہو گیا وہ اللہ تک پہنچ گیا۔ مگر ذکر اللہ عارفین کی صحبت و برکت سے دل میں جمتا ہے! کیونکہ آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے (اگر ذاکران عارفین سے میل جول رکھے گا ذکر و معرفت سے حصہ پائے گا اور غافلوں کی صحبت میں رہے گا، غفلت میں گرفتار ہو گا) اس علم سے کیا فائدہ جس پر عمل نہیں اور اس عمل سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں؟ اور اخلاص کٹھن راستہ کے

کنارہ پر ہے، اب بتا تجھے عمل کے لئے کون ابھارے گا؟ ریا کے زہر کا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے کون علاج کرے گا؟ اور اخلاص حاصل ہو جانے کے بعد تجھے بے خوف و خطر راستہ کون بتلائے گا؟ جاننے والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے!

﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلون!﴾

امام شافعیؒ نے ان تمام باتوں کو جو توحید کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں، اپنے اس ارشاد میں جمع کر دیا ہے کہ خالق جل شانہ کے متعلق جس کی معرفت ایسے موجود پر ختم ہو گئی جس تک اس کا ذہن پہنچ سکتا ہے، وہ مشبہ ہے، اور جس کی معرفت خالص عدم تک پہنچ کر ساکن ہو گئی وہ معطل ہے اور جس کے دل کو ایسے موجود پر قرار ہوا جس کی معرفت سے عاجز ہونے کا دل نے اقرار کر لیا تو یہ موحد ہے!

دوستو! اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے عیوب اور اُن جیسی صفات سے پاک سمجھو! اس قسم کی باتوں سے اپنے عقائد کو محفوظ رکھو کہ معاذ اللہ وہ عرش پر اس طرح قرار پکڑے ہوئے ہے، جیسا ایک جسم دوسرے جسم پر قرار پکڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا عرش میں حلول کرنا لازم آتا ہے اور وہ اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی اس کا احاطہ کر سکے، اور مکان مکین کو محیط ہوتا ہی ہے۔ پس خدا مکان سے پاک ہے) خبردار! اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان وغیرہ ثابت نہ کرنا۔ نیز اجسام کی طرح اس کے لئے نزول و عروج کے قائل نہ ہونا۔ کتاب و سنت میں اگر کہیں ایسے الفاظ آئے ہیں، تو اسی کتاب و سنت میں دوسری نصوص بھی موجود ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرح نزول و عروج و استقرار وغیرہ سے پاک ہونا بتلاتی ہیں۔ اب اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ سلفِ صالحین کی طرح یوں کہا جائے کہ ہم ان متشابہات کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اور مراد کے علم کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جہت اور کیفیت اور مخلوقات کے عیوب سے پاک سمجھتے ہیں ہمارا کام متشابہات کو پڑھ لینا اور خاموش رہنا ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کو ان کی تفسیر کا حق نہیں، متشابہات کو محکم پر محمول کرنا چاہئے کیونکہ کتاب اللہ میں اصل وہی آیات ہیں جو محکم میں متشابہ محکم کا معارض نہیں ہو سکتا (محکم وہ آیات ہیں جن کا مطلب واضح نہیں ہو سکتا ہے اعتقاداً بھی

کے موافق رکھنا چاہیے۔ اگر متشابہات ظاہر میں ان کے خلاف ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ حقیقی مراد اُن کی بھی محکم ہی کے موافق ہے۔ گو ہم نہ سمجھے ہوں، کیونکہ متشابہات کے متعلق خود قرآن کا فیصلہ ہے کہ اُن کی اصلی مراد کو اللہ ہی جانتا ہے!) (ماخوذ فاران کراچی توحید نمبر)

﴿استماع الملاهی و الجلوس علیها و ضرب المزامیر و الرقص کلها حرام!﴾ (جامع الفتاویٰ)

(لہو و لعب سُننا، اور ایسی محفل میں بیٹھنا اور مزامیر کا بجانا اور رقص کرنا، یہ سب باتیں حرام ہیں)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں

حدیث مبارک: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔“

فرمایا: ”میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ تمھارے ہر کام کو زینت بخشنے والا ہے، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کی پابندی رکھو کہ اس سے عالم بالا میں تمھارا تذکرہ ہوتا رہے گا اور زمین میں تم کو خاص نور حاصل ہوگا، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے فرمایا ”خاموش زیادہ رہا کرو کیونکہ خاموشی شیطان کو بھگانے والی اور دین کے کاموں میں تمھاری مددگار ہے۔“ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے فرمایا حق بات کہو اگرچہ تلخ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایا! اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے، فرمایا ”جو کچھ تم اپنے بارے میں جانتے ہو وہ تم کو لوگوں کے درپے ہونے سے روک دے۔“ (اس حدیث کو حافظ بیہقی اور امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے)

شرح

تقویٰ کمال ایمان کو کہتے ہیں جو شخص اللہ سے ڈرے گا دینی احکام کو بھی بجالائے گا اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچے گا اسی سے ایمان کامل ہوتا ہے اور اسی سے دنیا بھی سنورتی ہے اور دین بھی آج جو مسلمانوں میں جرائم کی کثرت ہے کہ روزانہ اخبارات میں اغوا، قتل، چوری، ڈکیتی، رشوت، ذخیرہ اندوزی دغا فریب وغیرہ کے واقعات چھپتے رہتے ہیں اس کا سبب اسکے سوا کچھ نہیں کہ دلول سے خوفِ خدا اور اندیشہء آخرت اُٹھ گیا ہے۔ مسلمانوں نے آجکل یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ پڑھ لیا یہی کافی ہے عمل کی کچھ ضرورت نہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے اللہ تعالی کی مدد ان کے ساتھ نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کی مدد صبر و تقویٰ کے بعد نازل ہوا کرتی ہے۔

﴿بلی ان تصبروا و تتقوا ویاتوکم من فورهم هذا یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین O﴾

﴿ولوان اهل القرٰی اٰمنو ا و اتقوا لفتحنا علهم برکات من السمآء والارض ولکن کذبوا فاخذنا هم بما کانوا یکسبون۔ O﴾

بے شک اگر تم صبر و استقلال اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن دفعۃً تم پر حملہ کر دے تو تمھارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جو خاص نشان لگائے ہونگے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اور اگر یہ بستی والے ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں نازل کرتے اور رحمت کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا کہ ایمان و تقوی کی ضرورت نہیں تمھاری ہمت و تدبیر ہی سے سب کام بن جائیں گے تو ہم نے ان کے اعمال بد کے سبب ان کو پکڑ لیا۔

چونکہ تقویٰ پر دنیا و آخرت دونوں کی فلاح موقوف ہے اس لئے قرآن میں

بھی اس کی

معاذ اسے اپنی محبت کا اظہار کر کے اس کی وصیت فرمائی ہے حدیث سے نمازوں کے بعد دعا کا بھی ثبوت ہو گیا جو تمام مسلمانوں میں ہر نماز کے بعد معمول ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کی جگہ میں جاؤ یعنی سونے کا قصد کرو تو سورۃ الحشر پڑھ لیا کرو۔ اگر تم اس رات مر گئے تو شہید مرو گے اس کو ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں بجائے سورہ الحشر کے اواخر سورۃ الحشر ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو علم الغیب والشھادۃ سے ختم سورت تک پڑھنے کا یہی ثواب آیا ہے۔“

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کے لئے خواب گاہ کا ارادہ کرو تو یہ پڑھا کرو:۔

اللھم اسلمت نفسی الیک و فوضت امری الیک ووجھت وجھی الیک و الجات ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لا ملجاء منک الا الیک امنت بکتابک الذی انزلت و نبیک الذی ارسلت ○

”اے اللہ! میں اپنی ذات کو آپ کے حوالے کرتا ہوں اپنے ہر کام کو آپ کے سپرد کرتا ہوں اپنے چہرہ کا رخ آپ کی طرف پھیرتا ہوں، آپ ہی سے پشت پناہی چاہتا ہوں آپ ہی سے امید رکھتا ہوں اور آپ ہی سے ڈرتا ہوں، آپ سے بھاگنے کی اور پناہ کی جگہ آپ کے سوا کوئی نہیں آپ کی اس کتاب پر ایمان لایا جو آپ نے نازل کی ہے اور آپکے نبیؐ پر بھی ایمان لایا جن کو آپ نے بھیجا ہے۔“

”حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم رات ہی کو مر گئے تو فطرت واسلام پر مرو گے اور اگر صبح کو اچھے خاصے اُٹھ گئے تو خیر و برکت پاؤ گے۔“ اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں

روایت کیا ہے۔

ضرغامہ بن علیہ بن حرملۃ غبری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے فرمایا اللہ سے ڈرتے رہو اور جب تم کسی مجلس میں بیٹھو پھر وہاں سے کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ایسی باتیں کرتے سنو جو تم کو پسند ہوں تو اس مجلس میں پھر آؤ اور اگر ان کو ایسی باتیں کرتے سنوں جو تم کو ناگوار ہوں تو اس مجلس کو چھوڑ دو۔ اس کو امام احمدؒ اور ابن سعید نے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اپنے پیچھے بھی اچھی باتوں اور اچھے کاموں میں مشغول پاؤ ان کو اپنا جلیس بناؤ اور جن لوگوں کو اپنے پیچھے بری باتوں اور برے کاموں میں مشغول پاؤ انکو اپنا ہم نشین نہ بناؤ ان سے الگ رہنا ہی اچھا ہے۔

”حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا اپنے دین میں اور دین کے کاموں میں اخلاص پیدا کرو تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔“ یہ حقیقت ہے کہ اخلاص کے بغیر کوئی عمل بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتا اور اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی وزنی ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابہؓ کو جو اولیاءِ اُمت یہ ہے کہ یاد رکھو ہر وقت موت کے لئے تیار رہو۔“ (شاید ہمیں نفس، نفس واپسیں بود!)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا! غصہ نہ کیا کرو کیونکہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا کہ شہد کو ایلواء (اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے) مراد بے جا غصہ ہے جس کی شریعت سے اجازت نہ ہو اور جہاں شریعت نے غصہ کرنے کی اجازت دی ہے وہاں غصہ کرنا جائز ہے مگر وہاں بھی حدود کی رعایت ضروری ہے، حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں!

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے امید قطع کر لو اور طمع و حرص سے بچتے رہو کہ یہ نقد احتیاج ہے (حریص آدمی محتاج ہی ہے گو بظاہر دولت مند ہو اور ایسی بات اور ایسے کام سے بچو جس سے بعد میں معذرت کرنی پڑے اسود بن احرم حارثی کہتے ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے : فرمایا! تمہیں اپنی زبان پر قابو ہے ؟ میں نے کہا اگر مجھے اپنی زبان پر بھی قابو نہ ہو تو کس چیز پر قابو ہو گا۔ فرمایا! تم کو اپنے ہاتھوں پر قابو ہے ؟ میں نے کہا اگر میں اپنے ہاتھوں پر بھی قابو نہ رکھوں تو کس چیز پر قابو رکھوں گا فرمایا! تو بس اپنی زبان سے اچھی بات کے سوا کچھ نہ نکالو اور اپنے ہاتھ کو نیکی کے سوا کسی چیز پر یا کسی کام کی طرف نہ بڑھاؤ!

سبحان اللہ! کس خوبی کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ پہلے بتا دیا کہ انسان کی زبان اور ہاتھ پیر اسی کے اختیار میں ہیں اور ان سے جو گناہ ہوتے ہیں اختیار سے ہوتے ہیں بے اختیار نہیں ہوتے، پس انسان کو اپنے اختیار سے کام لینا اور زبان ہاتھ پیروں کو گناہوں سے بچانا چاہیے اور معلوم ہے کہ زیادہ تر گناہ ان ہی سے ہوتے ہیں جس نے ان کو بچالیا اس نے گویا اپنے آپ کو پوری طرح گناہ سے بچالیا۔ ”

اشرف البیان۔ فی معجزات القرآن

اشرف البیان۔ فی معجزات القرآن

رشحات قلم مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

بعد الحمد والصلوة قرآن نمبر کے لئے چند واقعات لکھتا ہوں جن میں سے بعض تو حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے سُنے ہیں۔ بعض دوسرے ثقات سے سُنے ہیں۔ بعض میرے سامنے گزرے ہیں۔

حضرت حکیم اُلامت نے فرمایا بھوپال میں ایک قاری صاحب تھے ان کو حج کا شوق ہوا اور اتنا تقاضا ہوا کہ بے چین ہوگئے۔ جیب میں ایک ہی روپیہ تھا اسی پر ارادہ کر لیا۔ بارہ آنے کا تھیلا سلو لیا چار آنے کے بھنے ہوئے چنے تھیلے میں بھر کر پانی کے لئے لوٹا اور گلاس لے کر بھوپال سے بمبئی کو پیدل روانہ ہوگئے راستہ میں کسی نے دعوت کر دی تو قبول کر لی ورنہ چنے کھا کر پانی پی لیا۔ اسی طرح بمبئی پہنچ گئے جہاز جدہ کے لئے تیار تھا ان کے پاس ٹکٹ کے دام نہ تھے۔ کپتان کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے حج کا شوق ہے مگر ٹکٹ کے دام نہیں، اگر کوئی نوکری جہاز میں مل جائے تو میں مکہ پہنچ جاؤں گا۔ کپتان نے کہا نوکری تو ہے مگر آپ کے لائق نہیں آپ مقدس آدمی ہیں اور نوکری گندی ہے فرمایا

اس کی پروا نہیں جیسی بھی نوکری ہو مجھے منظور ہے اس نے کہا کام مشقت کا ہے، آپ سے نہ ہو گا فرمایا کیسی ہی مشقت ہو میں کر لوں گا۔ کہا اچھا یہ بوری غلہ کی بھری ہوئی ہے آپ اس کو اُٹھا لیں تو نوکری دے دوں گا قاری صاحب نے دعا کی "اے اللہ یہاں تک تو میرا کام تھا آگے آپ کا کام ہے کہ اس بوری کو مجھ سے اٹھوا دیجئے۔ یہ دعا کر کے بسم اللہ پڑھ کر بوری کو اٹھایا اور سر سے اوپر لے گئے کپتان کو حیرت ہو گئی خوش ہو کر کمر تھپکی اور کہا کام یہ ہے کہ روزانہ نل سے سمندر کا پانی عرشہ پر بہا دیا جائے اور پاخانوں میں بھی پانی بہا دیا جائے۔ قاری صاحب نے یہ کام منظور کیا اور لنگی باندھ کر روزانہ یہ کام کرتے اور نماز کے وقت غسل کر کے دوسرے کپڑے پہن لیتے رات کو تہجد میں قرأت سے قرآن پڑھتے خوش الحان تھے۔ ایک رات کپتان عرشے پر دیکھ بھال کے لئے آیا تو قاری صاحب کو نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو کھڑا ہو کر سننے لگا اس کے دل پر بہت اثر ہوا نماز کے بعد قاری صاحب سے پوچھا کہ آپ یہ کیا پڑھ رہے تھے فرمایا یہ قرآن ہے۔ اللہ کا کلام ہے۔ کہا ہم کو بھی پڑھاؤ فرمایا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آئیں کپتان غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آیا قاری صاحب نے اسے کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا پھر قل ہو اللہ احد پڑھائی۔ کپتان بہت خوش ہوا اور چلتے پھرتے قل ہو اللہ احد پڑھتا تھا دوسرے انگریزوں نے اس سے کہا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو کہا نہیں ہمنے اپنے خلاصی سے یہ سبق سیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا تم مسلمان ہو گئے ہو۔ کپتان قاری صاحب کے پاس آیا اور پوچھا کیا میں مسلمان ہو گیا ہوں؟ فرمایا تم تو کئی دن پہلے مسلمان ہو گئے ہو۔ کپتان یہ سن کر پہلے تو چونکا پھر کہا اچھا ہم مسلمان ہو گئے ہیں تو مسلمان ہی رہیں گے۔ اس کے بعد اپنی بیوی سے کہا ہم مسلمان ہو گئے ہیں اگر تم مسلمان ہونا چاہو تو ہمارے ساتھ رہو ورنہ الگ ہو جاؤ۔ اس نے انکار کیا تو اس کو الگ کر دیا جب جہاز جدہ پہنچا اور قاری صاحب جہاز سے اترنے لگے تو کپتان نے استعفیٰ لکھ کر اپنے نائب کو دیا کہ اب تم میری جگہ کام کرو اور حکومت کو میرا استعفیٰ بھیج دو، میں بھی مکہ جا رہا ہوں حج کروں گا۔ پھر وہ قاری صاحب کے ساتھ روانہ ہو گیا اور مکہ پہنچ کر قاری صاحب کے ساتھ حج ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر قاری صاحب

کی مدد کی اور یہ کپتان بھی ان کے ساتھ آرام سے کھاتا پیتا رہا پھر دونوں مدینہ منورہ پہنچے۔

دوسرا واقعہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے کسی اخبار کے حوالہ سے بیان فرمایا تھا کہ امریکہ میں ایک فلم کمپنی کے مالک کو نماز کی فلم لینے کا شوق ہوا تو اس نے چند عرب والوں سے جو امریکہ میں مقیم تھے اپنا خیال ظاہر کیا اور کہا کہ آپ لوگوں میں جو خوش الحان موذن ہو اور خوش الحان قاری ہو اس کو لائیے اور دس پندرہ مقتدی بھی ساتھ ہوں۔ میں نماز کی فلم لوں گا چنانچہ عشاء کے وقت یہ سب فلم کمپنی میں آئے۔ موذن نے اذان دی تو کمپنی کے مالک پر اس کا بڑا اثر ہوا، پھر نماز شروع ہوئی، قاری کی قرأت سن کر زار زار رونے لگا۔ نماز ختم ہوئی تو فلم کمپنی کے مالک نے امام صاحب سے کہا مجھے مسلمان کرلو۔ انھوں نے غسل کرا کر اسے کلمہ پڑھایا اور مسلمان کرلیا۔ اس نے کہا آپ ایک دو گھنٹہ روزانہ مجھے قرآن اور تعلیماتِ اسلام کا سبق دے دیا کیجئے میں آپ کی خدمت کروں گا۔ امام نے کہا اس کی ضرورت نہیں یہ تو میرا اسلامی فرض ہے۔ کہا آپ اپنا فرض ادا کریں میں اپنا فرض ادا کروں گا۔

اس کے بعد فلم کمپنی بند کردی یا فروخت کردی اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوگیا۔

دوستوں نے ٹیلیفون پر اس سے پوچھا کہ تم کو اسلام سے کیا ملا؟ بظاہر تو نقصان ہی ہوا کہ اتنا بڑا کاروبار چھوڑ دیا جس سے لاکھوں روپے کی آمدنی تھی اس نے جواب دیا کہ مجھے اسلام سے سکونِ قلب اور راحتِ قلب حاصل ہوئی ہے جو کسی چیز سے حاصل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے پہلے کپڑے کی دکان کی جس میں بہت فائدہ ہوا مگر سکون قلب حاصل نہ ہوا پھر سائیکلوں، موٹروں کا کاروبار کیا اس میں بھی بہت آمدنی ہوئی مگر سکونِ قلب نصیب نہ ہوا۔ پھر فلم کمپنی کھولی اس سے بہت آمدنی ہوئی مگر سکونِ قلب نصیب نہ ہوا۔ اسلام قبول کر کے کلمہ پڑھا تو دل کو سکون واطمینان اور ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ اب مجھے کسی کاروبار کی ضرورت نہیں میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میری اولاد سات پشتوں تک آرام سے کھا سکتی ہے اب جو دولت مجھے اسلام سے حاصل ہوئی ہے میں اس میں ترقی کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ واللہ کفار کے قلوب کو سکون واطمینان نصیب نہیں گو ظاہر میں سامانِ راحت ہزار ہوں یہ دولت صرف اسلام ہی سے حاصل

ہوتی ہے۔ اس ارشاد کی وضاحت میں یہ واقعہ سنایا کہ ہمارے قصبہ میں حاجی عبدالرحیم نو مسلم موجود ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہم نے ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تو ہندوؤں سے چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے ابھی ہم نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا صرف اُستاد کو علم تھا جن سے ہم اردو فارسی پڑھتے تھے۔ انھی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، وہ کہتے تھے کہ ان نمازوں کی کیفیت اور حلاوت کو نہ پوچھو جو ہم چھپ کر پڑھتے تھے۔ پھر فرمایا ایک دفعہ میں سہارنپور سے لکھنؤ کا ارادہ کر کے ریل میں سوار ہوا۔ مجھے دیکھ کر منشی حبیب احمد تھانوی بھی میرے ڈبے میں آگئے جب ریل چھوٹ گئی تو باتیں کرنے لگے میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ کہا میں میرٹھ جا رہا ہوں میں نے کہا ممکن ہے آپ میرٹھ پہنچ جائیں لیکن یہ ریل گاڑی تو لکھنوء جا رہی ہے۔ میرا ٹکٹ لکھنو کا ہے یہ سن کر وہ بڑے پریشان ہوئے میں نے کہا اب پریشانی بیکار ہے یہ گاڑی رڑکی سے پہلے نہیں رکے گی، اطمینان سے باتیں کرو۔ جب گاڑی رکے گی اتر جانا اور دوسری ٹرین سے میرٹھ چلے جانا مگر میں نے دیکھا کہ ان کی پریشانی کم نہ ہوئی، بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ میرا اطمینان و سکون اور ان کی پریشانی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں سیدھے راستہ پر تھا اور وہ غلط راستے پر تھے۔ مسلمان کے دل کو سکون و اطمینان اسی واسطے ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے میں سیدھے راستے پر ہوں کبھی نہ کبھی منزل مقصود (یعنی جنت) پر پہنچ جاؤں گا۔ کافر کو سیدھے راستہ پر ہونے کا یقین نہیں اس لئے ان کو اطمینان و سکون و راحت قلب نہیں۔ گو ظاہر میں کیسا ہی سامان راحت جمع کر لیں۔

ایک واقعہ بعض دوستوں نے بیان کیا اور کہا یہ اخبارات میں بھی شائع ہو گیا ہے کہ ایک دفعہ اے کے فضل الحق مرحوم (جو کسی زمانہ میں مسلم لیگ کی وزارتِ بنگال، کلکتہ میں وزیر اعظم تھے) دہلی سے کلکتہ جانے کے لئے فرسٹ کلاس میں سوار ہوئے اور ملازم سے پوچھا ہمارا قرآن شریف بھی آ گیا ہے؟ ملازم نے کہا ابھی پورا سامان ڈبے میں نہیں آیا قرآن جس بکس میں ہے وہ بھی نہیں آیا ابھی لاتا ہوں یہ سن کر وہ فوراً ڈبے سے یہ کہہ کر اُتر گئے کہ تم کو ہم نے بار بار کہا ہے کہ قرآن حکیم سب سے پہلے آنا چاہیے، سامان اتار لو ہم اس گاڑی سے نہ جائیں گے دوسری گاڑی سے جائیں

گے۔ چنانچہ سامان اُتار لیا گیا۔ بعض ہندو جو اس ڈبے میں سوار تھے اے کے فضل الحق کی اس بات پر ہنسنے لگے کہ عجب مذہبی دیوانہ ہے کہ قرآن پہلے نہ آیا تو گاڑی ہی چھوڑ دی جب یہ گاڑی کلکتہ کے قریب پہنچی تو فرسٹ کلاس کے اس ڈبے کے نیچے سے بم پھٹا اور ڈبے کے پرخچے اُڑ گئے جتنے سوار تھے اکثر ہلاک ہو گئے۔ بعض زخمی ہوئے۔ معلوم ہوا کہ بعض ہندوؤں نے جو اے۔ کے فضل الحق کے دشمن تھے یہ سن کر کہ فضل الحق اس گاڑی سے آرہے ہیں فسٹ کلاس کے ڈبے کے نیچے بم رکھ دیا تھا وہ تو قرآن کی برکت سے بچ گئے کہ اس گاڑی کو چھوڑ چکے تھے دوسری کی شامت آگئی اور دوسری گاڑی سے جب اے کے فضل الحق کلکتہ پہنچے انھیں اس واقعہ کا علم ہوا تو تقریر میں فرمایا ہندو مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ میرے پاس قرآن ہر وقت رہتا ہے میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا جو ہندو اس ڈبے میں سوار تھے اور زخمی ہوئے تھے انھوں نے اخبار میں یہ واقعہ لکھ کر کہا کہ جب فضل الحق اس ڈبے سے اُترے تو ہم ہنس رہے تھے مگر اب معلوم ہوا کہ ان کا اُتر جانا اچھا ہوا قرآن نے ان کو بچالیا۔

ایک واقعہ میرا خود دیکھا ہوا ہے جس زمانہ میں میرا قیام مدرسہ راندیریہ رنگون میں تھا تو ہندوستان سے ایک شخص رنگون آیا اس کے ساتھ لڑکی بھی تھی جس کی عمر چار سال سے زیادہ نہیں تھی اس نے کہا یہ لڑکی حافظ قرآن ہے اور بغیر پڑھے پڑھائے پیدائشی حافظ ہے۔ آپ جہاں سے چاہیں ایک آیت اس کے سامنے پڑھ دیں یہ اس سے آگے دس بارہ آیتیں پڑھ دے گی چنانچہ رنگون میں بہت مقامات پر اس کا امتحان لیا گیا تو جیسا کہا تھا ویسا ہی دیکھا گیا۔ رنگون کے لوگوں نے اس لڑکی کو بہت انعام دیا۔ اس کے باپ کی آمدنی اسی لڑکی کے اس کمال ہی سے تھی میں نے اس سے کہا اس کو آمدنی کا ذریعہ نہ بناؤ مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح یہ لڑکی زیادہ نہ جیئے گی چنانچہ میرا خیال صحیح نکلا۔ اگلے سال میں نے سن لیا کہ اس بچی کا انتقال ہو گیا ہے۔

ایک واقعہ مجھ سے ایک نو مسلم نے اس وقت بیان کیا جب میں موضع گری پختہ ضلع مظفر نگر میں مدرسہ ارشاد العلوم کا مدرس اول تھا۔ اس موضع کے رئیس سرکار کی طرف سے مجسٹریٹ بھی تھے۔ ان کے یہاں دیہات کے مقدمات آیا کرتے تھے۔ یہ نو مسلم بھی ایک مقدمہ کے

سلسلہ میں وہاں آیا تھا کیونکہ خان صاحب کی عدالت میں اس نے مقدمہ دائر کیا تھا۔ میرے پاس سفارش کے لئے آیا کہ خان صاحب سے سفارش کر دوں اس کو کسی نے کہہ دیا تھا کہ خان صاحب میری بات کو رد نہیں کرتے میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟ کہنے لگا مجھے میری بیوی نے مسلمان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شادی کے بعد مجھے بخار ہو گیا اور اس نے اتنا طول پکڑا کہ مجھے دق ہو گئی میرا بڑا بھائی ڈاکٹر تھا اور اچھا ڈاکٹر تھا۔ بڑی محنت و شفقت سے علاج کر رہا تھا مگر میری حالت بگڑتی گئی یہاں تک کہ ایک دن اس نے میرے منہ پر کہہ دیا کہ اب علاج بے کار ہے۔ اور تمھاری حالت خطرہ کی حد تک پہنچ چکی ہے اب جو چاہو کھاؤ پیو دوا یا پرہیز کی کچھ ضرورت نہیں وہ تو یہ کہہ کر چلا گیا اب بیوی میرے پاس آئی اور پوچھا کیا حال ہے؟ میں نے رو کر کہا حال کیا ہوتا بھائی صاحب کہہ گئے ہیں کہ میرے بچنے کی کوئی امید نہیں اب دوا اور پرہیز کی کوئی ضرورت نہیں۔ بیوی نے کہا اگر میں تم کو اچھا کر دوں تو جو میں کہوں گی اس پر عمل کرو گے؟ میں نے کہا جان سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں اگر تو نے مجھے اچھا کر دیا تو جو تو کہے گی میں وہی کروں گا۔ اس نے کہا اب تم بے فکر رہو میں تم کو اچھا کر دوں گی یہ کہہ کر اس نے میرے پلنگ کے پاس کرسی ڈالی اور کچھ پڑھنا اور مجھ پر دم کرنا شروع کیا پانی پر بھی دم کر کے مجھے پلاتی۔ اس لڑکی کا باپ آریہ تھا اس نے اس کو وید بھی پڑھایا تھا اور کچھ انگریزی بھی، میں نے سمجھا کہ شاید یہ وید کا کوئی منتر پڑھتی ہے ایک ہفتہ کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ اپنے گھر میں بے تکلف چلنے پھرنے لگا حالانکہ اب تک میں کروٹ بھی خود نہیں لے سکتا تھا۔ دوسرے ہفتہ گھر سے باہر بھی آنے لگا۔ تیسرے ہفتہ دکان پر بھی جانے لگا چوتھے ہفتے میں بالکل تندرست ہو گیا تھا۔ رنگ روپ بھی تندرستوں جیسا ہو گیا۔ کھانا پینا حسب معمول ہو گیا۔ جب ایک مہینہ گزر گیا بیوی نے کہا اپنا وعدہ یاد ہے؟ میں نے کہا یاد ہے اب تو جو کہے گی ویسا ہی کروں گا۔ بیوی نے کہا میں مسلمان ہوں، تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ میں نے کہا تو مسلمان کیسے ہو گئی تیرا باپ تو بڑا پکا آریہ ہے اور مسلمانوں کا دشمن ہے کہنے لگی ہمارے پڑوس میں ایک ملا جی تھے جو مسلمانوں کی مسجد کے امام تھے اور بچوں کو بھی قرآن اور اور دینی کتابیں پڑھاتے تھے۔ گھر میں ملانی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔ پڑوس کی وجہ سے میں اکثر ان کے یہاں جاتی تھی اور مذہبی بحث کرتی تھی ایک دن ملانی

نے کہا بیٹی تم نے وید تو پڑھا ہے میں نے کہا ہاں خوب پڑھا ہے۔ ملانی نے کہا اب میری رائے یہ ہے کہ تم مجھ سے قرآن کا ترجمہ بھی پڑھ لو جب قرآن پورا کر لو گی پھر بحث کرنا میں نے ترجمۂ قرآن پڑھنا شروع کر دیا ملانی پہلے مجھے وضو کراتیں پھر ترجمہ پڑھاتیں ایک پارہ کا ترجمہ پڑھ کر میں نے کہا یوں مزہ نہیں آتا مجھے قرآن بھی پڑھاؤ اور ترجمہ بھی ملانی نے کہا بہت اچھا اردو پڑھنے والے کو قرآن پڑھنا مشکل نہیں اب میں نے قرآن مع ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور سال بھر میں ختم کر لیا۔ جب قرآن پورا ہو گیا تو ملانی نے پوچھا ہاں بیٹی اب کہو اسلام پر تم کو کیا اعتراض ہے؟ مجھے رونا آ گیا۔ میں نے کہا ملانی جی! سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن برابر برابر کیا اس کے پاسنگ بھی کوئی کتاب نہیں۔ وید کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ اب تم مجھے مسلمان کر لو۔ ملانی نے مجھے غسل کرایا، پاک کپڑے دیے اور نماز پڑھائی اور کہا بیٹی ابھی اسلام کو ظاہر نہ کرنا تیرا باپ بڑا ظالم ہے ہمیں پریشان کر دے گا، ابھی اپنے اسلام کو مخفی رکھو۔ موقعہ پر ظاہر کرنا جب خطرہ نہ رہے اور میرے گھر آ کر نمازیں پڑھتی رہو۔ چنانچہ سال بھر تک میں اسی طرح مخفی مسلمان رہی جب تم سے شادی ہوئی تو میں نے ملانی سے کہا میرا قرآن میری ڈولی میں رکھ دینا۔ ملانی نے میری ماں سے کہا کہ اس لڑکی کا ہمارے یہاں آنا جانا تھا ہم اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے میں چاہتی ہوں رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میں بھی اس کو دے دوں۔ میری ماں نے کہا یہ آپ کی محبت ہے، مجھے اس سے انکار نہیں چنانچہ ملانی نے رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میرے واسطے بنائے اور ان کے بیچ میں قرآن شریف رکھ کر ڈولی میں رکھ دیا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا بکس کھولا اور قرآن مجھے دکھلایا اور کہا میں نے اس قرآن کی سورہ الم نشرح پڑھ کر تم کو جھاڑا ہے۔ اسی کو پانی پر دم کر کے پلایا ہے میں نے کہا اگر میں قرآن سے اچھا ہوا ہوں تو مجھے اسلام لانے میں کوئی عذر نہیں۔ بیوی نے مجھے غسل کرایا پاک کپڑے پہنائے اور کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا کر مجھے مسلمان کیا اور نماز بھی سکھلائی۔ میں نے کہا ابھی اس بات کو مخفی رکھو موقعہ پر اعلان کریں گے۔ اس وقت تک میں اپنے باپ کی دکان پر کام کرتا تھا اور وہ مجھے معقول تنخواہ دیتا تھا میں نے روپیہ جمع کر کے اپنی دکان علیحدہ کھول لی۔ باپ نے بھی اس میں میری مدد کی جب میری دکان خوب چل گئی تو میں نے اپنے اسلام کا اور بیوی کے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس پر میرے

باپ اور بیوی کے باپ کو بڑا غصہ آیا۔ میرے باپ نے اپنی جائیداد سے مجھے محروم کر دیا۔ مگر میری ماں نے اپنی جائیداد میرے نام کر دی۔ ہندوؤں نے یہ کوشش کی کہ میرے ماں کی جائیداد بھی مجھے نہ ملے۔ اس کا مقدمہ آپ کے خان صاحب کی عدالت میں میں نے دائر کیا ہے۔ آپ سفارش کر دیں۔ چنانچہ میں نے سفارش کر دی اور خان صاحب نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ نو مسلم نے کہا میری بیوی کے باپ نے اپنے بیٹے کو میری بیوی کے پاس بھیجا کہ اس کو سمجھاوے وہ وید بھی پڑھا ہوا تھا اور انگریزی بھی۔ وہ ہمارے گھر آیا اور اپنی بہن کو سمجھانے لگا کہ اسلام میں کیا خوبی ہے مسلمان تو گئوہتیا کرتے ہیں۔ میری بیوی نے کہا بھائی صاحب آپ تو وید پڑھے ہوئے ہیں کیا اس میں آپ نے اس یہ نہیں پڑھا کہ ایک راجہ کے زمانہ میں بڑی وبا پھیلی تو پنڈتوں نے کہا سو گائیں ذبح کر کے جنگل میں ڈال دو کہ درندے یا پرندے ان کا گوشت کھائیں تو وبا دور ہو جائے گی، راجہ نے ایسا ہی کیا تو وبا دور ہو گئی۔ تو جس گئو کا گوشت درندوں پرندوں کے کھانے سے وبا دور ہوتی ہے۔ اگر خود انسان کھائے تو کیا ہوگا اس پر وہ لاجواب ہوا تو دوسرا سوال کیا کہ مسلمانوں کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ کنویں میں چوہا مر جائے تو بیس بیس ڈول نکال دو، مرغی مر جائے تو چالیس پچاس ڈول نکال دو، بلی مر جائے تو ستر اسی ڈول نکال دو، یہ تو عقل کے خلاف ہے اگر کنواں ان چیزوں کے مرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے تو بیس تیس چالیس پچاس ڈول نکالنے سے کیا ہوگا سارا پانی نکالنا چاہیے۔ بیوی نے کہا آپ تو ڈاکٹر ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جس آدمی کا خون خراب ہو جاتا ہے تو ڈاکٹر حکیم فصد کے ذریعے سا تھوڑا سے خون نکال لیتے ہیں جس سے سارا خون اچھا ہو جاتا ہے سارا خون کوئی نہیں نکالتا اسی طرح بعض جانوروں کے مرنے سے پانی خراب ہوتا ہے مگر سارا پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھوڑا سا نکالنا سارے پانی کو اچھا کر دیتا ہے، سارا پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس پر بھی وہ لاجواب ہوا تو میری بیوی نے کہا آپ نے وید پڑھا ہوگا کہ بیکنٹھ (جنت) کے دروازہ پر ایک کلمہ لکھا ہوا ہے جب تک آدمی وہ کلمہ نہ پڑھے بیکنٹھ میں نہیں جا سکتا۔ پنڈت ہر ایک کو نہیں بتلاتے وہ کلمہ کیا ہے؟ مگر میرے استاد نے مجھے بتایا ہے کہ وہ کلمہ وہی ہے جس کو "ان کہنی" کہا جاتا ہے جب کسی ہندو کی جان کئی دن تک نہیں نکلتی تو اس سے کہا جاتا ہے "ان کہنی" کہہ دے وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کہتا ہے تو جان آسانی سے نکل جاتی ہے۔ اس پر میری بیوی کا بھائی خاموش ہو کر چلا گیا اور باپ سے کہہ دیا کہ اس کے ہندو بننے کی کوئی امید نہیں، وہ خوب سمجھ بوجھ کر مسلمان ہوئی ہے۔

اس پر مجھے حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہ بانی دار العلوم کی بات یاد آ گئی جو حضرت حکیم الامت سے سنی تھی کہ مولانا کے پڑوس میں ایک ہندو بیار ہتا تھا اس کی دکان سے مولانا کے یہاں سودا بھی آتا تھا اسکا انتقال ہو گیا تو مولانا نے اسے خواب میں دیکھا کہ جنت میں گشت کر رہا ہے مولانا نے پوچھا لالہ جی تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ تم تو ہندو تھے ساری عمر بت پوجا کرتے، سود بٹہ لیا کرتے تھے جنت تو مسلمان کے لئے ہے۔ کہا مولوی جی آپ کی صحبت سے مجھے اسلام سے محبت ہو گئی جب میں مرنے لگا تو لوگوں نے کہا ”ان کہنی“ کہہ لے جان آسانی سے نکل جائے گی۔ اب تک فرشتے میرے سامنے نہیں آئے تھے میں نے دل سے کلمہ پڑھ لیا وہ قبول ہو گیا اور میں جنت میں پہنچ گیا۔

ایک واقعہ میں نے پانی پت میں ثقات سے سنا ہے کہ وہاں ایک قاری صاحب تھے جن کو قاری ”لالا“ کہتے تھے۔ غالباً اصلی نام لعل محمد ہوگا۔ ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب وہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھاتے تو انکا قرآن سن کر کسی کی مجال نہ تھی کہ آگے قدم بڑھائے سننے کے لئے کھڑا ہو جاتا خواہ مسلمان ہو تا یا ہندو جب تک وہ رکوع میں نہ جاتے سڑک والے قرآن سنتے رہتے جب رکوع کرتے اس وقت لوگ اپنے کام کو جاتے۔

ان کی دوسری کرامت یہ بھی سنی کہ وہ ایک سفر میں چلے جا رہے تھے چند شاگرد بھی ساتھ تھے ایک جگہ مغرب کا وقت ہو گیا۔ وضو کے لئے پانی کی فکر ہوئی وہاں ایک کنویں پر رہٹ لگا ہوا تھا قاری لالا نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھوڑی دیر میں رہٹ خود بخود چلنے لگا سب نے وضو کیا نماز پڑھی پانی پیا پھر آگے چل دیئے اور رہٹ برابر چلتا رہا۔

جب غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے پانی پت والوں کی معافی ضبط کر لی تو قاری لالا صاحب قسطنطنیہ چلے گئے ماہ شعبان کا اخیر تھا، سلطان عبد الحمید خانؒ نے شیخ الاسلام سے فرمایا کہ جامع مسجد تک جانے کی میری ہمت نہیں (شاید بڑھاپے کی وجہ سے ضعف زیادہ ہو گیا تھا کسی قاری کو

تجویز کرو جو شاہی محل میں ہم کو تراویح میں قرآن سنا دے۔ شیخ الاسلام نے اعلان کر دیا کہ سلطان اپنے محل میں قرآن تراویح میں سننا چاہتے ہیں جو قاری حافظ اس کے لئے آمادہ ہو اپنا نام پیش کرے۔ کسی حافظ کی ہمت نہ ہوئی تو قاری "لالا" صاحب نے شیخ الاسلام سے کہا میں سلطان کو قرآن سناؤں گا ، آپ میرا نام بھیج دیں۔ شیخ الاسلام نے کہا سلطان خود بھی حافظ ہیں۔ ان کے آگے وہی قرآن پڑھ سکتا ہے جو پکا حافظ ہو، کہا آپ میرا نام بھیج دیں، میں اس کے لئے تیار ہوں چنانچہ نام بھیج دیا گیا اور سلطان کا حکم صادر ہوا کہ ان قاری صاحب کو ہمارے پاس بھیج دو۔ پہلے ہم ان کا امتحان لیں گے۔ انکو پیش کر دیا گیا اور سلطان نے کسی خاص مقام سے جو (جو حفاظ کے یہاں دشوار ہے) قرآن پڑھنے کی فرمائش کی قاری "لالا" صاحب نے پڑھنا شروع کیا۔ جب کئی رکوع پڑھے گئے، سلطان پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا بس ہم آپ کا قرآن ضرور سنیں گے۔ جب تراویح میں قرآن ختم ہو گیا تو سلطان نے شیخ الاسلام سے فرمایا قاری صاحب کو اتنی اشرفیاں اور خلعتِ فاخرہ دے دیا جائے۔ قاری صاحب نے کہا حضور میں اس واسطے ہندوستان سے نہیں آیا اور قرآن سنا کر روپیہ لینا مجھے گوارہ بھی نہیں۔ میں تو دوسرے کام سے آیا ہو، فرمایا وہ کیا؟ کہا انگریزوں نے میری بستی کے مسلمانوں کی معافی ضبط کرلی ہے کیونکہ وہ بھی غدر میں شریک تھے۔ آپ بادشاہ ہیں آپ سفارش کردیں کہ پانی پت کے مسلمانوں کی معافی بحال کی جائے۔ سلطان نے کہا میں یہ بھی کردوں گا آپ میرا ہدیہ قبول فرمائیں یہ قرآن کا معاوضہ نہیں ہے سلطان نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھ دیا اور اس کی نقل قاری "لالا" صاحب کو دے دی تاکہ وائسرائے ہند کو دکھلادیں اس طرح پانی پت کے مسلمانوں کی معافی ضبط ہونے کے بعد بحال ہو گئی۔

ایک واقعہ ۱۹۶۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ جب ہندو مسلمانوں میں جنگ ہو رہی تھی تو ہندوؤں کی بمباری سے پاکستان کا ایک ٹینک تباہ ہو گیا اگلے دن چند سکھ اسلامی کیمپ میں آئے اور کہا رات جو ٹینک ہماری بمباری سے تباہ ہوا تھا اس کے آدمی تو سب مر گئے مگر دو قرآن محفوظ رہ گئے وہ ہم لے کر آئیں ہیں اور کہا کہ واقعی یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ ٹینک کی ہر چیز تو جل گئی مگر قرآن محفوظ رہا۔

ایک واقعہ میرا چشم دید ہے ضلع سہارنپور میں ایک موضع سہارنپور اور گنگوہ کے درمیان "یترون" نام سے مشہور ہے وہاں ہمارے مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے ایک مرید پٹواری تھے ان کے پاس ایک بھنگی آیا اور کہا میری مرغی نے ایک انڈا دیا ہے اس پر کچھ لکھا ہوا ہے آپ پڑھ کر دیکھیں کیا لکھا ہے پٹواری صاحب نے جیب میں سے ایک آنہ نکال کر بھنگی کو دیا انڈا اس وقت پیسہ دو پیسہ کا تھا بھنگی سے کہا تو اس کا ایک آنہ لے لے اور انڈا مجھے دے دے۔ یہ تیرے کام کا نہیں میرے کام کا ہے اس انڈے کا چھلکا اس طرح اُبھرا ہوا تھا کہ عربی خط میں ایک طرف لاالہ الااللہ پڑھا جاتا اور دوسری طرف محمد رسول اللہ پڑھا جاتا تھا۔ پٹواری صاحب نے انڈے کی زردی سفیدی نکال کر اس میں چونا بھر لیا تھا تاکہ محفوظ رہے وہ یہ انڈا لے کر سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد قدس سرہ کو دکھلانے لائے۔ حضرت نے ہم سب کو دکھلایا۔

قرآن کی کرامت و اعجاز ہر زمانے میں ظاہر ہوتی رہتی ہے مگر نفع اسی کو ہوتا ہے جس کے مقدر میں اسلام ہے

تقریر بموقع

﴿ختم بخاری شریف﴾

تقریر بموقع

ختم بخاری شریف

درج ذیل تقریر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی ہے جو موصوف نے تیس سال قبل ختم بخاری شریف کے موقع پر فرمائی جسے مولانا عبد القدوس صاحب نے ضبط کر کے ارسال کیا ہے امید ہے قارئین اس سے مستفید ہونگے۔

امام بخاری کی فضیلت :

یہ صحیح بخاری کا آخری باب ہے اور امام بخاریؒ کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ انھوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے چار ہزار کو منتخب کیا ہے اور ان میں مناسبت اور ترتیب کی رعایت کی۔

کتاب کی ابتداء اور انتہا میں مناسبت

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے اندر جملہ ابواب کی مناسبت ایک دم بیان کر دی ہے فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے کتاب کو شروع کیا بدا الوحی سے کہ وحی کی ابتداء کیسے ہوئی، وحی کسے کہتے ہیں؟

﴿کلام الله المنزل علی نبی من الانبیاء﴾

اللہ کا وہ کلام جو اتارا گیا کسی نبی کے اوپر انبیاء میں سے وہ کلام اللہ ہے

تو کتاب کو شروع کیا کلام اللہ سے اور ختم بھی کیا اسی بحث کے اوپر۔ چنانچہ اس کے اوپر کا جو باب ہے باب قرأة الفاجر و المنافق و اصواتهم یہ آخری باب ہے اس پر ختم کیا ہے کتاب کو جس بحث سے جس مضمون سے کتاب شروع کی گئی اسی پر ختم کیا ابتداء میں اور انتہا میں مناسبت ہے۔

صفت کلام کا مطلب ؟

کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں صفت کلام پر بحث ہو رہی تھی حق تعالیٰ کو متکلم سب مانتے تھے۔ مگر اس کی حقیقت کیا ہے؟ کہ حق تعالیٰ خود ہی کلام کرتے ہیں؟ یا خود کلام نہیں کرتے۔ کسی شی میں کلام پیدا کر دیتے ہیں جیسا کہ موسی علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے درخت میں آواز پیدا ہو گئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ یوں کلام کرتے ہیں۔ کسی شی میں پیدا کر دیتے ہیں کلام اور یہ اشکال اس واسطے پیش آیا کہ انھوں نے خدا کو قیاس کیا اپنے اوپر ہم جیسے بولتے ہیں ایک لفظ بولا وہ ختم ہوا، دوسرا بولا، تیسرا بولا، چوتھا بولا، الفاظ پہلے ختم ہوتے جاتے ہیں۔ سارے الفاظ ایک دم سے ہم نہیں بول سکتے۔

تو کلام کے اندر تعاقب اور فنا پایا جائے گا۔ ایک جملہ ایک لفظ فنا ہو پھر دوسرا پایا جائے۔ اگر ایسا ہو تو صفت کلام حادث ہو گی، قدیم نہیں۔ جس صفت کے اندر تعاقب ہو ترتیب ہو،

فنا اور بقا ہو ایک لفظ فنا ہوتا ہے ایک لفظ پایا جاتا ہے۔ یہ فنا اور بقا یہ صفت حادث کی ہے قدیم کی نہیں۔ انھوں نے قیاس کیا اپنے اوپر خدا کو خدا بھی ایسے بولے گا۔ اس کے کلام میں بھی یہ صورت ہوگی۔ ایک پایا جائے گا ایک فنا ہوگا۔ لازم آئے گا خدا کا کلام حادث ہے،

لہٰذا معتزلہ نے سرے سے انکار کر دیا کہ حق تعالیٰ متکلم بایں معنی نہیں ہیں کہ اپنے آپ بولتا ہے، اپنے آپ نہیں بولتا۔ وہ کسی شی میں کلام پیدا کر دیتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے لئے پیدا کیا درخت میں اور حضور کے لئے پیدا کیا جبرئیل کے اندر جبرئیل میں کلام الٰہی پیدا ہوا، اور جبرئیل نے آ کر کے وہ کلام الٰہی بیان کیا یہ تو ہے کلام اللہ۔ مگر یہ قدیم نہیں۔ جبرئیل کے اندر پیدا کیا گیا ہے مخلوق ہے۔

قرآن کریم کو مخلوق ماننے کے فتنہ کی ابتداء

یہ فتنہ اٹھا کہ القرآن کلام اللہ مخلوق او غیر مخلوق۔ یہ قرآن جو اللہ کا کلام ہے یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے یا قدیم ہے، یہ بڑا فتنہ چلا اور اس فتنہ میں بہت سے علماء مارے بھی گئے۔ قید بھی کیئے گئے۔

امام احمد ابن حنبلؒ کو بھی قتل کرنا چاہا تھا۔ اس واسطے کہ وہ کلام اللہ کو مخلوق نہیں کہتے تھے۔ ان کا قول یہی تھا جو قول سلف کا ہے القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مگر حکومت کو خطرہ تھا۔ اس لئے کہ امام صاحب بڑے عالم تھے، بڑے محدث تھے، بڑے مجتہد تھے، بڑے متقی تھے تو خلافت کو خطرہ محسوس ہوا ان کو اگر مارا گیا تو مسلمان بگڑ جائیں گے۔ اصلاح کے لئے انکو جیل بھیج دیا اور دراصل اس فتنہ کی بانی خلافت عباسیہ تھی۔

اور خلافت عباسیہ میں بھی مامون الرشید نے یہ فتنہ اٹھایا بر سر عام ہوا امیہ نے اس فتنہ کا سر کچل دیا شروع میں سب سے پہلے جامع ابن صفوان جس کی طرف فرقہ جہمیہ منسوب ہوا اس نے کہا تھا القرآن کلام اللہ مخلوق۔ قرآن کلام اللہ ہے مگر مخلوق ہے۔ اس کی گفتگو امام صاحبؒ سے

ہوئی----امام صاحب نے ارشاد فرمایا۔

﴿فاخرج عني يا كافر﴾

اے کافر میرے پاس سے ہٹ جا، نکل جا

تبع تابعین نے بالاتفاق یہ فتوی دیا کہ یہ شخص کافر ہے۔ کیونکہ صفت الٰہی نہیں مانتا کہ وہ صفت الٰہی تو قدیم ہے کہ قرآن کلام اللہ بھی ہو پھر مخلوق بھی ہو حادث بھی ہو اس کے کیا معنی؟

یہ بدعت ہے یہ کفر ہے، اس کو مارا گیا، اس کا شاگرد تھا، بشر ابن ریاس اویسی اس نے بھی یہ فتنہ برپا کرنا چاہا اس کو مارا گیا تو بنوامیہ نے یہ فتنہ نہیں چلنے دیا۔ بنوعباس نے اس فتنہ کو چلایا، خود خلیفہ نے چلایا، کہ قرآن کو کلام اللہ کہو مخلوق بھی کہو، قدیم نہ کہو، حادث کہو۔

امام بخاری کی اصلاح

امام بخاریؒ نے اس مسئلہ میں ایک اصلاح کی وہ یہ ہے کہ قرآن کلام اللہ جو ہے وہ تو غیر مخلوق ہے۔ لیکن اس قرآن کو جو ہم پڑھتے ہیں ہمارا پڑھنا، ہماری تلاوت یہ مخلوق ہے، یہ حادث ہے۔

القرأة حادثة والمقروقديم ہماری قرأت حادث ہے، اس واسطے کہ مومن، منافق حسن الصوت، قبیح الصوت سب ہی پڑھتے ہیں، تو سب کی قرأت میں اختلاف ہے کوئی اچھا پڑھتا ہے۔، کوئی صحیح پڑھتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، کوئی قرأت سے پڑھتا ہے، کوئی بلا قرأت پڑھتا ہے۔ سب پڑھ رہے ہیں قرآن ہی۔ قرآن تو ایک ہے یہ اختلاف کس چیز میں ہے؟ یہ اختلاف ہماری قرأت میں، ہمارے تلفظ میں، ہماری ادائیگی میں، اس لئے ان کے منہ سے نکل گیا القرآن كلام الله غير مخلوق و لفظي بالقرآن مخلوق ۔ کہ قرآن کلام اللہ ہے مخلوق نہیں ہے یہ تو قدیم ہے۔ مگر میرا تلفظ، میرا پڑھنا یہ حادث ہے۔

امام ذھلی کی برہمی

ان کے استاذ امام یحیٰی الذھلی بگڑ گئے اور کہا کہ یہ اصلاح بدعت ہے۔ جو سلف کہتے آ رہے ہیں وہی کہو القرآن کلام الله غیر مخلوق اس میں ترمیم کرنا اصلاح کرنا لفظی بالقران مخلوق یہ عوام کو مغالطہ میں ڈالے گا۔ اور بدعتیوں کو سہارا ملے گا۔ اہل بدعت کو سہارا امت دو وہی کہو جو سلف کہتے آ رہے ہیں،

﴿القرآن کلام الله غیر مخلوق۔﴾

کیونکہ امام بخاریؒ پر اس مسئلہ کے اندر بہت یورش ہوئی بہت حملہ ہوا۔ اس واسطے انھوں نے وحی سے کتاب کو شروع کیا اور قرأت پہ ہی ختم کیا۔

مبدا بھی وحی، منتھا بھی وحی اور منتھا کے اندر یہ بتلا دیا کہ ہماری قرأت ہماری تلاوت یہ حادث ہے، یہ قدیم نہیں ہے، اللہ کا جو کلام ہے وہ قدیم ہے۔

وحی کی ضرورت

نیز بدأالوحی سے کتاب کو شروع کر کے وحی کی عظمت بھی ظاہر کر دی کہ مسلمان کو سب سے پہلے وحی کی معرفت کی ضرورت ہے، وحی کو پہچانو، اس واسطے کہ وحی مبدأ ہے نبوت کا مبدأ ہے رسالت کا نبی اور رسول وہی ہے جس پر اللہ کی وحی آئی ہو۔

ایمان سے پہلے بھی معرفتِ وحی کی ضرورت ہے۔ اس واسطے باب بدأالوحی کو پہلے رکھا اور اس کے بعد میں کتاب الایمان، کتاب العلم۔

پھر جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں باب مبدأالوحی کے اندر اول حدیث جو ہے وہ انما الاعمال باالنیات ہے۔ یہ دراصل مبدأوحی کے متعلق نہیں، یہ تمہید ہے دیباچہ ہے۔

تمہید اور خاتمہ

ایسے ہی کتاب تو ختم ہو چکی ہے باب قرآۃ الفاجر پر۔ یہ حدیث جو آخر میں بیان کی ہے، یہ بات جسے آخر میں بیان کیا ہے یہ خاتمہ ہے جیسے خاتمۃ الطبع لکھا کرتے ہیں۔ کتاب ختم ہو جاتی ہے پھر لکھتے ہیں خاتمۃ الطبع۔

ایسے ہی یہ کتاب کا خاتمہ ہے اور کتاب ختم ہو چکی ہے اس سے پہلے اس میں مناسبت ظاہر ہے کہ کتاب کو ختم کیا ایسے باب پر جو انسان کا منتھا ہے۔ مبدأ عمل نیت ہے۔ نیت سے عمل شروع ہوتا ہے، بلانیت کے عمل معتبر نہیں ہے یہ الگ بحث ہے کہ صحیح ہے کہ نہیں، مگر معتبر نہیں ثواب نہیں، ثواب ملتاہے نیت سے، عمل معتبر ہوتا ہے نیت سے وہ مبدأ ہے اور منتھا یہ ہے کہ تمھارے اعمال کا تمھارے اقوال کا وزن ہوگا، خاتمہ کتاب پر متنبہ کر دیا جیسا کہ فاتح پر متنبہ کیا ہے کہ نیت درست کر کے، نیت صحیح کر کے حدیث پڑھو۔ حدیث رسول کی عظمت کو سمجھو اور نیت کو درست کر کے پڑھو۔

اس لئے کہ " انما الاعمال بالنیات " ایسے منتھا پر متنبہ کر دیا کہ جو عمل کرو جو بات منہ سے نکالو یہ سمجھ لو کہ تمھارے اعمال اور تمھارے اقوال کا وزن ہوگا۔ " ونضع الموازین القسط الیوم القیامۃ " حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم موازین قائم کریں گے انصاف کے لئے قیامت کے دن۔

میزان ایک ہی ہوگا

موازین جمع لائی گئی ہے نہ اس واسطے کہ وہاں میزان بہت سے ہیں میزان تو ایک ہی ہے مگر کیونکہ موزون کے انواع مختلف ہیں موزونات بہت ہیں، اس میں اقوال کا بھی وزن ہے، اعمال کا بھی وزن ہے اور صحف کا وزن بھی ہے۔ صحیفے بھی وزن کیئے جائیں گے اور بلکہ معلوم ہوتا ہے بعض احادیث سے کہ انسان کا بھی وزن ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کے گناہ زیادہ ہوں گے لیکن ہلکے پڑ جائیں گے۔

نابالغ بچے بھی اعمال میں داخل ہیں

ان کے نابالغ بچے آکر بیٹھ جائیں گے میزان میں وہ کہیں گے اب وزن کرو۔ ارے بھائی یہ تو اعمال کا وزن ہے۔ وہ کہیں گے ”نحن من کسب آبائنا“ ہم بھی اپنے باپ کے اپنی ماں کے کسب میں سے ہیں۔ ہم بھی ان کے عمل کا نتیجہ ہیں، ہم بھی ان کے اعمال میں داخل ہیں ہم کو وزن کرو۔

ملائکہ سے بحث ہوگی، حق تعالیٰ فیصلہ فرمادیں گے، بھائی یہ معصوم بچے ہیں ضد ان کی پوری کرو، ہم بھی ضد پوری کرتے ہیں ان کی تم بھی پوری کرو۔ وزن کرو ان کے ساتھ، تو ان کے ماں باپ کی حسنات کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ تو معصوم بچے یہ بھی آپ کے اعمال میں داخل ہیں، گو بالغ بچے بھی اعمال میں داخل ہیں مگر بالغوں کو اپنی اپنی پڑے گی نفسی نفسی۔ یہ معصوم بچے بے فکر ہوں گے۔ ان کو اپنی فکر نہیں ہوگی اس واسطے کہ بخشے ہوئے ہیں، بخشے بخشائے ہیں۔

اسی واسطے نماز جنازہ کے اندر جو بچوں کی دُعا ہے وہاں بچوں کے لئے دُعائے مغفرت نہیں اپنے لئے دعا ہے۔ اے اللہ اس کو ہمارے لئے ذخیرہ بنادے، اس کو ہمارے لئے ثواب بنادے، اس کو ہمارے لئے فرط بنادے۔ ”واجعلہ شافعا و مشفعا“ اور اس کو ہماری شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا بنادے۔ یہ دعا کی جاتی ہے بچوں کے لئے اس لئے کہ وہ بخشے بخشائے ہیں۔ ان کے واسطے دعائے مغفرت نہیں باقی بچوں کی قبر پہ جا کر ثواب پہنچا سکتے ہو------ قرآن پڑھ کے۔ اس واسطے کہ آپ کے اعمال میں اضافہ بھی ہوگا، وہ بھی آپ کا عمل ہے، جو آپ پڑھیں گے یہ بھی آپ کا عمل ہے۔ اس سے وہ خوش ہوں گے۔

تو متنبہ کردیا کتاب کے آخر میں خاتمے کے اوپر کہ مقصود تو ہمارا پورا ہو چکا ہے، اگر ہم متنبہ کرتے ہیں کہ اپنے عمل اپنے اقوال اپنے افعال کے اندر کوشاں رہو۔

یہ مت سمجھو کہ ہم نے جو کچھ کہہ دیا وہ اُڑ گیا ہوا کے اندر۔ نہیں۔ تمھارے اقوال

بھی وزن ہوں گے، تمھارے اعمال بھی وزن ہوں گے۔

اس پر امت کا اجماع ہے کہ میزان عمل کا قائم ہونا واجب ہے، فرض ہے۔

معتزلہ کی گمراہی

معتزلہ نے یہاں بھی انکار کیا۔ جو بات ان کی عقل میں نہ آئے یہ اس کا انکار کر دیتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے۔ ان کو سمجھنا چاہیے کہ شریعت کے اندر کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ عقل کی رسائی سے آگے ہو۔ خلاف عقل کوئی بات نہیں۔

خلاف عقل اور ماورائے عقل میں فرق

خلاف عقل ایک چیز ہوتی ہے کہ ضدین کا اجتماع ہو، نقیضین کا اجتماع ہو یہ شریعت میں کہیں نہیں ہے۔ بس یہی ہے خلاف عقل اور جتنی چیزیں ہیں آخرت سے متعلق ہیں، غیب کے متعلق ہیں وہ عقل کی رسائی سے باہر ہیں۔ اس واسطے کہ عقل تو محسوسات سے کچھ دیکھ کر معلومات حاصل کرتی ہے۔ چند محسوسات، چند معلومات کے ذریعے سے اور معلوم، اور علوم حاصل کر لیے۔ مگر جو اس کی دسترس سے، جو اس کی رسائی سے باہر ہیں عالم آخرت میں، وہاں پر عقل چلتی نہیں، مگر یہ بھی نہیں ہے کہ عالم آخرت کی باتوں کو عقل کے خلاف کہا جائے وہ خلاف عقل نہیں ہیں، عقل اس سے انکار نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ کہہ سکتی ہے عقل کہ ہم سمجھے نہیں، ہماری فہم سے بالا ہے۔ صحیح ہے اگر تمھاری فہم سے بالا نہ ہوتے تو پھر رسول کی ضرورت کیا تھی، وحی کی ضرورت کیا تھی۔ وحی تو اسی واسطے آئی۔ اسی واسطے بھیجی گئی انبیاء علیھم السلام پر بہت سی باتیں عالم آخرت کی ہیں وہ

تمھاری عقل میں نہیں آسکتی۔ عقل وہاں تک نہیں پہنچتی۔

سعدی فرماتے ہیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

ہر جگہ عقل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ بعض جگہ تم کو ڈھال دینا پڑے گا، ڈھال ڈال کر اس واسطے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ عقل کی رسائی سے باہر ہیں مگر وہ خلاف عقل نہیں اب جو بات آپ کی عقل میں نہ آئے اس کا انکار کردو۔ یہ بڑی زیادتی ہے، بڑی غلطی ہے۔

بہت سے اعراض کا وزن

پہلے زمانہ میں فلاسفہ نے اس کا انکار کیا تھا کہ گرمی کا ہوا کا، سردی کا، وزن ہو سکتا ہے، یہ چلا کی کہ سردی اور گرمی یہ عرض ہے اور عرض قائم بالذات نہیں۔ اس کا وزن نہیں۔ اس کا وزن نہیں ہو سکتا۔ مگر آج آپ کی تحقیقات سامنے ہیں۔ تھرمامیٹر سے گرمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اتنی ڈگری بخار ہے، اتنی ڈگری ہے اور محکمہ موسمیات سارے صوبہ کی گرمی کو بیان کرتا ہے۔ اس تاریخ میں گرمی کا یہ درجہ ہے، سردی کا یہ درجہ ہے، مکان کی سردی، گرمی کے لئے بھی لگایا گیا ہے۔ آلہ ہے ایک اس آلہ سے اپنے مکان کی گرمی، سردی کو معلوم کرسکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ بہت سی باتیں وہ تھیں جو پہلے عقل میں نہیں آتی تھیں آج عقل میں آگئی ہیں۔

پہلے عقل میں نہیں آتا تھا کہ چاند پر پہنچ سکتے ہیں۔ آج یہ کوشش کررہے ہیں اور ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ کرے پہنچ جائیں۔ چاہے وہاں پہنچ کر دھکے ہی ملیں مگر پہنچ جائیں۔ اس واسطے کہ اس سے ہماری معراج کا ثبوت ہوجائے گا۔

یہ بے وقوف معراج کا انکار کررہے ہیں کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی سرعت کے ساتھ اتنی تیزی کے ساتھ ایک رات کے اندر پیغمبر پہنچ گیا آسمان پر اور صبح سے پہلے پہلے اپنے مکان

میں آ گیا۔

کیا چاند پر پہنچنا ممکن ہے؟

مگر اب وہ خود ایجاد کر رہے ہیں ایک گھنٹہ میں دس ہزار میل چلنے والا جہاز اور کہتے ہیں کہ اس سے بھی آگے بنائیں گے۔ ارے کب تک پہنچیں گے چاند پر؟ تو پندرہ بیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بنانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں تاکہ چاند پر پہنچ جائیں۔ مگر ان کو خبر نہیں ہے کہ یہ چاند سورج کی ایسی مثال ہے جیسے کہ پہاڑ کو آپ دیکھتے ہیں دور سے معلوم ہوتا قریب ہے۔ مگر چلتے چلتے بڑی لمبی مسافت طے کرنا پڑتی ہے اور دور سے معلوم ہوتا ہے قریب ہے۔

ایسے ہی یہ عقل مند سمجھتے ہیں کہ چاند تو یہ قریب ہے، مگر چل کر دیکھیں مسافت طے کریں۔ سوا نو لاکھ میل سے کم نہیں ہے۔ زیادہ ہی ہے۔ یہ پندرہ ہزار، بیس ہزار میل کی رفتار سے اگر پہنچیں گے ایک لاکھ میل پہنچیں گے۔

مگر خیر مان لیا تسلیم کر لیا کہ سرعت سیر کی منتہا نہیں سیر کی رفتار اور سرعت بڑھ چکی ہے۔ اس کا منتہا کوئی نہیں۔ تو پھر کیا اشکال؟ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے براق بھیج دیا۔ وہ براق تمھارے تمام براقوں سے بڑھ کر تیز تھا۔ اس کا ایک قدم پڑتا تھا مبدا البقا پر جہاں نگاہ پہنچتی تھی اور نگاہ بھی اس کی بہت تیز تھی تمھاری نگاہ کے برابر نہیں تھی۔ بہت تیز نگاہ تھی اور جہاں نگاہ پہنچتی وہیں قدم پہنچتا۔

اور صوفیا کا کشف ہے کہ براق صورت حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کی صورت ہے موت کی بھی صورت ہے یہ پڑھا ہوگا آپ نے حدیث میں موت کو لایا جائے گا کبش اسود کی صورت میں۔ سیاہ دنبہ کی شکل میں اور پوچھیں گے جنتیوں سے، جہنمیوں سے اس کو دیکھو پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے کہ ہاں پہچانتے ہیں، ہم گذرے ہیں اس کے ساتھ، یہ تو سب کو آئی ہے موت۔ تو سب دیکھ کر پہچان لیں گے کہ ہاں موت ہے۔

عالم آخرت میں اعراض بھی جواہر ہیں،

فلاسفہ کہتے ہیں حیات، موت یہ عرض ہیں مگر عالم آخرت کے اندر اعراض بھی جوہر ہیں ہر عرض کی شکل جوہری موجود ہے۔ ایسے ہی حیات ہے عرض مگر عالم آخرت کے اندر اس عرض کی صورت جوہری براق ہے۔ زندگی کی اگر کوئی شکل ہوتی تو براق ہے۔ اس کو دیکھ کر آپ پہچان لیں گے کہ وہ زندگی جس کا نام ہے وہ یہ ہے۔

تو جس رسول کی سواری میں خود حیات ہو، خود زندگی ہو، زندگی پر سوار ہو اس کو خطرہ کس چیز کا؟ خطرہ اس کو ہوگا جس کو موت کا اندیشہ ہو۔ اور جس کا مرکب حیات ہو، عین حیات پر ہو، وہ سارے جوّ طے کر جائے گا بلا خطر۔ اس کو نہ آگ جلا سکتی ہے نہ زہر ہی اس کو پریشان کر سکتا ہے۔ کیونکہ حیات پر سوار ہے حیات اس کا مرکب ہے اور حیات سے بڑھ کر رفتار کسی چیز کی نہیں۔ جتنی رفتار آپ بنا رہے ہیں وہ اسی حیات کے ذریعے سے، اسی دماغ کے ذریعے سے، جو عین حیات پر سوار ہے وہ ظاہر ہے کہ اس کی رفتار کی کوئی انتہا نہیں۔ تو بہر حال بہت سی باتیں عقل میں نہیں آتی تھیں اب آہستہ آہستہ عقل میں آرہی ہیں۔

معراج کا نفیس عقلی ثبوت

اس واسطے ہم تو کہتے ہیں کہ یہ پہنچ جائیں چاند پر، اچھا ہے، ہم پھر کہیں گے کہ تم نے انکار کیوں کیا تھا معجزات کا؟ کیوں انکار کیا تھا معراج کا؟ جب تم پہنچ گئے ہو کوشش کر کے چاہے برسوں میں پہنچے، چاہے مصیبت سے پہنچے تو جو خلاق عالم، صانع عالم اور قادر مطلق ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اپنے رسول کو ایک رات کے اندر کہیں سے کہیں پہنچا دے اور صبح سے پہلے واپس لے آئے۔ تو معتزلہ نے انکار کیا وزن اعمال کا اسی واسطے کہ عقل میں نہیں آیا۔ اگر آج زندہ ہوتے تو ن کو معلوم ہوتا کہ عقل میں آتا ہے۔

آج ایسے آلے موجود ہیں جن سے گرمی کا اور سردی کا وزن ہوتا ہے۔ یہ بھی اعراض ہیں، یہ بھی کیفیات ہیں۔ تو اب کیا اشکال ہے؟ کہ ہمارے قول کا وزن ہو؟ ہمارے عمل کا وزن ہو؟

اور عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جتنے اعراض یہاں پر نظر آتے ہیں وہ سب عالم آخرت میں جواہر ہیں۔ وہ جواہر بن جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ موت کی شکل ہے سیاہ دُنبہ، حیات کی شکل ہے براق، تو عالم آخرت کے اندر ہر چیز کی ایک جوہری شکل ہے۔

کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا

ہمارے ہر قول کی صورت ہے، جوہری صورت ہے، وہ وزن کی جائے گی اب کیا اشکال؟ اب یہ وزن ہوگا کس کا؟ ہر شخص کے اعمال کا۔ کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا تو بعض علما کا قول یہ ہے کہ وزن اعمال ہوگا مومنین کا۔ کفار کا نہیں ہوگا۔ ان کے واسطے تو آیت موجود ہے۔

فلا نقيم لهم يوم القيامة وزنا

ان کے لئے وزن قائم نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو کافر ہیں۔ ان کے کفر نے ساری نیکیاں برباد کر دی ہیں۔ وہ جہنم میں جائیں گے۔ بلا حساب جہنم میں جائیں گے۔

جیسا کہ بعض مومنین بھی ایسے ہیں کہ بلا حساب جنت کے اندر جائیں گے، ان کا وزن نہیں ہوگا۔

ستر ہزار ضرب ستر ہزار مومن بلا حساب جنت میں جائیں گے

حدیث میں ہے ستر ہزار بے حساب جائیں گے جنت میں اور ہر ایک کے ساتھ ان میں سے ستر ہزار ہوں گے۔ تو ستر ہزار ضرب ستر ہزار۔ یہ جماعت مومنین بے حساب جائیں گے جنت کے اندر۔ یہ انبیا علیہم السلام کے علاوہ۔ انبیا علیہم السلام کا حساب بھی نہیں ہوگا۔ وہ تو بے حساب جائیں گے۔ ”نہیں“ مومنین کے اندر۔ اُمت محمدیہ کے اندر بتلایا گیا ہے کہ ستر ہزار ضرب ستر

ہزار یہ جائیں گے بے حساب جنت کے اندر اور بقیہ کے اعمال کا وزن ہو گا واللہ سریع الحساب اور اللہ تعالٰی بہت جلد حساب کرنے والے ہیں۔ جو کام ہم کرتے ہیں مدتوں میں، وہاں ہو جاتا ہے سکنڈ اور منٹ میں، کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ مخلوق تو بہت بے انتہا مخلوق ہے۔ ان کے اعمال کا وزن ہوتے ہوتے لگ جائیں گی مدتیں۔ ”نہیں“ تو قرآن میں ہے۔

واللہ سریع الحساب اللہ بہت جلدی حساب لینے والے ہیں، وہاں دیر نہیں ہو گی مومن سارے ہیں۔ نیک بندوں کو قیامت کا دن ایسا معلوم ہو گا جیسا کہ عصر سے مغرب تک اور کفار کے لئے خمسین الف سنة پچاس ہزار سال ان کو لمبا لگے گا۔ طویل معلوم ہو گا۔ مومن کو لمبا نہیں معلوم ہو گا۔

تو فرماتے ہیں۔ وان اعمال بنی آدم و اقوالهم یوزن بنی آدم کے اعمال اور ان کے اقوال وزن کیئے جائیں گے۔

اور مجاہد کہتے ہیں۔ القسطاس العدل بالرومية لفظ قسط کی مناسبت سے قسطاس کے معنی بیان کر دیئے۔ قسط کے معنی تو ہیں ہی انصاف کے، عدل کے، مجاہد کہتے ہیں کہ قسطاس کے معنی بھی یہی ہیں۔

وزنوا بالقسطاس المستقیم وزن کرو درست انصاف کے ساتھ، اچھے انصاف کے ساتھ

اور لفظ رومیہ سے شبہ نہ ہو کہ قرآن تو عربی ہے لفظ رومی کہاں سے آ گیا۔

قرآن کریم میں عربی زبان کے علاوہ اور زبانوں کے الفاظ بھی موجود ہیں

نہیں بھائی قرآن کے اندر لفظ رومی بھی ہیں، لفظ فارسی بھی ہیں، لفظ ہندی بھی ہیں

مگر وہ عرب کے استعمال میں کثرت سے آئے تو فصیح وبلیغ ہو گئے۔

تو لفظ قسطاس یہ لفظ رومی تھا، مگر عرب میں کثرت سے استعمال ہو گیا۔ اور کثرت استعمال سے لفظ فصیح وبلیغ ہو جاتا ہے۔

جیسے حصب جہنم آپ نے پڑھا ہو گا، لغت حبشی ہے۔ عرب میں استعمال کثرت سے حصب کہتے ہیں ایندھن کو۔

ایسے ہی سجین آپ نے پڑھا ہے سورۃ الفیل کی تفسیر میں۔

قال ابن عاص سنگ گل۔ یہ سنگ وگل کا معرب ہے

ایسے ہی کافور، یہ کپور کا مادہ ہے۔ کپور ہندی لفظ ہے، ہندوستان کی پیداوار ہے کافور یہیں سے گیا عرب میں ہندی کپور کہتے ہیں۔ زبان عربی نے اس کو کافور کر دیا۔ کافور فصیح لفظ ہے، بلیغ ہے۔

ایسے ہی قرنفل-----------

ے ریح الصباجات بری القرنفل

امرأ لقیس بڑا فصیح وبلیغ شاعر ہے اس نے قرنفل استعمال کیا ہے۔ اور قرنفل کہتے ہیں لونگ کو۔ اس کی اصل کیا تھی؟ قرن پھول، قرن پھول کا بنایا ہے قرنفل اور قرن پھول ہوتا ہے کان میں پہننے کا زیور یہ اس کے مشابہ ہے۔ لونگ اس کے مشابہ ہے تو قرن پھول کو قرنفل کہیے۔ مگر فصیح ہے کثرت استعمال کی وجہ سے توجب کہ لغت عرب کسی زبان کے لفظ کو اپنے اندر شامل کر لے، اور کثرت سے اس کا استعمال ہو جائے تو فصیح ہو جاتا ہے۔

لفظ القسط کی لغوی وصرفی تحقیق

اب بتلاتے ہیں کہ یہاں پر دو لفظ ہیں اَلْقِسط، اَلْقِسط، قسط کا اسم فاعل باب مجرد سے نہیں آیا، باب مجرد سے قاسط جو ہے وہ اسم فاعل ہے قسط کا اور قسط کہتے ہیں ظلم کو اور قاسط کہتے ہیں

ظالم کو۔

القسط کا اسم فاعل باب افعال سے آتا ہے "المقسط"۔ یہ اشتقاق کبیر ہے، صغیر نہیں ہے یہ نہیں کہہ سکتا صرفی کہ قسط مصدر ہے مقسط کا مقسط کا مصدر ہے الاقساط "نہیں" مطلب یہ ہے کہ معنی کے لحاظ سے مقسط کا مصدر القسط ہے۔ اس واسطے کہ آپ اگر القاسط کہیں گے، وہ معنی میں عادل کے نہیں، باب مجرد سے القاسط معنی ظالم کے ہیں، وہ فاعل ہے قسط کا، اس کا فاعل باب مجرد سے نہیں آتا۔ باب افعال سے آتا ہے المقسط۔ حق تعالیٰ کے نام میں المقسط الجامع الغنی المغنی مقسط عادل اور منصف۔ واما القاسط فھو الجائر

اس کے بعد بیان کرتے ہیں حدیث

رجال حدیث پر محدثانہ کلام

حدثنا احمد بن اشکاب، محدثین میں محمد بن اشکاب بھی ہے، علی بن اشکاب بھی ہے۔ اور احمد بن اشکاب بھی ہے، مگر یہ بھائی نہیں اتفاق سے ان کے باپ کا نام اشکاب ہے اور احمد، محمد علی یہ بھائی نہیں ہیں آپس میں۔ ہیں محدث،

وہ روایت کر رہے ہیں کہ محمد بن فضیل بن غزوان سے وہ عمارہ ابن قعقاع سے۔ وہ ابو زرعہ سے۔ یہ ابو زرعہ راوی وہ نہیں ہیں جو احمد بن حنبل کے ہم عصر ہیں وہ متاخر ہیں یہ تابعی کبیر ہیں، یہ جریر بن عبد اللہ بجلی کے اولاد میں ہیں، ان کے پوتے ہیں غالباً اور یہ حدیث صحیح ہے مگر غریب ہے، محمد بن فضیل تنہا راوی ہیں عمارہ ابن قعقاع سے عمارہ ابن قعقاع تنہا راوی ہیں ابو زرعہ سے، وہ تنہا راوی ہیں، ابو ہریرہ سے، محمد فضیل سے غرابت شروع ہو گئی۔ مگر یہ حدیث صحیح ہے۔

اس لئے کہ رواۃ تمام ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث فقط ابو ہریرہ سے مروی نہیں ہے اور صحابہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی متابعت تو نہیں موجود اگر متابعت ہوتی تو یہ غربت نہ رہتی۔ ہاں شواہد موجود ہیں۔

شاہد وہ حدیث ہے، جو ایک حدیث کے معنی میں ہے مگر راوی صحابی دو ہیں، یا تین ہیں کئی صحابہؓ سے روایت ہے یہ حدیث۔ وله شواهد كثيرة اور اس کے شواہد ہیں۔ اور شاہد نہ بھی ہوں تو سند صحیح ہے۔ راوی تمام ثقہ ہیں۔

الفاظ حدیث

﴿قال النبی صلی الله علیه وسلم كلمتان حبيبتان الى الرحمن خفيفتان على اللسان ثقيلتان فی الميزان سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم۔﴾

”دو بول ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں، اور زبان پر ہلکے ہیں پڑھنے میں آسان ہیں، مگر میزان کے اندر بھاری ہیں، میزان عمل کے اندر بہت بھاری ہیں۔

صفت رحمانی لانے کی وجہ

سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم یہاں حق تعالیٰ کے ناموں میں سے صفت رحمٰن کو لایا گیا، دو وجہ سے ایک تو وزن قافیہ رحمان، لسان، میزان، سب کا قافیہ ہے دوسرے اس واسطے کتنے عمل قلیل پر کتنا اجر کثیر یہ غایت رحمت ہے۔ دو بول ہیں ہلکے جن کا پڑھنا آسان ہے مگر اللہ کو محبوب ہیں، اللہ کو پسند ہیں، اور میزان عمل کے اندر اس کا وزن بہت ثقیل ہے، بہت بھاری ہے۔

آپ نے پڑھا ہے حدیث میں سبحان الله تملأ نصف الميزان نصف میزان کو بھر دیتی ہے سبحان اللہ، یہ رحمان کو محبوب کیوں ہیں؟ اس واسطے کہ حق تعالیٰ اپنی تعریف کو پسند کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ سے بڑھ کر تعریف کا چاہنے والا کوئی نہیں۔

حدیث میں آتا ہے اللہ سے زیادہ عذر کو ظاہر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اسی واسطے

انبیا کو بلا حساب کے لے جائے گا تاکہ عذر باقی نہ رہے، اور اللہ سے زیادہ تعریف کو پسند کرنے والا کوئی نہیں، اسی لئے اپنی تعریف کرتے ہیں، اور اسی لئے آپ کو پیدا کیا تاکہ اللہ کی تعریف کریں، اللہ کی حمد و ثنا کریں۔

تمھارے واسطے عیب ہے تعریف کا چاہنا اور تمھارے لئے عیب ہے تکبر کرنا اللہ کے لئے ہے الکبریاء ردآئی والعظمة ازاری۔ اسی کے لئے کبریا عین کمال ہے اسی کے لئے ہے مدح کو چاہنا، حمد کو چاہنا عین کمال ہے، اس لئے کہ وہ قابل حمد ہے، حمد اسی کے لئے ہے اور جتنے بھی ہیں وہ مجازاً قابل حمد ہیں، وہ تعریف اس کی نہیں، تعریف اس کے بنانے والے کی ہے ؎

کہ باشد آں نگارا کہ بندگی نگارد
کہ جس نے ایسے ایسے بنا دیے حسین وہ خود کیسا؟

تو بتلا دیا کہ جتنی تعریفیں ہیں سب میرے لئے، سب میرے بنائے ہوئے ہیں، سب مخلوقات ہیں، اور مخلوق کی تعریف درحقیقت خالق کی تعریف ہے۔

------------------ اور حق تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کی تعریف کرے۔

صفات کی دو قسمیں

اور تعریف کے اندر یہ دو کلمے بڑے جامع ہیں سبحان الله وبحمده کیونکہ صفات دو قسم پر ہیں۔ ایک صفات سلبی، ایک صفات وجودی ایک جلالی ایک صفات جمالی۔ "سبحان اللہ" یہ تمام صفات سلبیہ کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے سب عیبوں سے، اس میں کوئی عیب نہیں۔

فرمایا لا شریك له اس کا کوئی شریک نہیں۔ لا ندله اس کی کوئی نظیر نہیں کوئی مقابل نہیں، لیس کمثله شئی اس کی مثل کوئی چیز نہیں، اور لا کفوله اس کا ہمسر اس کے برابر کوئی نہیں، تو سبحان اللہ میں تمام تنزیہات آگئیں۔ اللہ سب عیبوں سے پاک ہے۔

والحمد هو الثناء علی الجمیل اچھی بات پر تعریف کرنا یہ حمد ہے۔ تو صفات

جمال صفات کمال سب کو شامل ہے بحمدہ

اور بحمدہ کا حروف جر جو ہے بأیہ متعلق محذوف کے ہے۔ جیسا کہ سبحان اللہ یہ مفعول مطلق ہے فعل مقدر کا نسبح الله سبحانه

ایسے ہی بحمدہ کا حرف جر یہ متعلق محذوف کے ہے نحمده ، نسبح الله سبحانه ونحمده و بحمده، یہ واوٴ عاطفہ لائی گئی اسی واسطے، کہ ہم اللہ کو پاک سمجھتے ہیں سارے عیبوں سے اور موصوف سمجھتے ہیں تمام کمالات سے۔

اس کی حمد کرتے ہیں اسکے افعال جمیل پر، اس کے اقوال جمیل پر، اس کی صفات جمیل پر۔ تو صفات جلال وہ ہیں جس کو سبحان اللہ شامل ہے۔ اور صفات جمال کو بحمدہ شامل ہے۔

اسی واسطے حدیث میں آتا ہے فقط سبحان اللہ وبحمدہ کے -------- دن میں سو مرتبہ پڑھنے سے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

صغائر اور کبائر کی تقسیم حق تعالیٰ کی عنایت ہے

ولو كان مثل زبد البحر اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، مگر مراد صغائر ہیں اس واسطے کہ کبائر بلا توبہ کے معاف نہیں ہوتے، ہاں صغائر معاف ہو جاتے ہیں اور ہمارے پاس کیا صغائر تھوڑے ہیں؟ یہ صغائر، کبائر بھی حق تعالیٰ کی عنایت ہے کہ دو قسمیں کر دی ہیں گناہوں کی۔ ورنہ نافرمانی چھوٹی بھی ہو نافرمانی ہے۔ کیا صغیرہ اور کیا کبیرہ۔ مگر اس کی عنایت ہے، مہربانی ہے کہ کچھ گناہوں کو کبائر قرار دیا اور کچھ کو صغائر یعنی مقدمات حرام وہ صغائر کہلاتے ہیں۔ فعل حرام وہ کبیرہ ہیں، جھوٹ بولنا کبیرہ ہے اور بہت بولنا بک بک کرنا یہ صغیرہ ہے۔ اس لئے کہ بکواس سے ہی جھوٹ کی طرف پہنچ جاتا ہے ماسلم مكثار بہت بولنے والا نہیں بچتا ہے خطا سے، لغزش سے، جھوٹ سے کتنی شریعت نے سکوت کی تعریف کی ہے سکوت کی ترغیب دی ہے کہ زیادہ نہ بولو زیادہ خاموش رہا کرو، ضرورت سے بولو سمجھ کر بولو، مايلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد انسان کوئی بات نہیں بولتا ہے مگر اس کے پاس تیار ہے لکھنے والا نگہبان۔

صغائر اور کبائر کی تعریف

تو اکثر یہ ہے کہ مقدمات حرام وہ صغائر کہلاتے ہیں اور جو حرام قطعی ہے نفس کے اندر وہ کبائر ہے۔ زنا حرام قطعی

﴿ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة كان خطأ كبيرًا﴾

بڑا گناہ ہے فاحشہ ہے، اور اس کے مقدمات نظر کرنا، نامحرم کو دیکھنا یہ صغائر ہیں جو مفتی ہو جاتا ہے اس کی طرف۔

پردہ پر اعتراض کے مسکت جواب

اور آج کل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب پردہ اُٹھادو اور دلیل کیا ہے کہ مسلمانوں کی قوم عورتوں کے پردہ کی وجہ سے ایک پہیہ پر چل رہی ہے اور دوسری قوم دو پہیے پر چل رہی ہے۔ ان کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور تمھاری کا ایک پہیہ مرد کام کرتا ہے عورتیں پردہ میں ہیں وہاں مرد بھی کام کر رہے ہیں عورتیں بھی کام کر رہی ہیں۔

ارے اللہ کے بندو تین چار سو برس پہلے کی تاریخ پڑھو۔ مسلمانوں کی گاڑی ایک ہی پہیہ پر چلتی تھی اور دنیا پر بھاری تھی اور یہ دو پہیے پر چلنے والے تمھارے ماتحت تھے۔ تم سے مرعوب تھے، مغلوب تھے، تمھارے اسلاف نے کب پردہ اُٹھایا تھا حضرت عائشہؓ جب جنگ جمل میں آئی تھیں تو ---------- پردہ میں تھیں، بے پردہ نہیں تھیں حالانکہ ماں تھیں اُم المومنین سب مسلمانوں کی ماں تھیں ماں سے پردہ نہیں، مگر حضور نے حکم دیا اپنی بیبیوں کو کہ گو تم ماں ہو امت کی مگر پردہ کرو۔

حضرت عائشہؓ جنگ میں شریک ہیں قائد حرب ہیں مگر پردہ میں حودج کے اندر اور تقریر کر رہی تھیں اور جب تک وہ تقریر کرتی رہیں حضرت علیؓ کی بہادری اور تلوار بے کار رہی،

تو فرمایا کہ جب تک ان کا اونٹ کھڑا رہے گا اور تقریر کرتی رہیں گی ہم غالب نہیں آ سکتے اونٹ کو بٹھلاؤ اونٹ بیٹھ جائے ان کی آواز نہ پہنچے لشکر میں تو غالب آئیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اونٹ پر تیر پھینکے گئے حضرت عائشہؓ کے اوپر بھی اونٹ پر تیر مارے گئے پکے نشانے والے تھے نشانہ صحیح لگا اونٹ ہی کو لگا۔ دوسری طرف نہیں، اونٹ بیٹھ گیا ان کی آواز نہیں پہنچی چنانچہ پھر حضرت علیؓ غالب آئے اور یہ واقعہ تاریخی بڑا مبسوط ہے کہ جنگ کیوں ہوئی۔

دراصل یہ تباہی قوم کو ہمیشہ پریشان کرتی رہی۔ مسلمانوں میں اسی نے جنگ کرائی۔ ورنہ ان حضرت نے کوئی عداوت نہیں کی دشمنی نہیں کی۔

جنگ جمل کا تاریخی پس منظر

ایک مطالبہ تھا حضرت علیؓ مان گئے صلح ہو گئی اب اس صلح کی تکمیل ہوئی رات کے بعد صبح کو رات کا معاملہ طے ہو گیا۔ یہ قبائل قاتلان عثمانؓ یہ سمجھے تھے کہ اگر صبح ہو گئی ہم مارے گئے۔ مطالبہ یہ تھا کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے، سزا دی جائے۔ صبح سے پہلے انھوں نے رات ہی کو حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کی فوج وہ سمجھی کہ حضرت علیؓ نے صلح تسلیم نہیں کی ان کو جواب دو۔ جواب دیا گیا۔

حضرت علیؓ سمجھے کہ حضرت عائشہؓ کو صلح منظور نہیں۔ جنگ ہو گئی بے خبری کے اندر بعد میں معلوم ہوا کہ ساری شرارت تھی تباہیوں کی اپنے آپ لڑ کے ایک طرف ہو گئے یہاں جنگ شروع ہو گئی، سب کو غلط فہمی ہوئی۔ بہر حال دشمنی کچھ نہیں تھی عدوات کچھ نہیں تھی۔ بس یہ مطالبہ تھا کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے ان کو سزا دی جائے ان سے قصاص لیا جائے۔ جو قاتل ہیں ان کو مارا جائے جو قتل میں شریک نہیں ہیں مشورے میں شریک ہیں ان کو سزا دی جائے، جیل کیا جائے۔

یہ مطالبہ تھا۔ یہ سراسر دین تھا۔ حضرت علیؓ مان گئے تھے کہ ہاں ایسا ہو گا مگر میری

خلافت نئی نئی تھی لہذا میں نے جلدی نہیں کی۔ اب تم مطالبہ کرتے ہو تم میرا ساتھ دو میں انھیں گرفتار کروں گا۔ بات طے ہو گئی، صلح ہو گئی۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پردہ کے اندر ہمیں ترقی تھی۔ ہماری امہات المومنین نے پردہ کیا اور بڑے بڑے کارنامے کیئے پردہ کے اندر آپ کیا کہیں گے؟ کہ پردہ اُٹھے اور پردہ اُٹھ جائے گا تو دو پہیے کی گاڑی چلے گی۔ ارے بے وقوفو چار سو برس پہلے ایک ہی پہیہ پر گاڑی چل رہی تھی اور کامیاب تھی۔ کیوں؟ تم مسلمان تھے۔ اللہ تمھارے ساتھ تھا تو اللہ کی مدد اور نصرت تمھارے ساتھ تھی۔

پردہ ختم کرنے کی خرابی

یہ گفتگو کہاں سے شروع ہوئی گئی تھی؟ مقدمات حرام صغیرہ ہوتے ہیں نظر ڈالنا نامحرم کو دیکھنا یہ مقدمہ زنا ہے۔ اس لئے منع کیا شریعت نے اب لوگ چاہتے ہیں کہ پردہ اٹھا دو تو کیا ہو گا؟ اگر پردہ اُٹھ گیا تو لاکھوں نگاہیں زنا کریں گی نامحرم کو دیکھنا اور ان سے چھیڑ چھاڑ بھی کرتے ہیں غنڈے لوگ تو یہی اعلان کرتے ہیں کہ صاحب پردہ اُٹھا دو تاکہ دو پہیے پر گاڑی چلے۔

پردہ کس لئے ہے

ارے بے وقوفو پردہ اس واسطے نہیں ہے کہ ہماری عورتیں بد چلن ہیں بلکہ پردہ اس لئے ہے کہ ہماری عورتیں قیمتی ہیں اور قیمتی شی کو رکھتے ہیں محفوظ تجوری کے اندر۔ کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ اپنے مرغ اٹھا کر چل دو لوگ ڈال رکھتے ہیں تجوری میں چھپا کر۔ نوکر کو دیکھتے ہیں کہ کتنا روپیہ ہے۔ کیوں چھپاتے ہیں کہ دیکھو یہ قیمتی شی ہے اس کے چور بہت ہیں۔ ایسے ہی عورت قیمتی چیز ہے اس کے چور بہت ہیں اس لئے چھپاتے ہیں

جو عورت پردہ میں رہے گی وہی عورت کہلانے کی مستحق ہے

العورۃ ما یستر کہ عورت وہ ہے جو چھپائی جائے۔ عورت کا لفظ ہی بتا رہا ہے لغت عرب کے اندر کہ عورت چھپانے کی چیز ہے۔ یہ عورت ہے اور جو عورتیں باہر پھرتی ہیں بے پردہ وہ عورت نہیں ہیں۔ وہ مردانی ہیں وہ عورتیں کہاں ہیں؟ گھر کی خدمت گھر کا کام کاج وہی کرے گی جو پردہ میں رہتی ہے اور جو بے پردہ ہے وہ گھر کا کام نہیں کرے گی وہ کہے گی خان سامہ کو۔ خان سامہ کھانا پکائے ملازم کھانا پکائے۔

مگر جو لوگ شریف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خان سامہ اور ملازم کے ہاتھ میں کھانے کی لذت نہیں ہے جو لذت کہ اپنی بیوی کے ہاتھ میں ہے۔ جو عورتوں کے ہاتھ میں ہے وہ خان ساموں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مگر آج کل لوگ بے حس ہو گئے ہوٹلوں میں کھاتے ہیں انھیں پتہ ہی نہیں کہ عورت کے ہاتھ میں کیا لذت ہے۔ مرد کے ہاتھ میں کیا ہے جو عورتیں پردہ میں رہتی ہیں وہ گھر کو سنبھالنے والی ہیں وہ گھر کی ملکہ ہیں بادشاہ ہیں یہ غلط کہا جاتا ہے کہ صاحب گھر میں قید کر کے قیدی بنادیا "ہرگز نہیں" مسلمانوں کے گھروں میں عورتیں بادشاہت کرتی ہیں۔ مرد باہر کا ملازم ہے باہر کا کام کرتا ہے۔ وہ گھر کی بادشاہ ہیں۔ گھر کے کام میں دخل نہیں دیتا مرد۔ گھر کا نظام یہ جانتی ہیں وہ نہیں جانتا۔ اس کی عصمت اور اس کی عزت اسی میں ہے۔

خواتین میں علم دین کا چرچا اور بہادری

ہمارے بزرگوں نے عورتوں کو گھر میں رکھ کر تعلیم دی ہے۔ تاریخ پڑھو بڑی بڑی محدثہ بڑی بڑی حدیث دان اور فقیہہ بہت عورتیں ہیں۔ اسماء الرجال کے اندر عورتوں کا باب الگ ہے بڑی بڑی محدث ہیں۔

اور خوبی یہ ہے ما علمنا فی النسأ من سرقت او ا تہمت ----- علامہ ذہبی کہتے

ہیں مردوں کے اندر تو بعضے راوی متہم بھی ہیں متروک بھی ہیں عورتوں میں کوئی راوی متروک نہیں متہم نہیں اماثقة او مستورة بڑی بڑی محدث عورتیں ہیں۔ ہمارے پاس جو سند ہے موطا محمدؒ کی اس میں زینت قریشیہ محدث ہیں۔ علامہ زمخشری کو سند دی ہے موطا کی علامہ زمخشری ان کے شاگرد ہیں بڑی بڑی عورتیں ہوئیں مگر وہ اسکول کی پڑھی ہوئی نہیں تھیں۔

بات یہ ہے کہ باپ، بھائی جو پڑھتے تھے اور عورتیں پڑھتی تھیں اپنے باپ کے ہاں بھائی کے ہاں، شوہر پڑھتا تھا بیوی کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ اب آج کل میاں چاہتے ہیں کہ ہم تو رہیں جاہل بیوی ہو بی۔اے۔

ارے بھائی اگر تم بیوی کو بی۔اے کرنا چاہتے ہو تم پہلے بی۔اے ہو بی۔اے بن کر پھر پڑھاؤ یہ تو خود جاہل رہیں گے اور بیوی صاحبہ بی۔اے ہو جائے۔ ہمارے ایک دوست جج ہیں ان کی لڑکیاں بی۔اے ہیں۔ مگر گھر میں رکھ کر پڑھایا، امتحان دلوایا۔ امتحان میں پردہ میں گئیں امتحان دیا مگر پڑھایا خود۔ انھوں نے اپنے آپ کو نہایت ہی پردہ کے اندر کیونکہ بی۔اے تھا بہت قابل تھا اب خود تو چاہتے ہیں کہ آرام سے رہیں اور لڑکیاں بی اے ہوں "یہ نہیں" خود آپ ہتھیار چلانا سیکھیں بندوق کا نشانہ سیکھیں، بندوق چلانا سیکھو، ہنر جنگ سیکھو، اور گھر میں سیکھاؤ لڑکیوں کو۔

ایک تحصیل دار کا واقعہ

ہمارے ایک تحصیل دار تھے سات لڑکیاں تھیں قریب قریب ان کی سات لڑکیاں اور ساتوں بندوق باز اور بندوق کا نشانہ باز تھیں تو جس محلہ میں رہتی تھیں وہاں چوری نہیں ہوتی تھی چور کانپتے تھے جہاں ذرا خطرہ ہوا وہیں فوراً فائر کر دیا تحصیلدار کی لڑکیاں تھیں۔ تو طریقہ یہ ہے تم تعلیم حاصل کرو دینی بھی دنیوی بھی اور وہ سکھلاؤ دوسروں کو لڑکی کو اپنی بیوی کو۔ حضرات صحابہؓ نے اپنی بیویوں کو سب سکھایا۔ اپنی بیٹیوں کو سب کچھ سکھلایا مگر مدرسہ میں نہیں گھر میں سکھلایا نہ اسکول تھے نہ کالج ذرا تاریخ پڑھ کر دیکھو بڑی تلوار چلانے والی بڑی نشانہ باز تیر انداز بڑی بہادر عورتیں تھیں

فتوحات شام میں بڑے کام کیے مگر پردہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہیں نقاب پڑا ہوا ہے اور تلوار چلا رہی ہیں۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے پابندی شریعت کے ساتھ چار سو برس پہلے کی تاریخ پڑھو تمھاری عورتیں دیندار تھیں پاک دامن تھیں عفیف تھیں گھر کی رہنے والی تھیں۔ نامحرم نے کبھی ان کا چہرہ دیکھا نہیں مگر بڑی کامیاب تھیں اور خیر و برکت تھی۔ آج تم نے پردہ اُٹھا دیا ہے کیا ہوا؟ بے چینی، بے اطمینانی، پریشانی اس لئے فرماتے ہیں۔ اس حدیث پر ختم کرتے ہیں کتاب کو کہ یہ دو بول ہیں رحمان کو محبوب ہیں۔ محبوب کیوں؟ اس واسطے کہ اسمیں اللہ کی تعریف ہے۔ بڑی تعریف ہے اور زبان پر ہلکے ہیں ہلکے ہلکے لفظ ہیں صاد نہیں ہے طا نہیں ہے قاف نہیں ہے ضاد نہیں ہے ہلکے ہلکے الفاظ ہیں بولنا آسان ہے بچوں کو بھی بڑوں کو بھی عورتوں کو بھی مردوں کو بھی مگر میزان عمل کے اندر بھاری ہیں اس واسطے کہ اللہ کی حمد و ثنا کامل ہے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یہ تو آخر کا ثواب ہے کہ میزانِ عمل کے اندر بہت بھاری ہیں اور سبحان اللہ و بحمدہ کافی تھا اس کے بعد سبحان اللہ کا پھر تکرار ہے اس واسطے کہ انسان نے خطاء کی ہے غلطی کی ہے صفات سلبیہ کے اندر صفات کمال میں غلطی کم کرتے ہیں۔ صفات سلبیہ میں غلطی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے شریک میں لاشریک نہیں کرتے.......... اور اللہ نے اس بندے کے حوالے کر دیا ہے کام یہ بھی کرتا ہے اس کے بندے خاص کرتے ہیں ہندو کہتے ہیں رام کرشن کے........ حوالے خدا نے کیا اور علم کی دیوتی الگ ہے........ روزی کی دیوتی الگ ہے........ کالی دیوتی الگ ہے.......... وہ سمجھتے ہیں کہ خدا خود سارے کام نہیں کر سکتا وہ تھک جائے گا نہیں" ولا یؤدہ حفظھما اے اللہ تو نہیں تھکتا آسمان و زمین کے سنبھالنے سے بھی آسمان و زمین کتنی بڑی چیزیں ہیں شمس و قمر، چاند سورج کتنی بڑی چیزیں ہیں۔ ان کو سنبھالنے سے وہ نہیں تھکتا افعیینا بالخلق الاول کیا پہلی بار پیدا کر کے ہم تھک گئے؟ "نہیں" اس کو تھکان نہیں ہے اس کو اونگھ نہیں ہے۔ اس کو نیند نہیں ہے تو صفات سلبیہ میں غلطی کرتا ہے انسان اس واسطے تسبیح کو بار بار لایا گیا ہے قرآن کے اندر بھی حدیث کے اندر بھی یہاں بھی سبحان اللہ کر رہے ہے سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ آپ قرآن کا مطالعہ کریں گے تو تسبیح کا بہت امر ہے اور تسبیح کا بہت اہتمام ہے۔

﴿سبحان الله سبحانك هذا بهتان عظيم، سبحان الذی اسری بعبده لیلا، فسبح بحمد ربك و استغفره، سبح اسم ربك الاعلی سبح باسم ربك العظیم﴾

تسبیحات کا بہت ذکر ہے اس واسطے کہ اس میں غلطی کرتے ہیں بہت لوگ حق تعالیٰ نے صفات سلبیہ پر بہت زور دیا ہے اللہ کو سب عیبوں سے پاک ہونا چاہیے اس کے برابر کوئی نہیں لیس کمثله شئی وهو السمیع البصیر اس کے مانند اس کی مثال کوئی نہیں ہے وہ تھکتا نہیں ہے، وہ سوتا نہیں ہے، وہ عاجز نہیں، کمزور نہیں، وہ قادر ہے اور سب کا خالق ہے سب مخلوقات ہیں سب کا مالک ہے سب مملوک ہیں سب کا رب ہے۔ سب بندے ہیں اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی کام کو کسی کے حوالہ کر کے بیٹھ جائے۔ ”نہیں“ وہ کام لیتا ہے اور کام کراتا خود ہے فرشتے کام کرتے ہیں وہ کیسے کرتے ہیں؟ اللہ کی مشیت سے اللہ کی مرضی سے بلا اس کی مشیت کے بلا رضا کے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ بہر حال سبحان الله العظیم صفت عظیم کو بڑھادیا اس واسطے کہ یہ جامع ہے تسبیح کو بھی حمد کو بھی۔ عظیم وہی ہے جو سارے عیبوں سے پاک ہے اور سارے کمالات سے متصف وہی صاحب عظمت ہے حدیث میں آتا ہے کہ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم کے ساتھ میں ایک جملہ استغفر اللہ کا بڑھادو اور سو دفعہ اس کو پڑھو سورج کے غروب ہونے سے پہلے تو فقر وافلاس کو دور کر دے گا۔

فقر وفاقہ کا علاج

ایک صحابی نے شکایت کی آپ نے یہ تعلیم دی کہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم استغفرا لله سو مرتبہ وہ ایک دو ہفتے گزرنے کے بعد آئے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے اتنا دیا ہے کہ رکھنے کی جگہ نہیں۔ وہ صحابی تھے

اور وہ ہر بات کے اوپر یقین کرنے والے تھے۔ یہی صفت یقین ہم میں کم ہو گئی ہے۔ اب نہیں سمجھتے کہ تقویٰ سے برکت ہو گی تقویٰ سے ترقی ہو گی اب تو سمجھتے ہیں جھوٹ بول کے رشوت سے سود سے ترقی ہو گی۔ اللہ کی بات پر یقین نہیں رہا۔

﴿یمحق الله الربی و یربی الصدقات﴾

اللہ تعالیٰ ربوا یعنی سود مٹاتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی مسلمان کو ترقی اس سے نہیں ہوتی۔ اس کو ترقی ہوتی ہے زکوٰۃ سے عشر سے۔ صدقات سے، وقت نہیں ہے ورنہ میں واقعات سے آپ کو سمجھاتا میرے سامنے واقعات ہیں کہ سود بند کیا رشوت بند کی اور زکوۃ دینا شروع کی اور ایک سال بعد معلوم ہوا کہ بڑی برکت ہے بڑی ترقی ہے مال کے فریضہ کو ادا کیا اور ایک سال بعد نیا گاؤں خرید لیا حالانکہ .... سود بھی تھا رشوت بھی تھی صدقہ کا روپیہ بھی تھا حرام کمائی بہت تھی اس نے سب بند کر دی اور زکوٰۃ دینا شروع کی اب حیرت ہوتی ہے کہ آمد تو کم ہے گھر سے نکلنا شروع ہو گیا ہے مگر سال بھر کے بعد معلوم ہوا کہ اتنی برکت ہے ایک گاؤں خرید لیا اور جو لوگ اللہ پر بھروسہ کر کے زکوٰۃ دیتے ہیں عشر دیتے ہیں ایک سال کے بعد دیکھو تو واقعی برکت ہے وہ برکت یہ نہیں کہ سو سے دو سو ہو گئے "نہیں" جتنا روپیہ حلال کا ہے وہ تم کو لگتا ہے چوری نہیں جاتا حرام خور کے نوکر بھی حرام خور ہوتے ہیں بہت چراتے ہیں وہ خود کہتے تھے رئیس کہ میرے باپ کے زمانہ میں مجھے معلوم ہے کہ غلہ پہلے پہنچتا تھا منشی کے مکان پر پھر ہمارے گھر پہنچتا تھا اور جو چیز پیدا ہوتی تھی پہلے منشی کے ہاں اور اس کے حوارین کے ہاں پھر ہمارے گھر پہنچتی تھی تو برکت کیسی ہوتی؟ منشی چور اور منشی کے حوارین بھی چور اور جب زکوٰۃ دینا شروع کی منشی میرا دیندار اور دیانتدار ہے ہر چیز میرے مکان پر پہنچاتا ہے۔ پہلے بہت آدمی آتے تھے دعوتیں کھاتے جب دیکھا انھوں نے سود چھوڑ دیا ہے آمدنی کم ہو گئی ہے لوگوں نے آنا کم کر دیا ہے۔ جان بچی لاکھوں پائے۔ یہ روز کی چائے روز کے ناشتہ کرنے والے ختم ہیں اور پھر یہ ہے کہ جو شخص نیک ہو گا زکوٰۃ دینے والا نماز پڑھنے والا وہ سوسائٹی بھی اچھی رکھے گا نیک لوگوں سے ملے گا نیک لوگ اس کی چائے پئیں بسکٹ کھائیں وہ سگریٹ کے عادی نہیں ہوتے وہ نیک کاموں کے عادی ہوتے ہیں نیک کاموں کے لئے بلاتے ہیں نیک کاموں میں شریک ہوتے ہیں

یہ فضول ملنے والے چائے پینے والے وہ ختم ہیں یہ خرچ کم ہوا بیماری کم ہو گئی۔ باپ کے زمانہ میں روز ڈاکٹر کھڑا ہوا ہے سود کمارہا ہے۔ ادھر ڈاکٹر کھارہا ہے اس کو کم لگتا ہے گھر میں بیماری ہے آج بچہ بیمار ہے کل کو پوتا بیمار ہے پرسوں کو نواسہ بیمار ہے تو گھر سے ڈاکٹر غائب ہی نہیں ہوتا اب وہ کہتے ہیں کہ میرے گھر کے اندر اس سال کے اندر ڈاکٹر ایک دفعہ آیا اور بس۔ تو ساری حرام کی آمدنی ہی جاتی ہے تو مسلمان سمجھ لیں کہ مسلمان کو ترقی ہوتی ہے اللہ کے راستے پر چلنے سے اور اللہ کی باتوں پر یقین کرنے سے یقین کرو اس کے اوپر یمحق اللہ الربی و یربی الصدقات مسلمان قرآن پڑھتا ہے قرآن کی آیت سامنے ہے یمحق اللہ الربٰی (سود) کو مٹاتا ہے صدقات کو خیرات کو بڑھاتا ہے اور وہ کیسے بڑھاتا ہے ؟ اس کو دیکھنا ایک سال دو سال کے بعد آپ کا بچہ بڑھتا ہے روز اگر ناپو نہیں معلوم ہوتا .... ایک سال مت ناپو ایک سال کے بعد دیکھنا بچہ کو ہاں ماشاء اللہ اب قد بڑھ گیا ہے۔ اگر روز دیکھو گے روز ناپو گے نہیں مانتے۔ روز مت دیکھو کہ کتنی برکت ہوئی ایک سال دو سال گذر جائیں پھر دیکھو کہ زکوٰۃ سے خیرات سے کتنی برکت ہوئی وہ برکتیں یوں ہوتی ہیں کہ مال چوروں کے ہاتھ نہیں جاتا ملازم چوری نہیں کرتا۔ ڈاکٹروں کے ہاتھ بھی نہیں جاتا تمھارے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اگر حرام کماؤ گے تو روز ڈاکٹر ہیں نوکر بھی چور ہیں حرام خور ہیں کیونکہ آپ نے حرام کمایا حرام کھلا رہے ہیں۔ حرام کھلا کر کے حرام خور انھوں نے نہیں بنا؟ حلال کماؤ حلال کھلاؤ تو حلال خور ہوں گے۔ تو صحابہؓ کو یقین تھا اس لئے وہ ایک دو ہفتہ کے بعد آئے ابن عبد اللہ کے بڑی برکت ہے اتنا مال ملا کہ رکھنے کی جگہ نہیں اور ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے

﴿سبحان اللہ والحمد للہ ولاالہ الا اللہ و اللہ اکبر و لا حول ولا قوۃ الا باللہ﴾

یہ کیمیائے درویشاں ہے درویش کی کیمیا ہے سو مرتبہ ہر نماز کے بعد میں پڑھتا رہے انشاء اللہ دیکھے گا کئی دنوں کے بعد برکت ہی برکت ہے ترقی ہی ترقی ہے ہاں بشرطیہ کہ اعتقاد درست ہو۔ اب اللہ کے رسول کی باتوں پر یقین نہیں ہے تو بزرگوں کی باتوں پر کیا یقین ہوگا۔ یہ کیمیائے درویشاں ہے ہمارے اللہ والے یہی بتلایا کرتے تھے اور آپ پڑھ چکے حدیث کے اندر آپ (ﷺ) کی بیٹی

حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی کہ چکی پیسنے سے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں میرے کپڑے میلے ہوتے ہیں جھاڑو دینے سے، ایک خادم چاہیے آپ گھر پر نہیں تھے۔ حضرت عائشہ سے یہ عرض کر دیا کہ حضور آویں تو یہ پیغام پہنچا دینا کہ صاحبزادی آئی تھی وہ خادم چاہتی تھی۔ آپ تشریف لائے گھر میں فرمایا کہ تم خادم کے لئے گئی تھیں۔ میں تم کو اس سے اچھی شی بتلاتا ہوں صبح کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار۔ الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار یہ پڑھ لیا کرو یہ تم کو خادم سے بہتر ہے یہ معنی نہیں کہ تم کو ثواب ملے گا بڑھ کر "نہیں" خادم سے بہتر ہے یعنی تم کو تھکان نہیں ہو گا۔ دن بھر کی تھکان سے محفوظ رہو گی۔ چین سے سوؤ گی، طاقت آئے گی، قوت آئے گی، چنانچہ صاحبزادی اسی پر راضی ہو گئیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے سنی ہے یہ حدیث میں پابند ہوں عبد اللہ ابن ....وہ پوچھتا ہے اور جنگ صفین میں بھی آپ نہیں بھولے فرمایا کہ بڑا سوال کرنے والا ہے ہاں ہاں جنگ صفین کے اندر بھی میں رات کو نہیں بھولا ساری رات پڑھتا رہا۔ تو حضرات صحابہ اپنے رسول کی باتوں پر ایمان لانے والے تھے، یقین کرنے والے تھے اس واسطے ان کے لئے فائدہ مند ہوتی تھیں آپ بھی اس حدیث پر عمل کیجئے اور اس کو برابر پڑھتے رہیے سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم اور ایک حدیث میں آتا ہے بیہقی کی روایت ہے اور بیہقی نے موضوعات سے روایت بھی کیا ہے بحث ہو سکتی ہے بیہقی کی حدیثوں میں مگر موضوعات میں وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھے میاں حضور نے دیکھا کہ بہت ہی بوڑھے ہیں۔ فرمایا کہ تم نے کیوں تکلیف کی میں خود چلا آتا کہا یا رسول اللہ ﷺ بے ادبی ہے میں خود آ گیا ہمت کر کے فرمایا کہ اچھا ہم تم کو ایسی چیز بتلاتے ہیں جو بڑھاپے میں کام آئے صبح کی نماز کے بعد پڑھ لیا کرو،

﴿سبحان اللہ العظیم و بحمدہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم﴾

العظیم پہلے بحمدہ بعد، ہر صبح کی نماز کے بعد پڑھ لیا کرو۔

اور جنون دماغ فیل ہے یہی باتیں پیش آتی ہیں بڑھاپے کے اندر اور فالج پڑ گیا۔ یا کوڑھی ہو گئے خون میں گرمی پیدا ہو گئی یا اندھے بہرے ہو گئے یا دماغ خراب ہو گیا تو فرماتے کہ اس کو

پڑھتے رہو ہر روز صبح کی نماز کے بعد تو بڑھاپا کے اندر جنون سے جذام سے فالج سے بہرہ پن سے محفوظ رہو گے۔ صحابی کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو دنیا کے لئے ہوا۔ آخرت کے لئے فرمایئے یہ تھے طالبان خدا دنیا کی اتنی بری نعمت ملنے کے بعد بھی پوچھتے ہیں آخرت کے لئے بھی فرمایئے فرمایا کہ اس کے بعد چار جملے اور بڑھا دیا کرو۔

﴿اللهم اهد نی من عندك ، وافض علی من فضلك--------

وانشر علی من رحمتك ، و انزل علی من برکاتك﴾

ساری خیر دنیا کی آخرت کی تم کو مل جائے گی۔ اے اللہ مجھ کو اپنے پاس سے ہدایت کیجئے۔ اللهم اهد نی من عندك ، وافض علی من فضلك اور اپنا فضل یہا دیجئے میرے اوپر وانشر علی من رحمتك اور اپنی رحمت کی ہوائیں چلایئے میرے اوپر وانزل علی من بر کاتك اور اپنی بر کتیں نازل کیجئے میرے اوپر۔ بتا اب کیا چاہتا ہے؟ رحمت بھی ہے برکت بھی ہے ہدایت بھی ہے مغفرت بھی ہے سب کچھ ہے۔ بس ایک بات اور کہنا ہے پھر ختم کرتا ہوں۔

دوستو! اس میں شک نہیں کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے بواسطہ رسول اللہ ﷺ صحیح معیار حق رسول ہیں اور کوئی معیار حق نہیں مگر اس کے کیا معنی ہیں؟ یہ معنی نہیں ہیں کہ صحابہ پر تم تنقید کرنے لگو حضور کی ذات کے سوا کوئی تنقید سے بالا نہیں کوئی تنقید سے بری نہیں ہے۔ مگر یہ معنی نہیں کہ تم تنقید کرو صحابہ پر صحابی تنقید کر سکتا ہے تابعی نہیں کر سکتا ہر شخص کا درجہ ہے جاہل عالم پر تنقید نہیں کر سکتا عالم پر تنقید عالم کر سکتا ہے۔ آپ دیکھئے کہ ایک شخص ڈاکٹر ہے ڈاکٹر کے مشورہ میں عیب نکالنے کا کس کو حق ہے ڈاکٹر کو۔ حکیم کے نسخہ میں تنقید کا حق حکیم کو ہے۔ کسی گھاس کھدے کو نہیں ہے، جاہل کو نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کا علم سب سے بڑا علم ہے۔ وہ رسول ﷺ کے دیکھنے والے ہیں ان پر تنقید کا حق تابعی کو نہیں ہے جس کے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں کہ جس نے کہ جمال دیکھا رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کی بڑی فضیلت ہے یہی تو ہے کہ رسول کا جمال دیکھنے والے ہیں ان کے پاس وہ آنکھیں ہیں جس نے کہ جمال رسول دیکھا ہے جس کے پاس ایسی دو آنکھیں ہوں وہ صحابی پر تنقید کر سکتا ہے تم نہیں کر سکتے یہ صحیح ہے کہ معیار حق رسول ہیں۔ حقیقتاً وہ معیار حق

ہیں اور تنقید سے بالا رسول کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں ہے مگر تنقید کون کرے گا، انبیاء پر تنقید کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے کیونکہ وہ تنقید سے بالا ہیں۔ صحابہ پر تنقید کا حق صحابہ کو ہے تمہیں کسی کو نہیں ہے۔ ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ تمھارے واسطے کیا حکم ہے؟ اقتدوا بالذین من بعدی ابو بکر و عمر اتباع کرو ان دو کا جو میرے بعد ہوں گے ابو بکر اور عمر و علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشیدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ میری سنت کا اتباع کرو اور خلفائے راشدین کی سنت کا واصحابی کالنجوم میرے اصحاب ستاروں کی مثل ہیں فایھم اقتدیتم اھتدیتم جس کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ تمھارے واسطے یہ حکم ہے۔ تمھارے واسطے رسول کا نمونہ صحابی ہیں اس واسطے کہ وہی سننے والے ہیں پہچاننے والے ہیں وہی دیکھنے والے ہیں حضور ﷺ کی آمد کی تمہیں کیا خبر! جو شخص کہ رسول کا صحبت یافتہ ہے آپ کی بات کو سننے والا ہے آپ کے جمال کو دیکھنے والا ہے آپ کے عمل کا مشاہدہ کرنے والا ہے اس پر آپ کو تنقید کا حق نہیں، ایسے ہی مجتہدین پر مجتہد ہی تنقید کر سکتا ہے۔ غیر مجتہد نہیں کر سکتا اس واسطے کہ مجتہدین کے مقابلہ یں مقلد جاہل ہے مقلدین، مجتہدین کے سامنے جاہل ہیں وہ عالم ہیں وہ صاحب علم ہیں صاحب فہم ہیں صاحبِ اجتہاد ہیں صاحب ادراک ہیں مجتہدین پر تنقید مجتہدین ہی کر سکتا ہے جیسے میں نے کہا ڈاکٹر پر تنقید ڈاکٹر کر سکتا ہے اب یہ عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر اس پر تنقید کر رہا ہے۔ دکان دار شربت بیچنے والا تو شربت فروش کو کیا حق ہے کہ دکان کرنے والے کو کیا حق ہے کہ وہ ڈاکٹر پر تنقید کرے اور ایسے ہی ہماری مثال مجتہدین کے سامنے ایسی ہے جیسا کہ دکاندار شربت بیچنے والا ڈاکٹر کے سامنے۔ ماہرین شریعت کے اوپر ماہرین ہی کلام کر سکتے ہیں۔ غیر ماہر کو حق نہیں پہنچتا۔ اب آج کل آزادی ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں قلم ہے چاہے صحابہ پر طعن کردے چاہے مجتہدین پر طعن کردے حالانکہ خود میں ان کی قابلیت معلوم ہے نہ عربی بول سکتے ہیں نہ عربی کا ترجمہ کر سکتے ہیں جن کے مطالعہ کا یہ حال ہے ان کو حق آتا ہے مجتہدین پر کلام کریں؟ یہ صحیح ہے کہ تنقید سے بالا رسول کی ذات ہے مگر تنقید کرنے کا حق ہر شخص کو نہی ہر ایک کو نہیں۔ درجات ہیں۔ صحابہ پر تنقید صحابی کر سکتا ہے حضرت علی کو حق ہے کہ ابو ہریرہ پر تنقید کریں۔ حضرت عائشہ کو حق ہے کہ ابو ہریرہ پر تنقید کریں حضرت علی کو حق ہے کہ ابن مسعود کو

دھمکا دے تم کو حق نہیں وہ برابر کے ہیں وہ بھی مجتہد وہ بھی صحابی یہ بھی صحابی امام شافعی کو حق ہے کہ ابو حنیفہؒ کے مسائل پر کلام کریں مجتہد پر بھی ہر عالم کو حق نہیں کلام کرے اس واسطے کہ مجتہدین کے سامنے ہر عالم جاہل ہے۔ مجتہد ہے اور آج کل کے عالم یہ عالم نہیں ہیں ناقل ہیں اگر نقل صحیح کر دی تو ناقل ہیں ورنہ یہ عالم کہاں۔ ہم جو آپ کو سند دیتے ہیں آپ کو فارغ التحصیل کر دیتے ہیں اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب عالم فاضل ہو گئے اس کے معنی یہ ہیں کہ علم کا باب کھل رہا ہے اب دروازہ کھلا رہے علم کا ترقی کرتے رہو اس واسطے کہ علم دریا ناپید اکنار ہے۔ بڑا دریا ہے، بڑا سمندر ہے، خود رسول ﷺ کو حق تعالیٰ کا حکم ہے قل رب زدنی علماً کہتے رہیے دعا کرتے رہیے کہ اے اللہ میرے علم کو بڑھا۔ جب خاتم المرسلین سید الانبیا سردار دو عالم کو حکم یہ ہے کہ ترقی کے لئے دعا کرتے رہیئے۔ تو علم کیا چیز ہے؟ ناپید اکنار ہے اس کی انتہا نہیں ہر چیز کی انتہا ہے مگر علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق ہے معلومات الٰہیہ سے (اور معلومات الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے علم کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے) واللہ اعلم۔ (ماہانہ الحسن لاہور)

﴾ براءت عثمان ذوالنورین رضؓ ﴿

برأت عثمان ذوالنورینؓ

بعد الحمد والصلوۃ! گیارہ سال پہلے جب میرا قیام ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ میں تھا۔ مجھے اس وقت انگریزی تعلیم یافتہ طلبہ سے معلوم ہوا تھا کہ جو تاریخ اسلام ان کو کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے، اس سے حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق طلبہ کے ذہنوں میں ان سے بد گمانی ہی بڑھتی ہے۔ حسن ظن پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں صحابی ہیں جن سے ہر مسلمان کو اعتقاد اور تعظیم کے ساتھ حسن ظن رکھنا لازم ہے مگر یہ خبر نہ تھی کہ اس جماعت کے بعض لوگوں کو حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ سے بھی بد گمانی ہے جس کا انکشاف اسی قریب عرصہ میں ہوا ہے بہر حال میں نے قیام ڈھاکہ ہی میں ایک رسالہ بنام ”کف اللسان عن معاویة بن ابی سفیان“ لکھا تھا مگر افسوس کہ وہ مسودہ ہی کی صورت میں رہا۔ طبع نہ ہو سکا۔ جس دوست کو صاف نقل کرنے کے لئے مسودہ دیا گیا۔ اس نے مدت تک تو نقل شروع نہ کی اور جب میں نے تقاضا شدید کیا تو کہا کہ کثرتِ بارش کی وجہ سے میری کتابیں بہت بھیگ گئیں اور آپ کا مسودہ بالکل ہی خراب ہو گیا کہ

پڑھنے میں نہیں آتا۔ پھر اس مضمون پر قلم اُٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسی قریب عرصہ میں بعض رسالوں میں حضرت عثمانؓ پر تنقید نظر سے گذری تو دل میں تقاضا ہوا کہ اس تنقید کا جواب لکھوں اور براءت عثمانؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ عنہما کے متعلق جو غلط فہمی نو تعلیم یافتہ طبقہ کو ہو رہی ہے اس کا بھی ازالہ کردوں چنانچہ یہ رسالہ آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے کہ اس سے ان تینوں حضرات کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور سب مسلمانوں کو سلف کی محبت و تعظیم کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین۔

(اخبار ہفت روزہ) ”شہاب“ (لاہور) کی چند اشاعتوں میں حضرت عثمانؓ بن عفانؓ ذی النورین کی براءت کے متعلق مضامین نظر سے گذرے جن سے معلوم ہوا کہ بعض ”صحافی علماء“ نے ان کی شان رفیع میں ایسے کلمات استعمال کئے ہیں جو نازیبا ہیں۔ دل میں اسی وقت تقاضا ہوا کہ اس موضوع پر کچھ لکھوں کیونکہ ”شہاب“ میں اجمالی تبصرہ پر اکتفا کیا گیا ہے تفصیل سے کلام نہیں کیا گیا۔ مگر چند وجوہ سے تاخیر ہوئی۔ ایک تو موسمی بخار میں چند روز مبتلا رہا۔ اس سے افاقہ ہوا تو جن کتابوں کی ضرورت تھی جن پر مفصل کلام موقوف تھا۔ اس وقت میرے پاس نہ تھیں۔ پھر دل نے فیصلہ کیا کہ اسی حالت میں کچھ لکھ دوں۔ اُمید ہے کہ اس مضمون کی برکت ہی سے دولت صحت و اطمینان نصیب ہو جائے کیونکہ اہل اللہ کے ذکر سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ پھر ان کا ذکر خود بھی لذیز اور بابرکت ہے۔

یادِ یاراں یار را میموں بود
خاصہ کاں لیلیٰ و این مجنوں بود
بازگو از نجد وازیارانِ نجد
تادرودیوار را آری بہ وجد

اور کتابوں کا اس وقت پاس نہ ہونا جو مانع تھا، اس کے بارے میں دل نے یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ مجھے یاد ہے اس کو یاد ہی سے لکھ دوں۔ مخاطب اہل علم ہیں۔ وہ خود کتابوں سے مراجعت کر لیں گے۔

اس وقت میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ اس کا ماخذ ڈاکٹر طہٰ حسین مصری کی کتاب "**الفتنة الکبری**" اور تاریخ طبری اور "**کامل ابن الاثیر**" اور "**تاریخ ابن کثیر**" اور منہاج السنۃ علامہ ابن تیمیہ، "**ازالة الخفاء**"۔ "**وفاء الوفاء للسمہودی**"۔ کنز العمال وغیرہ ہیں اور یہ کتابیں اس وقت میرے پاس نہیں۔ جو کتابیں میرے پاس ہیں ان کا نام مع حوالہ صفحات کے دے دیا جائے گا۔

على الله توكلت و هو حسبي و نعم الوكيل ربنا ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه وارنا الباطل با طلاوا رزقنا اجتنابه!

والسلام

ظفر احمد عثمانی

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ

﴿مقدمہ کے طور پر چند باتیں!﴾

مقدمہ کے طور پر چند باتیں!

جواب لکھنے سے پہلے چند باتیں بطور مقدمہ کے عرض ہیں :۔

ا۔ علامہ ابن تیمیہ نے "منہاج" میں اور علامہ ابن القیم نے "زاد المعاد" میں اور جملہ محدثین نے اُصولِ حدیث میں اس کی تصریح کی ہے کہ اخبار و سیر کی سب روایتیں معتبر اور حجت نہیں۔ صرف وہی معتبر ہیں جو سند کے ساتھ بیان کی جائیں اور سند صحیح ہو۔

ب۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ :۔

"رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں!

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر، غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں!

ج۔ صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے۔ مگر وہاں بھی اول سند کو دیکھا جائے گا کہ روایت تنقید کی سند بھی صحیح ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جس صحابی پر تنقید کی گئی ہے اس نے اس کا کچھ جواب دیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب دیا ہے تو تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اور جواب نہیں دیا تو دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے اعلیٰ وافضل اور ارجح کون سا ہے۔ اگر ایک دوسرے سے افضل وارجح ہے تو ادنیٰ کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں کا درجہ مساوی ہے تو ہم کو یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہیے کہ دونوں بڑے ہیں۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں!

د۔ صحابہ بدریین سب سے افضل ہیں اور ان میں عشرہ مبشرہ بقیہ سے افضل ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شیخین دوسروں سے افضل ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ

ہ۔ صحابہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ان احادیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے:۔

(۱)	اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اهتدیتم!	میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کا اتباع کرلوگے؟ راہ پالوگے!
(۲)	الله! الله! فی اصحابی لا تتخذو هم من بعدی غرضا! (رواہ الترمذی)	میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ میرے بعد ان کو (ملامت اور طعن کا) نشانہ نہ بنانا!

صحابہ کے بارے میں گفتگو ادب کے ساتھ کرنا چاہیے۔ کوئی ایسا لفظ زبان یا قلم سے نہ نکالا جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص لازم آئے۔

(۱) الصحابة کلهم عدول	تمام صحابہ صحیح حامل دین اور قابلِ اعتماد ہیں!

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شان

اب میں حضرت ذوالنورین عثمانؓ بن عفانؓ کے متعلق ان باتوں کا جواب دینا چاہتا ہوں جو بعض رسائل میں بہ طور تنقید کے لکھی گئی ہیں اور مدافعت سے پہلے ان کی وہ عظمتِ شان بھی ظاہر کر دوں جو صحابہ کی نظر میں تھی۔ یہ اُن مناقب و فضائل عثمانؓ کے علاوہ ہے جو باب المناقب میں محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کیے ہیں :۔

۱۔ ابن سعد نے ابو سلمہ بن عبدالرحمان سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی وفات کا وقت قریب دیکھا تو حضرت عمرؓ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا چنانچہ حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا کہ :۔

"(حضرت) عمر کے متعلق اپنی رائے بیان کرو!"

انھوں نے کہا کہ :۔

"آپ تو اُن کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں!"

فرمایا: "پھر بھی تم اپنی رائے ظاہر کرو!"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ :۔

"خدا جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا ہے اور ہمارے اندر اُن جیسا کوئی نہیں ہے۔"

حضرت صدیق نے فرمایا :۔

"اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ! اگر میں عمر کو چھوڑ دیتا تو ان کے بعد تم کو نہ چھوڑتا!" (حیاۃ الصحابہ صفحہ ۱۹۔۴)

فائدہ : اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت صدیق کے نزدیک حضرت عمر کے بعد حضرت عثمانؓ ہی خلافت کے لائق تھے!

۱۔ لالکائی نے عثمانؓ بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق

ؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عثمانؓ بن عفان کو بلایا تاکہ بعد کسی کے لئے خلافت کی وصیت لکھوائیں۔ وصیت نامہ ابھی کچھ لکھوایا ہی تھا کہ تو حضرت صدیق ؓ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ ابھی تک کسی کا نام نہیں لکھوایا تھا تو حضرت عثمانؓ نے خود ہی حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کو افاقہ ہوا، حضرت عثمانؓ سے پوچھا، تم نے کسی کا نام لکھ دیا ہے؟ فرمایا:۔

مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ پر یہ غشی موت کی غشی نہ ہو، اور اختلاف وافتراق پیدا نہ ہو جائے، اس لئے میں نے حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔"

حضرت صدیقؓ نے فرمایا:۔

"اللہ تم پر رحم کرے اگر تم اپنا ہی نام لکھ دیتے تو یقیناً تم اس کے اہل تھے!"

حیاۃ الصحابہ۔ صفحہ ۲۲۔ ۲

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت صدیق ؓ کو حضرت عثمانؓ کی اہلیتِ خلافت پر پورا اعتماد تھا!

۳۔ ابن جریر نے محمد طلحہ وزیادؓ سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر (مدینہ سے) لشکر کے ساتھ نکلے اور ایک چشمہ پر جس کا نام "اصرار" تھا پڑاؤ کیا۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ یہاں سے آگے جائیں گے یا اسی جگہ قیام کریں گے؟ اور جب حضرت عمرؓ سے لوگ کچھ دریافت کرنا چاہتے تو حضرت عثمانؓ کو واسطہ بناتے یا عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت عثمانؓ کو ردیف کہا جاتا تھا۔ جس کے معنی لغتِ عرب میں پیچھے آنے والے کے ہیں۔ اہل عرب ردیف اس کو کہتے ہیں جس کے بارے میں یہ امید ہو کہ اس سردار کے بعد یہ سردار ہو گا۔ اگر کبھی یہ دونوں حضرات کسی بات کو حضرت عمرؓ سے معلوم نہ کر سکتے تو حضرت عباسؓ کو واسطہ بناتے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ:۔

"آپ کو کوئی نئی خبر پہنچی ہے (جس کی وجہ سے آپ لشکر کو یہاں لائے ہیں) آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

تو آپ نے نماز کے لئے جمع ہونے کا اعلان کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے واقعہ بتلایا (کہ مقام نہاوند پر فارس کا بڑا لشکر جمع ہے اور کسریٰ خود میدان میں آ گیا ہے، اب بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟) لوگوں نے کہا، آپ ضرور چلیں، اور ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ (یہ ایک طویل حدیث ہے)

فائدہ: مجھے اس اثر سے یہ بتانا ہے کہ حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں لوگوں کی نظریں حضرت عثمانؓ پر تھیں کہ حضرت عمر کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب مسئلہ خلافت کو چھ حضرات کے سپرد کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں اور ان چھ حضرات نے عبدالرحمان بن عوفؓ کو اختیار دے دیا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔! تو عبدالرحمانؓ بن عوف دو تین رات تک مہاجرین و انصار اور امراء اجناد (افواج) و عمال وغیرہم سے مشورہ کرتے رہے اور تیسرے دن کی صبح کو انتخاب عثمانؓ کا اعلان کرنے سے پہلے حضرت علیؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اے علی! میرے متعلق اپنے دل میں کچھ خیال نہ کرنا۔ میں نے صحابہ مہاجرین و انصار وغیرہ سب سے مشورہ کیا تو دیکھا کہ

لا یعدلون بعثمانؓ احدا! وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔!

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے تقدم و افضلیت و اہلیت خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا۔ اس اجماع کے خلاف خبر واحد صحیح بھی ہو، تو قبول نہ کی جائے گی۔ چہ جائیکہ ضعفاء مجروحین و مبتدعین (اور) شیعہ و خوارج کی روایتیں؟ کہ وہ تو کسی درجہ

میں شمار نہ کی جائیں گی۔ اگر راویانِ اخبار و سیر کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ہر صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جتنی بھی روایتیں ہیں، سب ضعفاء و مجروحین اور اہل بدعت و اھواء کی روایات ہیں۔

الا قلیل و لیس فی ھذا القلیل ما یضرہ و ینفع خصمہ و ناقیدہ۔!

ہاں کچھ روایات تنقید درست ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حضرت عثمانؓ کی شان کو کچھ گزند پہنچا سکے یا اُن کے اس ناقد کو کوئی نفع پہنچا سکے۔

حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی نظر میں

۴۔ ابو احمد (حاکم) نے شداد بن اوسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب (باغیوں نے) حضرت عثمانؓ پر محاصرہ سخت کر دیا تو میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا عمامہ باندھے ہوئے اور حضور ہی کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں ان کے آگے آگے حضرت حسن اور عبد اللہ بن عمرؓ، اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت تھی۔ انھوں (باغی) لوگوں پر حملہ کیا اور اُن کو اِدھر اُدھر منتشر کر دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے حضرت علی نے کہا:۔

”السلام علیک یا امیر المومنین! رسول اللہ ﷺ نے یہ کام (یعنی سلطنت کا استحکام) اس وقت تک نہیں کیا، جب تک اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کو نہیں مارا۔ اور بخدا میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کو حکم دیجئے کہ ہم بھی اُن سے قتال کریں۔!“

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

”میں ہر اس شخص کو جو اللہ کا حق اپنے اوپر سمجھتا ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ میرا بھی اُس پر کچھ حق ہے، قسم دیتا ہوں کہ میری وجہ سے کوئی کسی کا خون نہ بہائے، نہ اپنا خون بہائے۔!“

حضرت علیؓ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ حضرت عثمانؓ نے پھر بھی یہی جواب دیا۔ تو میں نے حضرت علی کو دروازے سے نکلتے ہوئے یہ کہتے سنا:۔

”اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے اپنی سی کوشش کر لی ہے!“ پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ نماز کا وقت آ گیا تھا۔ (باغی) لوگوں نے کہا:۔”یا أبا الحسن! (حضرت علی کی کنیت ہے) آگے بڑھیئے۔ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے!“

حضرت علی نے فرمایا:۔

”میں تم کو اس حال میں نماز نہیں پڑھاؤں گا کہ امام (خلیفۃ المسلمین) گھر میں محصور ہے۔ میں تنہا نماز پڑھ لوں گا۔!“

چنانچہ آپ نے تنہا نماز پڑھی اور اپنے گھر لوٹ گئے۔ اُسی وقت اُن کے صاحبزادے (امام حسن) پہنچے اور کہا:۔

”واللہ! (باغی) لوگ (حضرت عثمانؓ کے) گھر میں گھس گئے ہیں!“

حضرت علی نے فرمایا:۔

”انا للہ و انا الیہ راجعون! خدا یہ اُن کو قتل کر ڈالیں گے!“

لوگوں نے پوچھا:۔

”اے ابو الحسن! حضرت عثمانؓ (قتل ہو گئے تو) کہاں پہنچیں گے؟“

انھوں نے فرمایا:۔

”جنت میں، مقام قرب پر پہنچیں گے۔!“

لوگوں نے عرض کیا:۔

”اور قاتل کہاں کہاں جائیں گے؟“ فرمایا

”بخدا جہنم میں جائیں گے!“ اس بات کو تین بار دہرایا!
(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للمحب، طبری بحوالہ حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۱۱۵)

فائدہ : حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ کے ارشاد سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ بعض لوگوں کو جو شکایات حضرت عثمانؓ سے تھیں ان میں حضرت عثمانؓ حق پر تھے، مخالف ناحق پر تھے۔ ان حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت عثمانؓ کے بارے میں قلم اُٹھانا چاہیے۔ ان سے آنکھیں بند کر کے گفتگو کرنا کسی عالم کو جائز نہیں کہ اِس سے عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔!

۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ ”منهاج السنة“ میں فرماتے ہیں کہ :۔
”امام احمد بن حنبل اور بہت سے علماء حضرت علیؓ کی سنت پر اسی طرح عمل کرتے ہیں، جس طرح سنتِ عمرؓ و سنتِ عثمانؓ پر عمل کرتے ہیں۔ مگر دوسرے بعض علماء امام مالک وغیرہ سنتِ علی کا اتباع نہیں کرتے حالانکہ سنتِ عمرؓ و سنتِ عثمانؓ کے اتباع پر سب کا اتفاق ہے!“ (منهاج) ج ۳ ص (۳۰۵ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۱۱)

فائدہ : امام مالکؒ وغیرہ جو سنتِ علی کی اتباع نہیں کرتے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت مسلمانوں میں افتراق تھا، کچھ صحابہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور کچھ اُن کے ساتھ نہ تھے اُن کی سنت پر سب کا اتفاق نہ تھا اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کی سنتوں پر سب صحابہ کا اتفاق تھا۔ اس لئے سنت عثمانؓ کے اتباع پر سب علماء فقہاء متفق ہیں، اس حقیقت میں جس قدر وزن ہے، اہل علم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۶۔ ابن عساکر وغیرہ نے حضرت شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی جب تک قریش اُن سے اکتا نہ گئے۔ اُنھوں نے قریش (کے

مہاجرین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا، (کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں)

حضرت عمر نے فرمایا :۔

"مجھے سب سے زیادہ خطرہ تمھارے اِدھر اُدھر بلادِ اسلام میں پھیل جانے سے ہے۔ !"

اگر ان محصورین مہاجرین میں سے کوئی جہاد کے لئے بھی اجازت مانگتا، تو فرما دیتے کہ :۔

"تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت جہاد کر لیا ہے بس وہی کافی ہے۔ آج کل تمھارے لئے جہاد کرنے سے یہی بہتر ہے کہ نہ تم دنیا دیکھو، نہ دنیا تم کو دیکھے !"

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، انھوں نے اُن حضرات کو رخصت دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اب یہ لوگ بلادِ اسلام میں ادھر ادھر پھیل گئے اور لوگ ہر طرف سے اُن کی طرف رجوع ہونے لگے۔ محمد طلحہ کہتے ہیں کہ :۔

"یہ پہلا ضعف تھا جو اسلام میں داخل ہوا اور عام مسلمانوں میں فتنہ کی ابتداء اسی سے ہوئی۔ !"

حاکم نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ حضرت زبیرؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی فرمایا کہ :۔

"اپنے گھر میں بیٹھو، تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (بہت) جہاد کر لیا ہے !"

حضرت زبیر نے باربار درخواست کی تو تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا :۔

"اپنے گھر بیٹھو، واللہ ! میں تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم مدینہ سے باہر نکلو گے تو صحابہ رسول کو فساد (غالباً جنگ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت زبیر تھا) مبتلا کر دو گے۔ !"

(اور حضرت عمر بڑے صاحبِ فراست اور صاحب کشف تھے،) ذہبیؒ نے اس سند کو صحیح کہا ہے۔ !

فائدہ : مگر صحیح بخاری کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت زبیرؓ بن العوام جنگ یرموک میں موجود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن کے اصرار سے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ اجازت دے دی ہوگی غالباً اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے بھی ان صاحبوں سے پابندی اٹھادی تھی کیونکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ جن صاحبوں پر حضرت عمرؓ نے پابندی لگا رکھی تھی وہ اس سے اکتا گئے تھے۔ جو روشن خیال علماء حضرت عثمانؓ پر تنقید کرتے ہیں وہ اس بات کا جواب دیں کہ حضرت عمرؓ نے اکابر مہاجرین کو مدینہ میں محصور کر کے اُن کی آزادی کیوں سلب کی؟ آج کل تو جمہوریت کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شخص کو رفتار و گفتار کی پوری آزادی ہو۔ اُس پر کسی جگہ کا داخلہ بند نہ کیا جائے۔ نہ سیر و سیاحت اور سفر پر پابندی لگائی جائے۔ اس لئے ان متجددین (ماڈرن) کے نزدیک تو حضرت عثمانؓ کا یہ کارنامہ جمہوریت کے موافق تھا اور حضرت عمرؓ کا عمل سراسر خلافِ جمہوریت تھا۔!

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے قریش کے اُن افراد پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی جو مکہ میں رہتے تھے۔ جیسا اسی روایت کے بعض الفاظ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ پابندی قریش کے اُن افراد پر تھی جو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں مہاجر ہو کر مدینہ آ گئے تھے حضرت عمرؓ اُن کو مدینہ سے باہر جانے سے روکتے تھے اور اپنے پاس مدینہ میں ہی رکھنا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ وہی تھی۔ جو ولی عہد سلطنت کو بادشاہ کے سامنے پایہ تخت میں رہنے پر مجبور کرنے کی ہوا کرتی ہے، کیونکہ ولی عہد سلطنت کی عظمت رعایا کے قلوب میں بہت ہوتی ہے۔ اگر اس کو پایۂ تخت سے باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی جائے تو بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے جس سے بعض دفعہ سلطانِ وقت کی سلطنت کو خطرہ پیش آنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسے خطرات کا واقعہ ہونا مذکور ہے اسلام میں خلافت، میراث تو ہے نہیں کہ

بادشاہ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو۔ اسلام میں اس کا مدار قابلیت واہلیت پر ہے اور قریش کے وہ افراد جو مہاجر بن کر مدینہ آگئے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لئے ان سب کو حضرت عمرؓ نے مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی بلکہ مدینہ میں محصور رکھا۔ الا ما شاء اللہ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ اور ان جیسے ایک دو صاحبوں پر پابندی نہیں لگائی۔ پھر جس طرح ولی عہد سلطنت اس قسم کی پابندیوں سے گھبرا جاتا ہے، اسی طرح یہ مہاجرین قریش بھی اس پابندی سے اکتا گئے اور بار بار جہاد کے لئیے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت مانگنے لگے تو حضرت عمرؓ نے بعض کو اجازت دے دی اور حضرت عثمانؓ نے اس پابندی کو بالکل ختم کر دیا لیکن حضرت عمرؓ کو ان کی آزادی سے جو خطرہ تھا وہ صحیح ہو کر رہا۔ ان حضرات نے مدینے سے باہر قدم رکھا تو لوگ ان پر جھک پڑے اور حضرت عمرؓ کی حیات ہی میں بعض لوگوں کی زبان پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں کہ حضرت عمرؓ کے بعد ہم حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے آخری خطبہ میں اُن لوگوں کو سخت تنبیہ کی کہ :۔

> چند افراد یا کسی ایک جماعت کو حق نہیں کہ وہ کسی کو خلیفہ بنالے خلافت سب مسلمانوں کے مشورہ سے کسی کو دی جاسکتی ہے، ورنہ دونوں پر قتل کا اندیشہ ہے!"
>
> (صحیح بخاری)

حضرت عثمانؓ ایک سال سخت بیمار ہوئے تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمانؓ اس مرض میں وفات پاگئے تو ہم حضرت زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر نے اُم المومنین حضرت عائشہ (سلام اللہ ورضوانہ علیہا) کو "دِم (خون) عثمانؓ" کے مطالبہ کے لئے راست اقدام کرنے پر ابھارا تو یہ سوال اٹھا کہ یہ اقدام کہاں سے شروع کیا جائے؟ تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ :۔

"بصرہ میں ہمارے حامی بہت ہیں، یہ اقدام وہیں سے ہونا چاہیے!" چنانچہ جنگ جمل بصرہ میں واقع ہوئی۔ اگر یہ حضرات مدینہ سے باہر قدم نہ نکالتے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کا منشا تھا

تو بصرہ میں اِن کے حامی نہ پیدا ہوتے، نہ جنگ جمل کی نوبت آتی، نہ خلافتِ عثمانؓ میں وہ انتشار پیدا ہوتا، جو قتل عثمانؓ کا سبب بنا۔! واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم و احکم۔!

اب میں اُن تنقیدات کا جواب عرض کرتا ہوں جو بعض ”نو تعلیم یافتہ علماء“ نے حضرت عثمانؓ پر کی ہیں۔ سب سے پہلی تنقید یہ ہے کہ :۔

حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انھوں نے پے در پے بنو امیہ کو بڑے بڑے عہدے عطاء کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر موجبِ اعتراض بن کر رہیں۔ بنی امیہ میں جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے!“

(طلقاء وہ صحابہ ہیں، جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے) اس کا جواب حضرت عثمانؓ نے خود یہ دیا تھا کہ :۔

”میں نے اپنی خلافت میں بجز ایک شخص عبداللہ بن عامر بن کریز کے بنو امیہ میں سے کسی کو بھی از خود عامل نہیں بنایا، بلکہ سب حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے عامل ہیں اور عبداللہ بن عامر جسے میں نے عامل بنایا ہے، اُس کی کوئی شکایت نہیں، بلکہ سب اُس سے خوش ہیں۔!“

فائدہ : واقعہ یہ ہے کہ یزد جرد (گرد) شاہ فارس کو جب شکست فاش ہو گئی تو وہ ادھر ادھر بھاگا پھرتا تھا۔ جس شہر میں جاتا، وہاں کا فارسی حاکم اس کی آؤ بھگت کرتا اور بھاگا ہوا لشکر اُس کے گرد جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا تھا، اس صورت میں ملک فارس کا نظام مختل رہتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے بصرہ کے گورنر کو (جس کے تحت خراسان بھی تھا) یہ تاکید کی کہ جس طرح بھی ہو کسریٰ کو گرفتار یا قتل کر دو، تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔ جب تک

کسری آزادی سے گھومتا رہے گا، فساد کا قلع قمع نہ ہو گا۔ مگر بصرہ کا کوئی گورنر اس مہم کو سر نہ کر سکا تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر بن کریز سے مشورہ کیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ اس مہم کو سر کر لوں گا تو حضرت عثمانؓ نے ابو موسی اشعریؓ کو بصرہ کی گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن عامر کو یہ منصب عطاء کر دیا۔ اور اس نے بڑی شجاعت اور سیاست سے کسری کو محصور کر لیا اور وہ محاصرہ ہی کی حالت میں مارا گیا جس کے بعد ملک فارس کا نظم و نسق مسلمانوں کے قبضہ میں پوری طرح آ گیا۔ عبداللہ بن عامر صورت میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھا۔ بڑا بہادر، متقی اور ہوشیار تھا۔

؎ کہ معنی بود صورتِ خوب را!

(اچھی شکل میں ایک خاص رمز اور مفہوم ہوتا ہے)

اس شخص کے علاوہ جتنے عمال۔ (گورنر)۔ بنو امیہ یا طلقاء میں سے تھے، وہ سب حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے عامل تھے۔

عکرمہؓ بن ابی جہل بھی طلقاء میں سے تھے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اُن کو صدیق اکبرؓ نے ایک دستۂ فوج کا قائد بنا کر مرتدین کے مقابلہ میں بھیجا تھا اور فتوحاتِ شام میں انھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ بالآخر جنگ اجنادین یا اسی کے قریب کسی جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جس کا پورے لشکر اسلام کو سخت صدمہ ہوا۔

ولید بن عقبہ کو رسول اللہ ﷺ نے خود صدقات کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس کو بعض مقامات کا عامل بنایا تھا، یہ ضرور ہے کہ بنو امیہ کے یہ عمال حضرت عمر کے زمانہ میں معمولی مقامات کے عامل تھے۔ جب تجربہ کار ہو گئے، اُن کو ترقی دے کر کسی بڑے مقام کا عامل بنا دیا اور یہ کوئی نازیبا بات نہیں عمال کو ترقی دینا سب ہی متمدن حکومتوں کا طریقہ ہے۔! کہا جاتا ہے کہ :۔

"اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی ہو سکتے تھے۔ وہ بہترین منتظم اور

اعلیٰ درجہ کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت ہوئے لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کے لئے تو نہ آیا تھا۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوتِ خیر و صلاح تھا۔ جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اُس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ اور تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔ !"

میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن لوگوں کو مکہ در خیبر اور بحرین کا حاکم بنایا گیا، کیا وہ صحابہ کی اگلی صفوں میں آتے تھے؟ بحرین کا پہلا گورنر منذر بن ساوی عبدی تھا۔ پھر علاء بن الحضرمی۔۔ مکہ کے حاکم عتاب بن اسید تھے اور خیبر کے سواد بن غزیہ۔ ! ان میں سے کوئی بھی صفِ اول میں نہ تھا۔ خالدؓ بن ولید اور عمرو بن العاصؓ، جب سے مسلمان ہوئے حضور نے ہمیشہ اُن کو قائد عسکر، یا امیر بنایا۔ بلکہ غزوہ ذات السلاسل میں حضرات شیخین کو بھی حضرت عمرو بن العاصؓ کا ماتحت بنادیا اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو رسول اللہ ﷺ نے عمان کا حاکم بنایا، اسی طرح جیش اُسامہ میں اکابر مہاجرین و انصار حتی کہ حضرت عمرؓ کو بھی اُسامہ کی ماتحتی میں کردیا گیا۔ فتح شام سے پہلے گورنر ابو عبیدہ ابن الجراحؓ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد خلافت فاروق میں (حضرت) یزید بن ابی سفیانؓ گورنر ہوئے، یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ ان کے انتقال پر حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو امارتِ شام پر مامور فرمایا۔ یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ آپ عہد نبوت اور عہد صدیق، اور عہد فاروق کے عمال و حکام پر نظر ڈال جائیں تو ایک دو کے سوا تمام عمال صفِ ثانی یا ثالث ہی کے نظر آئیں گے۔ ولید بن عقبہ کے بارے میں کہہ چکا ہوں کہ اُس کو رسول اللہ ﷺ نے ایک مقام پر عامل بنا کر بھیجا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی اس کو عامل بنایا، حضرت عثمانؓ نے بھی اس کو عامل کوفہ بنادیا تو کیا جرم کیا؟ آپ کو تسلیم ہے کہ اس کے انتظام سے اول اول اہل کوفہ بہت مطمئن ہوئے، بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ مے نوش ہے۔ مے نوشی کے سوا اور کسی جرم کی نشان دہی کسی مؤرخ نے نہیں کی۔ سو آپ کو معلوم

ہونا چاہیے کہ مے نوشی کا ارتکاب حضرت قدامہ بن مظعون صحابی مدری ؓ سے بھی ہوا تھا، جن پر حضرت عمرؓ نے حد جاری کی تھی۔ یہ صفِ اول کے صحابی تھے۔ مگر ان کو یہ مغالطہ ہوا تھا کہ آیت

ليس على الذين امنوا و عملوا
الصلحت جناح فيما طعموآ
اذا ما اتقوا و امنوا و عملوا
الصلحت

نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور
کام کئے اچھے کوئی گناہ اس چیز میں جو
(ناجائز) کھایا پیا انھوں نے (پہلے جبکہ وہ
متقی ہو گئے اور مومن بن گئے اور انھوں
نے اچھے کام کئے۔!

کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب پی کر ایمان و عمل صالح اور تقوی پر قائم رہیں۔ اُن پر کوئی گناہ نہیں!

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

”تم نے آیت کا مطلب غلط سمجھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمت شراب سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی تھی اور ایمان و عمل اور تقویٰ پر کاربند رہے۔ اُن کو پچھلی مے نوشی کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا۔!“

کیونکہ فیما طعموا صیغہ ماضی ہے، مستقبل نہیں، یہ مطلب نہیں کہ نزول حرمت کے بعد کوئی شراب پیے اور ایمان و عمل صالح و تقویٰ پر کاربند رہے اس کو بھی گناہ نہیں کیونکہ حرمت کے بعد شراب پینے سے تقویٰ کہاں باقی رہا؟ اگر ایسا ہی مغالطہ ولید کو بھی ہوا، جو صفِ اول کے صحابی نہیں تو کیا بعید ہے؟ پھر حضرت عثمانؓ نے بتلا دیا کہ بنو امیہ کے جس قدر عمال ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے عمال ہیں تو جو اعتراض حضرت عثمانؓ پر کیا جارہا ہے وہ دراصل حضرت عمرؓ پر ہے۔ کہ انھوں نے ایسے لوگوں کو عامل کیوں بنایا جو صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ بلکہ صفِ ثانی یا ثالث کے تھے؟

حضرت معاویہؓ کی گورنری

ایک بڑا اعتراض حضرت عثمانؓ پر یہ کیا گیا کہ :۔

"انھوں نے حضرت معاویہؓ کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶۔۱۷ سال مامور رکھا۔!"

حضرت عثمانؓ کی خلافت کی مدت کل ۱۲ سال ہے جو معترض کو بھی تسلیم ہے، پھر وہ حضرت معاویہؓ کو ۱۶۔۱۷ سال اپنی خلافت میں گورنر کیسے رکھ سکتے تھے؟ اور اگر خلافتِ عمرؓ کا زمانہ بھی حضرت عثمانؓ ہی کے نامۂ اعمال میں شامل کیا جاتا ہے تو ۱۶۔۱۷ سال نہیں بلکہ ۲۰ سال کہنا چاہیے۔ حضرت معاویہؓ خلافتِ عمرؓ میں ۸ سال سے زیادہ امیر شام رہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ۱۲ سال۔ جس شخص کو حضرت عمرؓ نے ۸ سال مسلسل امارتِ شام پر مامور رکھا، اگر حضرت عثمانؓ نے اسے ۱۲ سال مسلسل رکھا تو کیا جرم کیا؟ یہ سوال سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے کرنا چاہیے کہ انھوں نے ایک شخص کو ایک ہی صوبہ پر مسلسل ۸ سال گورنر کیوں رکھا؟ معترض کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کہ :۔

"حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے۔

بلکہ اُن کا قاعدہ یہ تھا جس حاکم سے رعایا کو شکایت نہ ہو، اس کو الگ نہیں کرتے تھے۔ (حضرت) ابو موسیٰ اشعریؓ برابر بصرہ کے حاکم رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا تبادلہ نہیں کیا، نہ وہاں سے معزول کیا (حضرت) علاء بن الحضرمیؓ بحرین کے حاکم رہے، اُن کا تبادلہ نہیں کیا گیا۔ اُن کے انتقال پر دوسرا گورنر بھیجا گیا اور یہ واقعہ کہ حضرت معاویہؓ سے رعایا شام خوش تھی۔ کسی کو کوئی شکایت نہ تھی اور وہ سیاست اور حلم میں ضرب المثل تھے۔

شام کا صوبہ جیسا معترض کو تسلیم ہے اُس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت

کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے ایک طرف تمام مغربی صوبے تھے۔ یہاں ایسے ہی سیاستدان (اور) حلیم کی ضرورت تھی، جس سے پورا صوبہ شام خوش اور مطمئن ہو۔

خمس کا قصہ

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ :۔

"حضرت عثمانؓ نے افریقہ کی جنگ کا پورا خمس غنیمت مروان کو دے دیا جو پانچ لاکھ دینار تھا۔"

یہ غلط ہے (جناب) مروانؓ کا خمس افریقہ سے کیا واسطہ تھا؟ واقعہ یہ ہے، کہ افریقہ کی حدود مصر سے ملی ہوئی تھیں۔ مصر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ مگر افریقہ کے عیسائی حدود مصر پر حملے کرتے اور کبھی مصر کے اندر آ کر فساد برپا کرتے تھے۔ ضرورت تھی کہ افریقہ پر فوج کشی کی جائے تاکہ ان پر رعب قائم ہو اور مصر کے نظام کو مختل نہ کر سکیں۔

اس وقت عمرو بن العاصؓ مصر کے والی تھے۔ ان کو حضرت عثمانؓ نے افریقہ کی جانب فوج کشی کا حکم دیا تو انھوں نے راستہ کی دشواری کا عذر کیا۔ ان کے نائب عبداللہ ابن ابی سرح نے اس پر آمادگی ظاہر کی تو حضرت عمروؓ بن العاصؓ کو گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن ابی سرح کو والی مصر بنا دیا گیا۔ جب انھوں نے افریقہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جرار کے ساتھ میدان کارِزار میں قیام کیا، شاہ افریقہ خود مقابلہ میں آ گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ :۔

"جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کا سر میرے پاس لائے گا، اس کو آدھا ملک دوں گا، اور اپنی بیٹی سے شادی کر دوں گا۔"

اب ہر افریقی سپاہی عبداللہ بن ابی سرح کا سر لینے کے درپے ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر

وہ میدانِ کارزار سے ہٹ کر خیمہ میں آگئے اور ایک دستہ فوج خیمہ کے گرد تعینات کر کے میدانِ جنگ میں اپنا ایک نائب مقرر کر دیا، جس کے پاس خیمہ ہی سے ہدایات پہنچ رہی تھیں۔

افریقہ کی اس جنگ میں عبداللہ بن ابی سرح کی امداد کے لئے مدینہ سے بھی ایک بڑا لشکر پہنچ گیا۔ جس میں (حضرت) عبداللہ بن زبیر ، عبداللہ بن عمر ، امام حسنؓ، حضرت حسین، اور فضل بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم بہادران قریش بھی شامل تھے۔ اس لشکر نے افریقہ پہنچ کر دیکھا کہ عبداللہ بن ابی سرح میدان میں نہیں ہیں۔ عبداللہ بن زبیرؓ انکے خیمہ میں چلے گئے اور پوچھا :۔

"آپ خیمہ میں کیوں ہیں، میدان میں چل کر خود فوج کی کمان کیوں نہیں کرتے ؟"

انھوں نے کہا۔

"میرا سر کاٹنے پر شاہ افریقہ نے اپنی بیٹی دینے اور آدھی سلطنت دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس لئے ہر افریقی میرا ہی سر کاٹنا چاہتا ہے۔"

عبداللہ بن زبیر نے کہا :۔

"تو آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ : "جو شخص شاہ افریقہ کا سر لائے گا، میں اُس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور مال غنیمت کا پورا خمس دے دوں گا۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اب شاہ افریقہ میدان چھوڑ کر اپنے خیمہ میں بیٹھ گیا۔ اور عبداللہ بن ابی سرح میدان میں آ گئے۔ جنگ شروع ہوئی تو عبداللہ بن ابی سرح نے ایک دستہ فوج کے ساتھ شاہ افریقہ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور خود اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کر کے سر نیزہ پر بلند کیا۔ افریقی فوج کو شکست ہوئی اور عبداللہ بن ابی سرح اعلان کے موافق خمسِ غنیمت کے مستحق ہو گئے۔ فوج اسلام نے ان کے استحقاق کو تسلیم کیا۔ حضرت عثمانؓ کو اسکی اطلاع دی گئی تو انھوں نے بھی اس حق کو تسلیم کیا۔ مگر جب عبداللہ بن سبا یہودی منافق اور اسکے ماننے والوں نے اس کو بری طرح اچھالا کہ :۔

"حضرت عثمانؓ نے اپنے رضاعی (دودھ شریک) بھائی کو اتنی بڑی دولت دی ہے، یہ اقرباء نوازی ہے!"

تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو لکھا کہ :۔

”تم خمس افریقہ کو واپس یہاں بھیج دو، میں تم کو اپنی پاس سے مناسب انعام دے دوں گا۔ بعض لوگ، تم کو پورا خمس دینے پر چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ !“

بتلایئے! اس میں الزام کی کون سی بات تھی؟ رہا یہ کہ :۔

حضرت معاویہؓ کے مسلسل صوبہ شام پر گورنر رہنے کا خمیازہ حضرت علی کو بھگتنا پڑا

خیال خام ہے میں پوچھتا ہوں کہ بصرہ میں تو حضرت معاویہؓ گورنر نہ تھے وہاں حضرت علیؓ کو کس چیز کا خمیازہ بھگتنا پڑا؟ وہاں جنگِ جمل کیوں ہوئی؟ اس جنگ سے پہلے تو حضرت معاویہؓ تردد اور تذبذب ہی میں تھے کہ حضرت علیؓ کی بیعت سے نہ صراحۃً انکار کرتے تھے، نہ اقرار، جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے مقابلہ نے حضرت معاویہؓ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ معاملہ مشکوک ضرور ہے۔ ورنہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، حضرت علیؓ کی بیعت توڑ کر ان کے مقابلہ میں ہرگز نہ آتے۔ حضرت علی کو یہ مشکل اس لئے پیش آئی کہ انھوں نے امام حسنؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ کی رائے پر عمل نہ کیا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ اُن صوبوں کا نظم و نسق سنبھالا جائے جن کے گورنروں نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی ہے۔ معاویہؓ اکیلے کب تک رہیں گے؟ آج نہیں تو کل مجبور ہو کر آپ کی بیعت منظور کر لیں گے۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کی بھی یہی رائے تھی۔

”حضرت علی اگر حضرت معاویہؓ کے معزول کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ اُن کے اس اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہؓ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک ان کے موقف پر پردہ پڑا رہتا۔ تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا۔ جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کو حضرت معاویہؓ کے حلم و تدبر کا کچھ علم نہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کا موقف تو اسی وقت معلوم ہو گیا تھا، جب انھوں نے حضرت علیؓ کی بیعت میں توقف کیا اور مطالبہ کے بعد سفید کاغذ بھیج دیا تھا۔ مگر حضرت امام حسنؓ اور ابن عباسؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ حضرت معاویہؓ کے حلم و حکمت سے واقف تھے کہ ان کو نہ چھیڑا گیا تو وہ ہرگز مقابلہ پر نہ آئیں گے۔

مگر حضرت علیؓ نے اُن کی بات نہ مانی۔ محمد بن ابی بکر اور اُن کے بڑے بڑے ساتھیوں۔ مالک اشتر نخعی وغیرہ کی رائے پر عمل کیا، جو حضرت معاویہؓ سے برائی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ شاید کثرتِ رائے کا غلبہ اس کا سبب ہوا ہو اور اُن دونوں کی پوزیشن کو ایسا مضبوط کیا کہ اول الذکر کو اپنا مشیر خاص (سیکرٹری) بنایا اور دوسرے کو فوج کا کمانڈر انچیف۔ حالانکہ یہ دونوں قتل عثمانؓ سے متہم اور اس فتنۂ کبریٰ کے بانی شمار ہوتے تھے۔ اسی چیز نے حضرت معاویہؓ اور اُن کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافتِ علیؓ کی پوزیشن کو مخدوش بنادیا اور جنگِ جمل نے اس خدشہ کو زیادہ قوی کر دیا۔ جنگِ جمل نے حضرت علیؓ کی جماعت میں بھی اضطراب پیدا کر دیا۔ اُن کے بہت سے حامی جو اب تک اُن کو خلیفۂ برحق سمجھتے تھے، شک میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے جنگ صفین بھی بے نتیجہ رہی۔ پھر جو صوبے ان کے ساتھ تھے، آہستہ آہستہ اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ صرف کوفہ میں خلافت قائم رہی اور کوئی صوبہ ان کے قبضہ میں نہ رہا۔

مروان کی شخصیت

دوسرا اعتراض حضرت عثمانؓ پر یہ کیا جاتا ہے کہ "انھوں نے خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کو مامور کر دیا تھا۔ اور جنابِ مروانؒ کو فتنہ پرداز ثابت کرنے کے لئے انکی سوتیلی ساس (حضرت) نائلہؓ کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے کہ :۔

"حضرت عثمانؓ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔"

اگر حضرت نائلہؓ کا یہ قول جنابِ مروان کو متہم کر سکتا ہے تو ان کا یہ قول محمد بن ابی بکر کو بھی متہم کر سکتا ہے کہ :۔

"قاتلان عثمانؓ کو خفیہ راستہ سے گھر میں لانے والے محمد بن ابی بکر تھے۔ پھ

حضرت علی نے اپنے دربار میں اُن کی پوزیشن اتنی کیوں بڑھائی کہ ایک موقع پر اُن کو مصر کا گورنر بھی بنادیا؟ کیا یہ پوزیشن ہمارے لئے قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟

اب جنابِ مروانؓ کے بارے میں محدثین ناقدین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حافظ ابنِ حجر نے "تہذیب التہذیب" میں اُن کو رجال بخاری اور سنن اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہ میں اُن کا شمار قسم ثانی میں کیا ہے یعنی اُن صحابہ میں کیا ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے سماع ثابت نہیں۔ بہر حال اُن کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رؤیت کو صحابیت کے لئے کافی سمجھا جائے اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب اُن لوگوں کے اقوال پر التفات نہ کیا جائے گا۔ جو اُن میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں۔

فان الصحابة كلهم عدول بلا شک تمام صحابہ عادل یعنی سچے
دین دار قابل اعتماد ہیں۔!

۲۔ عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ مروان حدیث میں متہم نہ تھے۔ سہل بن سعد ساعدی نے صدق پر اعتماد کر کے اُن سے روایت کی ہے اور وہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ علی بن الحسین (حضرت زین العلبدین) اور عروۃؓ بن الزبیر وابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث اور سعید بن مسیّب عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ وابو بکر بن عبد اللہ بن عتبہ اور مجاہد وابو سفیان مولیٰ بن ابی احمد نے اُن سے روایت کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور وہ حضرت عمر و عثمانؓ و علی اور زید بن ثابت وابو ہریرہ، اور بسرہ بنتِ صفوان و عبد الرحمان بن الاسود بن عبد یغوث رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے بھی مرسلاً روایت کی ہے۔

۳۔ حافظ (ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں فرمایا ہے کہ :۔

"مروان پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ یوم الجمل میں انھوں نے حضرت طلحہ کے تیر مارا، جس

سے وہ فوت ہو گئے پھر معاویہؒ بن یزید کے بعد طلبِ خلافت کے لئے تلوار اُٹھائی۔"

حضرت طلحہ کے قتل کے بارے میں تو اسمٰعیل وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ قتل تاویل سے تھا جیسا اور صحابہ کے ہاتھ سے بعض صحابہ جنگِ جمل و صفین میں قتل ہوئے ہیں اور اس کو تاویل پر محمول کیا گیا کہ اُن کے نزدیک فریق ثانی باغی تھا اور باغی کا قتل جائز ہے۔"

بایں ہمہ امام مالکؒ نے اُن کی حدیث اور (فقہی) رائے پر اعتماد کیا ہے اور مسلم کے سوا سب (اصحاب صحاح) نے اُن کی حدیث کو لیا ہے۔

فائدہ : موطا امام مالک کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ امام مالک جناب مروانؒ کو فقہاء مدینہ میں شمار کرتے اور موطا میں بکثرت اُن کے اقوال فقہیہ بیان فرماتے ہیں حافظ ابنِ حجر کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ کے قتل سے پہلے جناب مروان پر کوئی سنگین اعتراض نہیں تھا۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت میں جناب مروان کو مدینہ کا والی بنایا گیا تو اسی زمانہ میں سہل بن سعد ساعدی صحابی اور عروہ بن الزبیر اور حضرت زین العلبدین اور ابو بکر بن عبد الرحمان ابن الحارث وغیرہ اجلہ تابعین نے اُن سے حدیث روایت کی۔ اگر خلافتِ عثمانؓ میں کوئی امر خلافِ عدالت و ثقاہت اُن سے صادر ہوا ہوتا تو یہ حضرات ہر گز اُن سے روایت نہ کرتے۔ اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ :۔

"مروان نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے حاکم مصر کو خط میں یہ لکھ دیا تھا کہ یہ لوگ (محمد بن ابی بکر اور انکے ساتھی) مصر پہنچیں تو ان کو قتل کر دینا۔"

حافظ ابن کثیر نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ :۔

كتبوا من جهة علي و طلحة و الزبير الى الخوارج كتبا مزورة انكروها و هكذا زوروا هذا الكتاب على عثمانؓ!

(ابن کثیر ج ۷ ص ۱۷۵)

”ان بلوائیوں نے حضرت علیؓ و طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے (بصرہ و کوفہ کے) خوارج کے نام جعلی خط لکھے جس کا ان سب حضرات نے انکار کیا۔ ایسے ہی حضرت عثمانؓ کے نام سے بھی انھوں نے جعلی خط لکھا۔

جس سے نہ حضرت عثمانؓ کو کچھ واسطہ تھا نہ مروان کو۔ یہ سب بلوائیوں کی حرکت تھی۔!

دلچسپ تضاد!

دوسرے مرحلہ پر معترض نے اس بات کو تسلیم کیا ہے :۔

”خلافتِ عثمانؓ میں خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ہو رہا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی اُن کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں لانے کے لئے تیار نہ تھے یہاں یہ بھی لکھنا چاہیئے تھا کہ ان کی خلافت میں زکوۃ لینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اتفاق سے کوئی آجاتا تو حضرت عثمانؓ بیت المال کھول کر فرما دیتے کہ جتنا چاہو لے جاؤ یہی وجہ ہے کہ جو مختصر سا گروہ دو ہزار کے قریب) اُن کے خلاف شورش کرنے اٹھا، اس نے بغاوت کی دعوت عام دینے کی بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس تحریک کے علمبردار کوفہ، بصرہ اور مصر سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے باہم خط و کتابت کر کے خفیہ طریقہ سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ پر دباؤ ڈالیں۔“

اس مرحلہ پر معترض کو دو باتوں پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ ایک یہ کہ جب عام طور پر بلادِ اسلام میں سب مسلمان خلیفۂ وقت سے خوش تھے۔ صرف دو ہزار افراد اُن کے خلاف

سازش کر رہے تھے تو پھر حضرت عثمانؓ کے خلاف جو باتیں اس نے پہلے مرحلہ میں لکھی ہیں وہ عام مسلمانوں کے نزدیک وہ اعتراض نہ تھیں۔ صرف اس سازشی مختصر گروہ کے نزدیک ہی وجہ اعتراض تھیں۔ تو اب جو شخص حضرت عثمانؓ پر تنقید کر رہا ہے وہ سب مسلمانوں کے خلاف اس سازشی گروہ کی تائید کرنا چاہتا ہے جس کی تعداد خود اُس کے اقرار سے دو ہزار کے اوپر نہ تھی۔

دوسرے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اس سازش کا منشا کیا تھا، اگر تحقیق سے کام لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ اس تحریک کی ابتداء مصر سے ہوئی تھی۔ جہاں اس وقت عبد اللہ بن سبا یہودی منافق، جاہل فوجیوں میں حبِ اہل بیت کا افسون۔ (جادو)۔ پھونک کر عصبیت جاہلیت کو زندہ کر رہا تھا اور حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؓ کو افضل بتلا رہا تھا۔ ”محبت علی“ کا نام لے کر حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرتا اور ان کے عمّال میں بھی عیب نکالتا رہتا تھا۔ اس فریب میں دو ہزار کے قریب مسلمان آگئے۔ انھوں نے سازش کر کے مدینہ کا رُخ کیا اور حضرت عثمانؓ کو محصور کر دیا۔ آپ حرمِ رسول کو قتل و قتال کی آماجگاہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے حامیوں کو مقابلہ سے روک دیا۔ باغیوں کی منشاء کے موافق اپنے کو خلافت سے معزول کر کے جان بچا سکتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو صیت فرمائی تھی کہ :۔

ان الله سيقمصك قميصاً فان اراد ”اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیض پہنائیں گے اگر
المنافقون ان تنزعها فلاتنزعنها منافقین یہ چاہیں کہ تم اس قمیض کو اتار دو تو
(او کما قال) ہر گز نہ اُتارنا۔!“

قمیض سے منصبِ خلافت کی طرف اشارہ تھا۔ اس لئے خلافت سے بھی اپنے کو الگ نہ کر سکتے تھے جس کا انجام یہی ہونا تھا کہ شہید ہو گئے۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے :۔

”اُن باغیوں کو حضرت عثمانؓ کے معزول کرنے یا اُن سے معزولی کا مطالبہ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہ تھا، یہ اہل حل و عقد تھے نہ کسی مقتدر جماعت کے نمائندے“ تیسرے مرحلہ میں ناقد نے چند باتوں پر زور دیا ہے۔ (کہ) :۔

۱۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں سراسیمگی پھیل گئی کیونکہ امت یکایک بے سردار اور مملکت بے سربراہ رہ گئی۔

۲۔ لامحالہ خلیفہ کا انتخاب جلد سے جلد ہونا چاہیے تھا اور مدینہ میں ہونا چاہیے تھا، وہی مرکزِ اسلام تھا اور یہیں اہل حل و عقد موجود تھے۔

۳۔ اس معاملہ میں نہ تاخیر کی جاسکتی تھی نہ مدینہ سے دور دراز کے دیار و امصار کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقعہ تھا خطرناک صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔

۴۔ شوریٰ کے موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد دوسرے شخص جن کو امت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علیؓ ہی ہیں۔ اس لئے یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کے لئے انھی کی طرف رجوع کرتے" یہ تمام مقدمات مسلم ہیں۔ صرف تیسرے نمبر کے متعلق یہ کہنا کہ امام حسنؓ کی رائے میں تاخیر کی گنجائش تھی۔ انھوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا تھا کہ :۔

"اب لوگ آپ کے پاس بیعتِ خلافت کے لئے آئیں گے۔ آپ اس میں عجلت نہ کریں بلکہ صاف فرمادیں کہ تمام صوبوں کے گورنروں کو بلایا جائے اہل مدینہ کے ساتھ وہ بھی میری خلافت پر متفق ہوں، تو میں اس منصب کو قبول کرلوں گا ورنہ نہیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

"اب تک کسی خلیفہ کے لئے مدینہ سے باہر کے لوگوں کو نہیں بلایا گیا میرے واسطے یہ کیوں ضروری ہے ؟"

امام حسنؓ نے فرمایا کہ :۔

"آپ کی صورتِ حال اُن سے مختلف ہے۔ آپ کی موجودگی میں اُن بلوائیوں نے، جو آپ

کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حب اہلِ بیت و محبتِ علی کا نعرہ لگاتے ہیں، خلیفۂ وقت کو قتل کیا ہے اور سب سے آگے یہی بلوائی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آئیں گے۔ اگر آپ نے ان کو بیعت کر دیا تو دور والوں کو شبہہ ہو گا کہ آپ بلوائیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں۔ (اور بعض کو یہ شبہہ بھی ہو گا کہ قتلِ عثمانؓ میں آپ کا ہاتھ ہے) اس لئے ضروری ہے کہ سب عمال کو بلایا جائے تا کہ کسی کو شبہہ کی گنجائش نہ رہے!"

حضرت علی نے فرمایا:۔

"میں استخارہ کروں گا۔!"

استخارہ کے بعد آپ نے بلوائیوں اور مدینہ والوں کی درخواست پر ہی بیعتِ خلافت لے لی۔

اگرچہ حضرت علیؓ کا یہ طرزِ عمل اپنی جگہ درست تھا اور اُن کی خلافت کے برحق ہونے میں کوئی شبہہ نہیں مگر آئندہ کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ امام حسن کی رائے پر عمل کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ رہا یہ کہ اتنی مدت تک مسلمان بلا خلیفہ کیسے رہتے؟ سو اس میں اتنی قباحت نہ تھی جتنی اُس صورت میں ہوئی کہ بلوائیوں کی موجودگی میں بیعتِ خلافت لے لی گئی چالیس دن حضرت عثمانؓ محصور رہے تو عملاً اس وقت بھی مسلمان بغیر خلافت کے ہی تھے۔ اور مدینہ کے سوا پوری اسلامی مملکت کا نظم و نسق بخوبی قائم تھا۔ اگر ایک مہینے کی اور تاخیر ہو جاتی تو مملکت کے نظم و نسق میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ اُن دو ہزار باغیوں کے سوا عام مسلمان امن پسند تھے اور عمالِ عثمانؓ ہر مقام پر مضبوطی کے ساتھ انتظام کو سنبھالے ہوئے تھے اور اگر منصب خلافت کے خلاء کو جلدی ہی پر کرنا ضروری تھا تو حضرت علیؓ اس وقت خلافت کو قبول کرتے ہوئے صاف فرما دیتے کہ میں مستقل خلیفہ اس وقت ہوں گا جب سب عمال جمع ہو کر مجھے اس منصب کو قبول کرنے کی دعوت دیں گے۔ اس کے بعد عمال کو بلایا جاتا کہ وہ سب اہل مدینہ کے ساتھ مل کر مسئلہ خلافت کو طے کریں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہی ہوا جس کا امام حسنؓ کو خطرہ تھا کہ سب سے پہلے بلوائیوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ میں سے کچھ نے خوشی سے اور کچھ نے بلوائیوں کے دباؤ سے بیعت کی۔ چنانچہ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ مدینہ سے مکہ پہنچے اور مطالبہ دمِ (خون) عثمانؓ کے لئے قوت فراہم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے تو کسی نے پوچھا کہ:۔

آپ حضرات تو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آئے ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا :۔

بایعناه و اللج فی اعناقنا

”ہم نے اس حال میں بیعت کی تھی کہ
ہماری گردن دبائی جا رہی تھی۔“

جب ایسے جلیل القدر اصحاب پر دباؤ ڈالا گیا تو دوسروں کا کیا ذکر ؟ پھر یہ بھی نہ ہوا کہ اُن بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا۔ خلیفۂ وقت کا فرض تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کو گرفتار کر کے شریعت کے موافق سزا دیتا۔ ان لوگوں کا صرف یہی جرم نہ تھا کہ انھوں نے ایک خون کر دیا تھا۔ ان کا جرم سنگین تھا کہ بلوہ اور بغاوت کر کے حکومت کا تختہ اُلٹا۔ اور خلیفۂ اسلام کو جو سب مسلمانوں کا محترم و معظم نائبِ رسول تھا، قتل کر ڈالا۔ اس صورت میں سب مسلمانوں کو ان کی سزا کے مطالبہ اور احتجاج کا حق تھا۔

اگر حضرت علیؓ ان بلوائیوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالکِ اشتر نخعی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیر خاص یا سیکرٹری بنا لیا (جو فتنۂ قتل عثمانؓ کے بانی تھے) اور ان کے دوسرے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں شامل کر لیا گیا کچھ کو فوج میں۔ بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی مسلمانوں سے اپیل کرتے کہ ان بلوائیوں کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے ؟ تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ کو مطالبہ دمِ (خونِ) عثمانؓ کے لئے راست اقدام سوچنے کی نوبت نہ آتی۔!

مطالبۂ قصاص کا حق

ہمارے ناقد کا یہ کہنا کہ :۔

”یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اُٹھ کھڑا ہو۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا، خون کا مطالبہ کرنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور مدینہ میں موجود تھے۔“

www.shiahaq.org

اس سنگین واقعہ (شہادت عثمانؓ) کی سنگینی سے قصداً اغماض ہے۔ اُس کو سوچنا چاہیے کہ یہ وہ ہر ایک انسان کے قتل کا واقعہ نہ تھا بلکہ بلوہ اور بغاوت کر کے خلیفہ کی حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔ کیا اس جرم کی سزا کا مطالبہ بھی صرف ورثاء ہی کا حق تھا؟ دوسرے مسلمانوں کو بلوائیوں اور باغیوں کے لئے اِس سنگین بغاوت کی سزا کا مطالبہ کا حق نہ تھا؟ ظاہر ہے کہ اس کا حق سب مسلمانوں کو تھا۔

طبرانی نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ :۔

"جب قاتلین عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے بیعت کرنے کو کہا (مدینہ سے جو وفد بھیجا گیا تھا، اس میں کچھ بلوائی بھی ہوں گے) تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ :۔

"میں حضرت علی سے بیعت کرلوں گا، بشرطیکہ وہ یا تو خود قصاصِ عثمانؓ میں قاتلوں کو قتل کر دیں یا (اگر خود وہ نہ کر سکیں تو) اُن کو میرے حوالے کر دیں۔"

اور دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی :۔

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف في القتل انه كان منصورا	اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اس کے ولی وارث کے لئے مضبوط حق پھر وہ وارث بدلہ لیتے وقت مارنے میں زیادتی نہ کرے، تو بلا شک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب رہے گا۔"

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :۔

"مجھے اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر حضرت عثمانؓ کا قصاص نہ لیا گیا تو معاویہؓ ضرور غالب ہوں گے۔"

ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۱) ________ (ازالۃ الخفاء. جلد ۱ ص ۴۳۴

"ازالۃ الخفاء" میں بھی یہ روایت دوسرے الفاظ سے ہے مطلب ایک ہی ہے۔ اس سے ناقد کی تنقید کا جواب ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ کو مطالبہ دمِ (خونِ) عثمانؓ کا حق حاصل تھا۔ ابن عباسؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کا حق صرف وارثوں کو ہے!

رہا یہ کہ اس فریق نے بجائے مدینہ کا رُخ کرنے اور وہاں جا کر مطالبہ پیش کرنے کے جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے سب ورثا موجود تھے بصرہ کا رخ کیا اور فوج جمع کر کے خونِ

عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جو سراسر غیر آئینی طریقہ تھا۔ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ اس راست اقدام کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے اُن بلوائیوں کو نیچا دکھانے کی بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین و قانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے ؟

اس صورت حال نے فریق اول کو راست اقدام پر مجبور کیا، اُن کو ہر گز گوارہ نہ ہوا کہ خلیفۂ مظلوم کے قاتل یوں دندناتے پھریں کہ نہ حکومت اُن پر کوئی دارو گیر کرتی ہے۔ نہ جرم کی تحقیق کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کر کے ان کو سزا دے اگر مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ نہ کرے جب بھی حکومت بلوہ اور بغاوت کا جرم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتی، بلوائیوں اور ڈاکوں کے لئے نصِ قرآن موجود ہے۔

انما جزؤ الذین یحاربون اللہ و رسوله و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوآ او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف اوینفوا من الارض ذلك لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔

(پ٦ س٥ ع٥ ٩/٥)

یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو لڑتے ہیں خدا اور اس کے رسول سے اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں دھرتی میں فساد پھیلانے کے لئے اُن کو قتل کیا جائے یا وہ سولی چڑھائے جائیں، یا کاٹے جائیں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا نکال دیئے جائیں ملک سے، یہ اُن کی رسوائی ہے دُنیا میں اور اُن کے لئے پچھلے جہان میں بڑی سزا اور بڑا دکھ ہوگا۔

ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علیؓ کو معلوم تھا۔ ان کی قتل و غارت گری کا منظر بھی اُن کے سامنے تھا۔ پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ اُن سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی۔ پھر قاتلین کو قتل کیا جاتا۔ اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جھیلنے کی سزا دی جاتی۔

فریق اول کی طرف سے یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ :۔

حضرت علیؓ کو ان بلوائیوں کے دبانے کی طاقت نہ تھی۔ سارے عمال ان کے ساتھ مل جاتے تو وہ ایسا کر سکتے تھے۔”

فریق ثانی اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ :۔

اگر فی الواقع وہ عاجز تھے تو گورنر شام حضرت معاویہؓ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ :۔

۱۔ آپ ان کو میرے حوالہ کر دیں میں سزا دے دوں گا۔

۲۔ اگر یہ بھی نہ کر سکیں تو مجھے گرفتار کرنے کی اجازت دے دیں اور آپ اُن کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

اگر کسی شورہ پشت باغی جماعت کے دبانے سے مرکزی حکومت عاجز ہو جائے تو کیا صوبائی گورنر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ مرکز مجھے اجازت دے تو میں اس کی سرکوبی کے لئے کافی ہوں ؟ اس کو زمانہ قبل اسلام کی بد نظمی سے مشابہ قرار دینا ہمارے ناقد کی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہنا کہ :۔

”خونِ عثمانؓ کے مطالبہ کا حق اول تو حضرت معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا ہے۔“

صاف بتلا رہا ہے کہ وہ اس واقعہ کو صرف ایک نفس کے قتل کا جرم سمجھے ہوئے ہے۔ بلوہ اور بغاوت اور خلیفۂ مظلوم کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے سازش کرنے کے جرم سے آنکھیں بند کر رہا ہے کیونکہ اس جرم کی سزا کا مطالبہ صرف وارثوں کا حق نہ تھا بلکہ سب مسلمانوں کا حق تھا۔

ناقد کو اقرار ہے کہ :۔

”حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ چند دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت علیؓ سے ملے اور کہا۔“

”ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی۔ اب آپ اُن لوگوں سے بدلہ لیجئے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے۔“

اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس مطالبہ کا آپ کو حق نہیں بلکہ وارثانِ عثمانؓ کو ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ :۔

”جو کچھ آپ جانتے ہیں میں اس سے ناواقف نہیں ہوں، مگر میں اُن لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر؟“

اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے مکہ جاکر حضرت عائشہؓ سے مل کر بصرہ کا رُخ کیا تھا کہ حضرت علیؓ اُن بلوائیوں کو نہیں دبا سکتے، تو ہم اپنے حامیوں کی جماعت ساتھ لے کر بلوائیوں کو گرفتار کر کے سزا دلوائیں گے، مگر حضرت علیؓ کو اُن کے مشیروں نے اُلٹا سمجھایا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ باغی ہوگئے ہیں۔ اس لئے آپ مدینہ سے لشکر لے کر جس میں بلوائی بھی شامل تھے، خود بصرہ جا پہنچے، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل کا واقعہ رونما ہوا۔ اگر حضرت علیؓ ان بلوائیوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے تو فریقین میں جو گفتگوئے صلح اس موقع پر ہو رہی تھی کامیاب ہو جاتی اور جنگ کی نوبت نہ آتی۔ مگر بلوائیوں نے اس صلح میں اپنی موت دیکھی تو بے قاعدہ طریقہ سے جنگ برپا کر دی۔ پھر ہوا جو کچھ ہوا۔

یہ مقدمہ اب تک حل نہیں ہوا کہ جب حضرت علیؓ کو ان بلوائیوں باغیوں کا مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر اُن کو اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیا؟ اور بانی فتنہ محمد بن ابی بکر اور ملکِ اشتر نخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا گیا؟ کہ وہ ہر جگہ ہر مجلس اور ہر مہم میں آپ کے ساتھ ساتھ رہتے؟ اور سیاسی اور جنگی مہموں میں پیش پیش نظر آتے تھے؟

کیا ہمارے معترضِ ناقد جو درجہء اجتہاد پر پہنچنا چاہتے ہیں، اِس گتھی کو سلجھانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

پانچویں مرحلہ میں ناقد نے اس کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو ”خلیفہ“ کے بجائے ”مَلِكٌ“ (بادشاہ) ثابت کرے مگر یہ بھول گئے کہ قرآن نے تو طالوت کو بھی مَلِكٌ کہا ہے:۔

وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا۔! (پ٢، س٢ ع ١٦/٣٢)	اور فرمایا بنی اسرائیل کے نبی نے اُن کو کہ بلا شک اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر۔!

اور حدیثِ صحیح میں ہے جس کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ :۔

"اصحاب بدر کی تعداد اصحابِ طالوت کے برابر تھی جو اُن کے ساتھ نہر سے پار ہوئے تھے۔

وما جا و زہ الا مومن۔! اور اُن میں سب کے سب مومن کامل تھے۔

معلوم ہوا کہ ملک ہونا کوئی بری بات نہیں۔ ہاں **ملک عضوض** (کاٹ کھانے والا) ہونا برا ہے۔ سو حضرت معاویہؓ کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ **ملک عضوض** تھے۔ اُن کا حلم ضرب المثل تھا۔ وہ تو دشمنوں کو بھی اپنے حلم سے رام کر لیتے تھے، موافقوں کا تو کیا ذکر؟ اُن کی سخاوت اور سیاست کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ بیس سال خلیفہ رہے اور پورے عالمِ اسلام میں کوئی اُن سے جھگڑا کرنے والا نہ تھا۔ انھوں نے بلا نزاع اور اختلاف کے حکومت کی۔ بعد کے خلفا سے مخالفتیں بھی ہوئیں بلکہ بعض علاقے ان کے قبضہ سے نکل بھی گئے جس سے کعب الاحبارؒ کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ جیسی حکومت معاویہؓ کو ملے گی ویسی کسی کو نہیں ملے گی۔ حافظ ذہبی مشہور محدث فرماتے ہیں کہ :۔

"کعب الاحبار حضرت معاویہؓ کی خلافت سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کعب الاحبار کو یہ بات پہلی کتابوں سے معلوم ہوئی ہو گی۔ کیونکہ وہ کتب سابقہ کے بڑے عالم تھے۔"

(الصواعق الحرقہ صفحہ ۱۹۳)

پھر ابن کثیر مؤرخ و محدث نے بعض احادیث بھی روایت کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔

۱۔ امام حسنؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

"ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ معاویہؓ ولایت (حکومت) حاصل کر لیں گے۔"

۲۔ سعید بن المسیب جلیل القدر تابعی سے روایت ہے کہ :۔

"حضرت معاویہؓ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو وضو کرا رہے تھے۔ وضو کراتے ہوئے ایک

دوبار حضور ﷺ نے حضرت معاویہؓ کی طرف غور سے دیکھا، پھر فرمایا :۔

”اے معاویہؓ! اگر تم کو امارت مل جائے تو عدل و تقویٰ اختیار کرنا۔“

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ :

”مجھے خلافت کی امید حضور ﷺ کے اس اشارہ ہی سے ہو گئی تھی کہ۔ اے معاویہؓ جب تم والی بنائے جاؤ تو لوگوں کے ساتھ مروت و احسان کرنا۔“

اگر حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت ”ملک عضوض“ ”کٹ کھنی“ بادشاہت میں داخل ہوتی تو آپ صاف فرما دیتے کہ۔ اگر تم کو والی بنایا جائے تو حکومت ہر گز قبول نہ کرنا!

ابن کثیر نے بعض احادیث ایسی بھی روایت کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دعائیں بھی کی ہیں۔ ایک دُعا کے الفاظ یہ ہیں :۔

اللهم علم معاوية الحساب و الكتاب و قه العذاب	اے اللہ! معاویہؓ کو حساب و کتاب سکھا اور عذاب سے بچا!

(حضرت معاویہؓ کے مناقب اور اُن کے دفاع میں مستقل کتاب ”تطہیر الجنان“ لکھنے والے محدث و فقیہ) علامہ ابنِ حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

”یہ حدیث حسن ہے اور اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ اختلافی جنگوں کی وجہ سے آخرت میں بھی حضرت معاویہؓ پر کوئی گرفت نہ ہو گی۔ بلکہ ماجور ہوں گے مازور (ماخوذ) نہ ہوں گے۔!“

دوسری دعاء کے الفاظ یہ ہیں :۔

اللهم علمه العلم و اجلعله هاديا مهديا و اهده و اهد به۔	اے اللہ! معاویہؓ کو علم (دین) عطاء فرما اور اُن کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا۔ اُن کو ہدایت کر اور اُن کی وجہ سے دوسروں کو ہدایت کر۔!

جب حضرت عمرؓ نے اُن کو شام کا والی بنایا اس وقت اُن کی عمر چالیس سال سے بہت کم تھی، لوگوں نے کہا :۔

"آپ اس جوان کو اتنی بڑی حکومت دیتے ہیں؟

تو حضرت عمر نے یہی حدیث پیش کی کہ :۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ اے اللہ! معاویہؓ کو ہادی مہدی بنا اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت بخش"

کہا جاتا ہے کہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے، جس کے راوی سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ (حضور کے آزاد کردہ غلام) ہیں، کہ :۔

الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم تکون ملکا	میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ پھر بادشاہی ہو گی۔

اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے :۔

تدور رحی الاسلام لخمس و ثلاثین او ست و ثلاثین او سبع و ثلاثین۔! (رواہ ابوداؤد۔ مشکوۃ۔ ٤٦٥)	اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس سال یا چھتیس سال یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔!

اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ سینتیس سال کے بعد حکومتِ اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا۔ تو اس میں سات سال خلافتِ معاویہؓ کے بھی شامل ہیں۔ پھر اُن کو خلفاء سے الگ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفة کلھم من قریش	یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا، بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔!

(ص ١١٩ ج٢)

ان بارہ میں حضرت (امیر) معاویہؓ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور اُن کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ حدیث میں ان بارہ کو "خلیفه" کہا گیا ہے "ملك" نہیں کہا گیا۔

"مجمع الزوائد"--اور--"جامع صغیر" میں ہے :۔

ان عدة الخلفآء بعدی عدة نقبآء موسی۔!	میرے خلفاء کی تعداد موسیٰ علیہ السلام کے نقبآء کے برابر ہے۔

اس سے بارہ خلفاء کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔

قرآن میں بھی ایا ہے کہ :۔

و بعثنا منهم اثنی عشر نقیبا!	ہم نے قومِ موسیٰ میں بارہ نقیب مقرر کئے تھے۔!

ناقد نے حضرت امیر معاویہؓ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ :۔

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت نعمانؓ بن بشیر اُن کا خون سے بھرا قمیض اور اُن کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق لے گئے تو انھوں نے یہ چیزیں منظر عام پر لٹکادیں تاکہ اہل شام کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خونِ عثمانؓ کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں۔

اس (ناقد) کو سوچنا چاہیے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ بھی صحابی ہیں وہ یہ قمیض اور کٹی ہوئی انگلیاں شام کیوں لے گئے؟ شہادتِ عثمانؓ کی خبر ہی لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ ناقد نے یہ کہاں سے سمجھ لیا کہ۔ نعمان بن بشیرؓ اور حضرت معاویہؓ اس مظاہرہ سے حضرت علیؓ کے خلاف جذبات عامہ کو بھڑکانا چاہتے تھے؟ بلکہ اُن کا مقصد ان بلوائیوں مفسدوں کے خلاف جذبات کو بھڑکانا تھا جس کی اُس وقت ضرورت تھی تاکہ حضرت علیؓ جذباتِ عامہ کی رعایت کر کے جلد از جلد ان بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں کیونکہ ایسے مفسدوں کا ملک میں آزادی کے

ساتھ زندہ رہنا آئندہ کے لئے خطرہ کا باعث تھا چنانچہ بعد میں یہی لوگ خارجی بن کر حضرت علیؓ اور جملہ خلفاء کے لئے دردِ سر بن گئے۔

ابنِ کثیر کی روایت ہے کہ :۔

”جب حضرت علیؓ نے ابو مسلم خولانی کی قیادت میں کچھ لوگوں کو حضرت معاویہؓ کے پاس اپنی بیعت کی دعوت کے لئے بھیجا تو حضرت معاویہؓ نے جواب میں فرمایا :۔

”مجھے بیعت کرنے میں کوئی عذر نہیں، خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ علیؓ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، مگر آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ ظلماً قتل کئے گئے ہیں اور اُن کے قاتل حضرت علیؓ کے ہمراہی بن کر زندہ دندناتے پھر رہے ہیں؟ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ۔ علیؓ نے (معاذ اللہ) حضرت عثمانؓ کو قتل کیا، یا کروایا ہے، یا سازش کی ہے۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ان قاتلوں کو حضرت علیؓ نے پناہ دے رکھی ہے۔ آج وہ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے سپرد کر دیں یا انھیں خود قتل کر دیں، تو ہم سب اُن سے بیعت کر لیں گے۔ اور سب سے پہلے میں بیعت کروں گا۔“

”اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ صرف قاتلینِ عثمانؓ کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانا چاہتے تھے، حضرت علی کے خلاف نہیں۔!“

اس سے اُن روایات کا غلط ہونا بھی واضح ہو گیا، جو ناقد نے طبری وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ :۔

”حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت معاویہؓ نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ۔ حضرت علیؓ کو خونِ عثمانؓ کا ذمہ دار قرار دے کر اُن سے جنگ کی جائے“ یا ”انھوں نے پانچ گواہ تیار کیئے، جنھوں نے شہادت دی کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ (یعنی قتل کرایا ہے)۔!“

یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق اس قسم کی افواہیں لوگوں میں پھیل رہی ہوں، مگر یہ غلط ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ باتیں پھیلائی تھیں۔ کیونکہ ابن کثیر کی روایت سے یہ

بات ثابت ہے کہ خونِ عثمانؓ سے وہ حضرت علیؓ کو بالکل بری سمجھتے تھے اور اُن سے بیعت کرنے کو بھی تیار تھے اگر وہ قاتلانِ عثمانؓ کو پناہ دینے سے کنارہ کش ہو جاتے۔

حضرت عمارؓ کی شہادت

اس کے بعد ناقد نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کر کے لکھا ہے کہ :۔

> ”اس جنگِ (صفین) کے دوران ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ واقعہ یہ ہے کہ، حضرت عمارؓ بن یاسر جو حضرت علیؓ کی طرف تھے، حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمارؓ کے بارے میں یہ حدیث صحابہ میں مشہور تھی۔
>
> تقتلك الفئة الباغية تم کو ایک باغی گروہ قتل کریگا!“

پھر حافظ ابن حجر اور ابن کثیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ :۔

> ”قتل عمارؓ کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔!“

مگر یہ بات صحابہ پر واضح نہیں ہوئی، اگر اُن پر واضح ہو گئی ہوتی تو پھر تحکیم کی ضرورت کیا تھی؟ اور تحکیم کے بعد بقول ناقد کے حضرت علیؓ کے نمائندے ابو موسیٰ اشعری نے یہ کیوں کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں حضرات (علیؓ و معاویہؓ) کو الگ۔ الگ کر کے خلافت کے مسئلہ کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیں، وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں؟ ”نصِ صریح کے بعد اس قسم کی تحکیم کے کچھ معنی نہیں تھے، نہ کسی کو اس میں رائے زنی کا حق تھا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ قتل عمارؓ حضرت علیؓ کے حق پر ہونے اور حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے پر صحابہ کے نزدیک نص صریح نہیں تھا۔ بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت

علیؓ کی فوج میں بلوائی قاتلانِ عثمانؓ حیلہ و تدبیر سے شامل ہو گئے تھے۔ ممکن ہے اسی طرح کچھ بلوائی فوج معاویہؓ میں شامل ہو گئے ہوں اور انھوں نے حضرت معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لئے حضرت عمارؓ کو قتل کر دیا ہو، جس کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ قتل عمارؓ کے بعد بھی بات جہاں کی تہاں رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ تحکیم پر فریقین راضی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے بھی اس وقت یہ نہیں کہا کہ قتل عمار سے میرا حق پر ہونا واضح ہو چکا ہے۔ اب کسی تحکیم کی ضرورت نہیں رہی۔!

دوسرے-- "وفاء الوفاء"-- میں اس حدیث کو بزار وغیرہ کے حوالہ سے یوں بیان کیا گیا ہے

يا عمار ! لا يقتلك اصحابي، تقتلك الفئة الباغية	اے عمار! تم کو میرے صحابی قتل نہ کریں گے، بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔!

اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعتِ باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی (اور) جماعت تھی اور حضرت معاویہؓ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ پس اُن کو قاتل عمار کہنا ایسا ہی غلط ہے، جیسا حضرت علیؓ کو قاتلِ عثمانؓ کہنا غلط ہے۔ اور باغی گروہ اُس وقت بالاتفاق وہ بلوائی تھے جو حضرت عثمانؓ کے قاتل تھے۔ پس وہی گروہ قاتل عمار تھا جو خفیہ طریقہ سے فوج معاویہؓ میں شامل ہو گیا تھا۔ واللہ تعالی اعلم!

حضرت (امیر) معاویہؓ نے قتلِ عمارؓ کی خبر سن کر صاف فرمادیا تھا کہ

> "میری فوج سے کسی نے بھی حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا۔ میری فوج میری تابعدار ہے اور میں نے اسے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ حضرت عمارؓ پر کوئی ضرب نہ آنے پائے نہ اُن پر کوئی ہتھیار اُٹھائے، ہاں فوج علیؓ ان کی تابعدار نہیں ہے۔ یہ اُن ہی کا فعل معلوم ہوتا ہے۔ وہی قاتلِ عمارؓ ہیں۔!"

بہر حال حضرت معاویہؓ باغی نہ تھے۔ وہ طالبِ قصاص دمِ (خونِ) عثمانؓ تھے، جن کے بارے مین عبداللہ بن عباسؓ آیتِ قرآنی ----------

و من قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف في القتل انه كان منصورا (ازالة الخفا، ج ١ ص ٤٣٤)	اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اُس کے ولی وارث کے لئے مضبوط حق، پھر وہ وارث بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کرے (تو) بلاشک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب رہے گا!

------ کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر حضرت علیؓ نے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص نہ لیا تو اُن کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ مظفر و منصور ہوں گے۔

بس اس باب میں ہم کو وہ کہنا چاہیے جو فتنۂ خوارج کے متعلق ایک حدیث صحیح میں وارد ہے :

يخرجون في حين فرقة من الناس يقتلهم اولى الطائفتين بالحق!	یہ جماعت اس وقت نکلے گی جب مسلمانوں میں افتراق ہوگا اور اس گروہ کو وہ قتل کرے گا جو دونوں فرقوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ فتنۂ خوارج کا مقابلہ حضرت علیؓ نے کیا انکا ظہور اس وقت ہوا جب حضرت علی جنگِ صفین سے واپس کوفہ پہنچے اور دوبارہ شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ فتنہ اُن کے لئے مزید دردِ سر بن گیا۔ وہ اُسی فتنہ کے قلع قمع میں لگ گئے اور شام پر فوج کشی نہ کر سکے۔

حدیث میں فتنۂ خوارج کی ایک علامت بھی بتلائی گئی تھی کہ اُن میں ایک کالا آدمی ہوگا، جس کا ہاتھ عورت کے پستان کی طرح ہوگا۔ جب حضرت علی نے لشکر خوارج کو شکست دے دی تو اس شخص کو تلاش کیا گیا جو بہت سی لاشوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ :۔

”یہی وہ جماعت ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی اور میرے ہاتھوں سے قتل ہوئی!“

تو ہم کو یہی کہنا چاہیے کہ ”حضرت علی اور حضرت معاویہؓ“ رضی اللہ عنہما ”دونوں حق پر تھے“۔ مگر حضرت علی حق کے زیادہ قریب تھے۔ جیسے حنفی علماء کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؓ و امام

شافعیؒ دونوں حق پر ہیں۔ مگر ابو حنیفہ حق سے زیادہ قریب ہیں۔ جملہ ائمہ مجتہدین کے بارے میں اُن کے مقلدین یہی کہتے ہیں۔

صحابی کی نیت پر حملہ

آگے چل کر ناقد نے لکھا ہے کہ :۔

”حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اُس وقت حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے :۔

”ھذا حکم بیننا و بینکم۔“ ”یہ ہمارے اور تمھارے درمیان حکم (فیصل اور پنچ) ہے“

اس پر ناقد کا یہ کہنا کہ ”یہ ایک جنگی چال تھی۔“ مسلم ہے اور یہ کوئی جرم نہیں۔ ”الحرب خدعۃ“ حدیثِ مشہور ہے کہ جنگ تدبیر اور چال ہی کا نام ہے۔ مگر یہ مسلم نہیں کہ انھیں قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود نہ تھا۔ یہ ”صحابی کی نیت پر حملہ ہے۔“ جس کا ناقد کو کوئی حق نہیں۔ قرآن کو تو ہر مسلمان حکم مانتا ہے۔ ایک صحابی کے متعلق یہ خیال کرنا بڑی جرأت ہے کہ قرآن کو حکم بنانا اُن کا مقصد نہ تھا۔ البتہ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قتل عمار کا واقعہ دونوں فریق کے نزدیک کسی کے حق یا ناحق پر ہونے کی فیصلہ کن حجت نہ تھی۔ اب بھی قرآن کو حکم بنانے کی ضرورت باقی تھی۔

اس کے بعد ناقد نے تحکیم کے قصہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ پر تنقید اور حافظ ابنِ کثیر محدث و مورخ کے قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے

”جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اُٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا۔

میں کہتا ہوں، جو انصاف پسند آدمی جنگِ صفین کی پوری روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ حضرت علیؓ ان حالات میں دونوں طرف کے عوام کو سنبھال سکتے تھے۔ اُن کے ماننے والوں کی حالت تو یہ تھی کہ نیزوں پر قرآن اُٹھا ہوا دیکھ کر ان میں پھوٹ پڑ گئی اور حضرت علیؓ نے لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ، مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی۔

اور جب مالک اشتر نخعی نے جو فوج علیؓ کا کمانڈر انچیف تھا، جنگ بند کرنے سے انکار کیا تو حضرت علیؓ کی فوج کے نالائقوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ :۔

"اگر جنگ بند نہ کی گئی تو ہم آپ کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے حوالہ کر دیں گے۔!"

پھر تحکیم کے وقت حضرت علیؓ کا نمائندہ یہ کہتا ہے کہ :۔

"میرے رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں (یعنی حضرت علیؓ و معاویہؓ) کو خلافت سے الگ کر کے اس مسئلہ کو مسلمانوں کے مشورہ پر چھوڑ دیں۔"

جس سے معلوم ہوا کہ ان کے خاص آدمی بھی ان کے خلافت سے مطمئن نہ تھے کیونکہ جملہ عوام و خواص کو بخوبی سنبھالنے والا اُس وقت حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ اس کے برعکس فوج معاویہؓ اُن کی پوری تابعدار و مطیع تھی اور خاص و عام سب ہی اُن سے خوش تھے۔ اس حالت میں حضرت عمروؓ بن العاص نے جو کچھ کیا ہو عین تقاضائے وقت و مصلحت تھا۔ کیوں کہ آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت معاویہؓ نے دونوں طرف کے عوام و خواص کو بخوبی سنبھال لیا، کہ اُن کی بیس سالہ خلافت میں کسی طرف سے بھی ان کے خلافت بغاوت نہیں ہوئی اور اسلامی فتوحات کا سیلاب پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔ حضرت معاویہؓ نے ایک موقع پر خود فرمایا تھا کہ :۔

"مجھے علیؓ کے مقابلہ میں تین وجوہ سے کامیابی ہوئی ایک یہ کہ میں قریش میں محبوب تھا اور وہ محبوب نہ تھے۔ دوسرے میں اپنے رازوں کو مخفی رکھتا تھا، وہ مخفی نہ رکھتے تھے۔ (سب کے سامنے راز کی باتیں بیان کر دیا کرتے تھے) تیسرے میری جماعت دنیا میں سب سے زیادہ مطیع و فرمانبردار تھی اور ان کی جماعت سب سے زیادہ نافرمان تھی۔!"

جو شخص اِن حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے گا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا حضرت

عمرو بن العاصؓ نے جو کچھ کیا، وقت اور مصلحت کے طریقے کے موافق کیا۔ پھر اس تحکیم کے بعد حضرت علیؓ کی جو تقریر ناقد نے خود دیکھی ہے، اُسمیں حضرت عمرو بن العاصؓ پر وہ الزام نہیں لگایا گیا جو ناقد نے لگایا ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں :۔

"سنو! یہ دونوں صاحب جنھیں تم نے حکم مقرر کیا تھا، انھوں نے قرآن کے حکم کو پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلہ میں دونوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں!"

اس میں حضرت علیؓ نے ایک حکم پر نہیں بلکہ دونوں ہی پر الزام لگایا ہے۔ پھر کسی کو کیا حق ہے کہ کسی ایک کو موردِ الزام بنائے؟

کھلی عصبیت

www.alhaqq.org

اس کے بعد ناقد نے لکھا ہے کہ :۔

> "جب حضرت طلحہؓ نے حضرت علیؓ پر الزام لگایا کہ آپ خون عثمانؓ کے ذمہ دار ہیں۔ انھوں نے جواب میں فرمایا۔ لعن اللہ قتلة عثمانؓ۔ (عثمانؓ کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرنے لگے جو حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن الحارث الاشتر (نخعی) اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دے دیے۔ درآنحالیکہ قتلِ عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے کچھ ایسے اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ مگر دل یہی کہتا ہے کہ کاش امیر المومنین نے اس سے احتراز فرمایا ہوتا!"

اس پر پہلا سوال تو یہ ہے کہ :-

> "ناقد کو بتلانا چاہیے کہ قتل عثمانؓ کے بعد کسی وقت بھی محمد بن ابی بکر اور مالکِ اشتر نخعی حضرت علیؓ کے تقرب سے دور رہے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہ بتدریج کا لفظ کیوں لایا گیا؟"

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ :-

> "حضرت عثمانؓ نے ایسے عمال مقرر کیے جن پر سبائیوں کو اعتراض تھا تو وہاں آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ممکن ہے اس کے کچھ اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ یہ "کھلی عصبیت" نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ حضرت عثمانؓ پر سبائیوں کے اعتراض کو وزنی قرار دیا جائے اور حضرت علیؓ پر حضرت معاویہؓ اور طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعتراض کو یہ کہہ کر ہلکا کر دیا جائے کہ۔ کاش امیر المومنین ایسا نہ کرتے!"

اس کی مثال ایک دوسری عصبیت بھی ہے کہ "حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابت داروں کو حکومت کے منصب دیئے تو اس پر سبائیوں کے اعتراض کو بڑی شدت کے ساتھ بیان کیا گیا اور حضرت علیؓ نے اپنے قرابت داروں حضرت عبداللہ بن عباسؓ و عبیداللہ بن عباس و قثم بن عباس اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا تو ناقد نے یہ کہہ کر اعتراض ہلکا کر دیا کہ :-

> "اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ اِن کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا تھا اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں وہ انھی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے۔ جن پر پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ یہ صورتحال حضرت عثمانؓ کے دور سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اُن کو اپنے وقت میں امت کے تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون حاصل تھا۔"

ہمارے ناقد کو یہ الفاظ لکھتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا کہ جب حضرت علیؓ کے ساتھ

اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں والا گروہ تعاون نہیں کر رہا تھا اور ایک گروہ مخالف کیمپ میں تھا ایک گروہ آئے دن ان سے الگ ہو رہا تھا اس صورت میں اگر حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ فیصلہ کیا ہے جس پر ہمارا ناقد چراغ پا ہو رہا ہے تو بے جا کیا پھر یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کو تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون کیوں حاصل تھا؟ حضرت علیؓ کو اُن کا تعاون کیوں حاصل نہ ہوا؟ اور بڑے بڑے ذی صلاحیت حضرات دوسرے کیمپ میں (حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ) کیوں رہے؟ اور ایک گروہ آہستہ آہستہ حضرت علیؓ سے کیوں الگ ہوتا رہا؟

تنقید کرنا منہ کا نوالہ نہیں۔ اس کے لئے بڑی عمیق نظر اور وسیع علم و معرفت کی ضرورت ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتا تو اُس کی سمجھ میں آجاتا کہ اِن ہی وجوہ کی بنا پر حضرت امام حسنؓ نے خلعتِ خلافت کو اپنے کندھوں سے اُتار کر حضرت امیر معاویہؓ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا کہ جملہ عوام و خواص کو سنبھال لینے کی صلاحیت اُن میں سب سے زیادہ تھی اور اُن ہی کو بڑی بڑی صلاحیت والے صحابہ کا مکمل تعاون حاصل تھا۔

آخری مرحلہ میں ہمارے ناقد نے حضرت امیر معاویہؓ پر --- "یزید" --- کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے "ملوکیت" کا الزام قائم کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر بیٹے کو باپ کے بعد خلیفہ بنانا ہر حال میں سنت قیصر و کسریٰ ہے تو جب حضرت علیؓ سے اُن کی وفات کے قریب دریافت کیا گیا کہ :۔

"آپ کے بعد ہم امام حسن کو خلیفہ بنالیں؟"

تو انھوں نے لوگوں کو اس سے کیوں نہ روکا؟ بلکہ یہ فرمایا :۔

نعم ! ان رضیتم ہاں ! اگر تم اس پر راضی ہو تو بنا سکتے ہو۔

معلوم ہوا کہ بیٹے کا باپ کے بعد خلیفہ ہونا ہر حال میں ناجائز اور سنتِ قیصر و کسریٰ نہیں۔ بلکہ اگر قوم، یعنی اہل حل و عقد کی رضا مندی سے ایسا کیا جائے تو شرعاً کچھ حرج نہیں۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے کہ یزید کی ولی عہدی کا خیال حضرت معاویہؓ کو از خود نہیں ہوا بلکہ دوسرں نے اس کی تحریک کی اور حضرت معاویہؓ نے فوراً ہی اس پر عمل نہیں کیا بلکہ لوگوں سے برابر مشورہ

کرتے رہے۔ مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کئے اور اسی مشورہ کی خاطر سفر حجاز و حرمین بھی اختیار کیا اور بہت سوچ سمجھ کر اس معاملہ میں اقدام کیا۔ اگر اہلِ حل و عقد کی رضامندی کافی تھی، جیسا کہ حضرت علیؓ کے ارشاد سے معلوم ہوا تو اہل شام کی رضامندی یزید کی بیعتِ خلافت کے لئے کیوں کافی نہ تھی؟ شام ہی اُس وقت پایۂ تختِ خلافت تھا۔ اور اہلِ حل و عقد یہیں موجود تھے۔ حضرت معاویہؓ کا اہل شام کی رضامندی کے بعد دوسرے علاقوں کی رضامندی معلوم کرنا محض احتیاط کے درجہ میں تھا۔ ضرورت کے درجہ میں نہ تھا۔ اگر امام حسنؓ اہلِ کوفہ کی رضامندی سے خلیفۂ برحق بن سکتے ہیں تو اہل شام کی رضامندی سے یزید کی ولی عہدی کیوں برحق نہیں ہو سکتی؟

یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ پھر امام حسینؓ نے یزید کے خلاف خروج کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت امام کو روایتیں ایسی پہنچی تھیں جن سے یزید کا فاسق ہونا لازم آتا تھا اور فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ پس امام کا یزید کے خلاف خروج کرنا بالکل صحیح تھا۔

اس پر ناقد کا (مزید یہ کہنا کہ) :۔

> "اپنے بیٹے کی ولی عہدی کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انھوں نے (حضرت معاویہؓ نے) اس امکان کا (یعنی خلافت علی منہاج النبوت کا) بھی خاتمہ کردیا۔"

رطب و یابس روایات پر اعتماد اور حقائق سے چشم پوشی کی دلیل ہے کیا وہ ثابت کر سکتا ہے کہ اہل شام کو یزید کی ولی عہدی پر راضی کرنے کے لئے کسی خوف یا طمع سے کام لیا گیا؟ یا وہ از خود ہی راضی تھے؟ اور کیا وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اہل حل و عقد کی رضامندی کے بعد مملکت کے تمام صوبوں کی رضامندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے؟ اگر یہ دعویٰ کیا گیا تو حضرت علیؓ کی خلافت بھی ثابت نہ ہو سکے گی! کیونکہ اہلِ شام کی رضامندی اُن کو حاصل نہ تھی۔

پس اہل شام کے اہل حل و عقد کی رضامندی کے بعد مختلف علاقوں اور صوبوں سے وفود طلب کرنا اور اہل حجاز و حرمین سے استصواب رائے کے لئے خود سفر کرنا حضرت امیر معاویہؓ کی

غایتِ احتیاط کی دلیل ہے اور جو روایتیں خوف یا طمع دلانے کی بیان کی جاتی ہیں، وہ چونکہ صحابہ کی شان کے خلاف ہیں، اُن کو رد کیا جائے گا۔ کیونکہ جو شخص بلا ضرورت محض احتیاط کی بناء پر سب مسلمانوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے صعوبتِ سفر برداشت کر رہا ہو وہ ایسے کام نہیں کر سکتا، جو تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہیں۔

خلاصہ وتنبیہ

غالباً اس تفصیل سے ہمارے ناقد کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اول تو غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کرنے کا حق نہیں۔

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست !

پھر تنقید میں تصویر کے دونوں رخ کا دیکھنا ضروری ہے۔ ایک ہی رخ کا دیکھنا کافی نہیں۔ حضر معاویہؓ کے کمال تدبر اور دیانت وامانت کے لئے یہی بڑی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی آٹھ دس سالہ امارت کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جیسے امامِ عادل اشد ھم فی امر اللہ۔ متبع سنت خلیفۂ راشد کو کسی گرفت کا موقع نہیں دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے شام کا دورہ کیا تو آپ کو شکایت پہنچی کہ حضرت معاویہؓ بڑی کروفر سے رہتے ہیں اور حاجتمندوں کی حاجت روائی میں تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے ان سے وجہ دریافت فرمائی تو انھوں نے عرض کیا کہ :۔

”آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بے شمار ہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضیٰ یہ ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے ظاہری شان وشوکت سے رہیں اور ہر شخص کو جلد باریاب کر کے جری اور گستاخ نہ ہونے دیں اب اگر آپ حکم دیں گے تو میں اس طرز کو قائم رکھوں گا۔ ورنہ چھوڑ دوں گا۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

”ارے معاویہؓ! میں تم سے جو بات پوچھتا ہوں، اس میں تم اُلٹا مجھی کو الجھا دیتے ہو، اگر تم سچ

کہہ رہے ہو، تو یہ ایک عقلمندی کی رائے ہے، جو تم کو بتلائی گئی ہے، اور اگر یہ بات غلط ہے تو پھر یہ ایک چال ہے۔“

حضرت معاویہؓ نے عرض کیا :۔

”تو پھر آپ ہی کوئی قطعی حکم ارشاد فرمائیں؟“

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

”میں اس بارے میں تم کو کوئی حکم دیتا ہوں، نہ روکتا ہوں!“

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو اُس وقت وہاں موجود تھے، فرمایا کہ :۔

”جس بات میں خلیفہ نے آپ کو پھنسانا چاہا تھا۔ اُس سے آپ بڑی خوبی کے ساتھ نکل گئے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ :۔

> ”ان کی ان صلاحیتوں کی وجہ ہی سے تو ہم نے ان کو اتنی بڑی ذمہ داری سپرد کر رکھی ہے۔“ (ابن کثیر جلد نمبر ۸ ص ۱۲۵)

حضرت عمرؓ کی یہ رائے عالی حضرت معاویہؓ کے کمالِ صلاحیت و قابلیت کے لئے بڑی سند ہے۔ ایک بار کسی نے حضرت عمرؓ کے سامنے ان کی برائی کی تو فرمایا :۔

> ”جانے دو! وہ قریش کے جوانمرد اور سردار قریش کے بیٹے ہیں۔ وہ غصہ میں بھی ہنس دیتے ہیں اور جو کچھ انکے پاس ہے وہ ان سے نہیں لیا جا سکتا!“
>
> (ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۲۴)

ان ہی صلاحیتوں کی وجہ سے امام مظلوم حضرت عثمانؓ شہیدؓ نے اپنی خلافت میں اُن کو شام کی گورنری پر بدستور قائم رکھا، جو ہمارے ناقد کی نظروں میں بہت شدید کھٹک رہا ہے۔

خاتمہ

اب میں بحث کو ختم کرتا ہوں اور ناقد کو نصیحت کرتا ہوں کہ :۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا چھوڑ دیں۔ سب کا ادب ملحوظ رکھیں اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ :۔

تلك دمآء۔ طهر الله عنها سيوفنا فلنطهر عنها ألسنتنا	اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے خون سے ہماری تلواروں کو پاک رکھا ہے تو ہمیں اپنی زبانوں کو بھی اس سے پاک رکھنا چاہیے۔!
تلك امة قد خلت لها ما كسبت، ولكم ما كسبتم، ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔ ب١ ع١٦/ ١٥	وہ (جماعۃ صحابہ) ایک اُمت تھی جو گزر چکی ان کے لئے ہے جو (نیکیوں کا ذخیرہ) کمایا انھوں نے، اور تمھارے لئے ہے جو کمایا تم نے اور تم سے پوچھا نہیں جائیگا، اُن کاموں کے بارہ میں جو کئے انھوں نے۔!
ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا باالايمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين امنوا ربنا انك رؤف رحيم! (سورت الحشر ٤، پ ٢٨، ع ١/٤)	اے ہمارے پالنہار! پردے ڈالئے ہمارے گناہوں پر اور معاف کر دیجئے ہمیں اور ہمارے اُن (اسلام کے) بھائیوں (صحابہ و تابعین) کو جو ہم سے بازی لے گئے پہلے ایمان لانے میں، اور نہ رہنے دیجئے ہمارے دلوں میں کوئی بیر دشمنی اُن ایمان والوں کے لئے۔ اے ہمارے پالنہار! بلاشک آپ ہی ہیں نرمی اور میاموہ کرنیوالے مہربان!

اگر ناقد نے اس موضوع پر قلم نہ اٹھایا ہوتا تو میں اس پر ہرگز کچھ نہ لکھتا مگر مجبوراً مجھے قلم اُٹھانا پڑا تاکہ عوام میں غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ اور وہ حضرتِ عثمانؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہم کا بھی ویسا ہی احترام ملحوظ رکھیں جیسا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا احترام کرتے ہیں کہ ہمارے سب ہی بزرگ ہیں اور بارگاہِ رسالت کے سب ہی محبوب ہیں۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

فضائل جہاد

فضائل جہاد

بعد الحمد والصلوۃ۔ مارچ ۱۹۷۱ء سے بھارت نے سازش اور جارحیت سے کام لے کر پاکستانی علاقہ پر فوجی طاقت سے قبضہ کرنا چاہا۔ پاکستانی فوج نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ منہ توڑ جواب دیا جس سے بھارتی فوج کو ذلت آمیز شکست ہو رہی ہے۔ اب نومبر کے آخری عشرہ میں بھارت نے مشرقی پاکستان کی سرحد پر متعدد محاذوں سے توپ خانوں اور ٹینکوں کے ساتھ بھرپور حملے شروع کر دیئے ہیں اور روز نئے محاذ کھولے جا رہے ہیں۔ ادھر مغربی پاکستان کی سرحدات پر بھی ان کی پوری فوجی تیاری موجود ہے کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہے اور صدر پاکستان نے 23 نومبر کو ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا ہے۔

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اسلام اور اسلامی مملکت پاکستان کے دفاع کے لیے اپنی پوری قوت واستطاعت کے ساتھ تیاری کرے اور ہر جانی ومالی قربانی کے لیے تیار رہے اور دشمن کے ناپاک ارادوں کا جواب شجاعت وجوانمردی سے دیں۔

ملک کے عوام جہاد کے وقت حکومت اور عوام کی جو مدد بھی کریں بلاشبہ وہی ان کا جہاد ہے حکومت جس وقت بھی کسی سے جانی ومالی تعاون کی اپیل کرے اسے فریضۂ جہاد سمجھ کر دل و جان سے انجام دینا لازم وضروری ہے۔

نوجوانوں کو فوجی اور شہری دفاع کی تربیت دی جائے۔ جہاد کے سلسلہ میں جی چاہا کہ فضائل جہاد پر مختصر رسالہ تالیف کر کے میں اپنی اس ضعیفی میں پاکستان کے اس جہاد میں شرکت کروں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

باب اول

اللہ کے لیے سرحد اسلام پر رہنے کی ترغیب

۱۔ سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (کو راضی کرنے) کے لیے ایک دن سرحد اسلام کی نگہبانی کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑے کی جگہ تم کو مل جائے، یہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (اور جہاد کے لیے) صبح کو ایک بار چلنا یا شام کو ایک بار چلنا بھی دنیا و مافیہا سے بدرجہا بہتر ہے۔

۲۔ سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے کہ ایک دن رات سرحد اسلام کی حفاظت کرنا ایک مہینہ کے روزے اور ایک ماہ کی (نفل) نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اگر اس حالت میں مر گیا تو اس کے وہ اعمال جاری رہیں گے جو وہ کیا کرتا تھا۔ (یعنی ان اعمال کا ثواب موت سے ختم نہ ہو گا) اور اس کے لیے (جنت سے) رزق جاری کیا جائے گا۔ اور قبر کے فتنوں سے (منکر نکیر کے سوال و جواب) سے محفوظ رہے گا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن شہید بن کر مبعوث ہو گا، یعنی اس کو شہیدوں میں شمار کیا جائے گا۔

(مسلم وترمذی ونسائی وطبرانی وزاد بعث یوم القیامۃ شہیدا۔)

۳۔ فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”ہر میّت کا عمل موت سے ختم ہو جاتا ہے مگر جو شخص اللہ کے لیے سرحد اسلام کی حفاظت کر رہا ہو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور فتنۂ قبر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔“ ابوداؤد‘ ترمذی‘ اور ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکم نے شرط مسلم پر صحیح بتلایا ہے اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اور اخیر میں یہ زیادہ کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (یعنی نفس کو شریعت کا پابند بنا دے) اور یہ زیادتی ترمذی کے بعض نسخوں میں بھی ہے۔

۴۔ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”ایک مہینہ سرحد اسلام کی حفاظت کرنا صوم دہر سے افضل ہے اور جو شخص سرحد اسلام کی حفاظت ہی میں مر جائے وہ فزع اکبر سے محفوظ رہے گا اور اس کو صبح و شام جنت سے رزق دیا جائے گا اور اسکو سرحد اسلام کی حفاظت کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبر سے اٹھائیں۔“ طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

فائدہ : اس میں سرحد اسلام پر رہنے والوں کے لیے بشارت ہے جب کہ وہ حفاظت سرحد کی نیّت بھی کر لیں۔

۵۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرحد اسلام کی حفاظت کا ثواب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ جو شخص مسلمانوں کے پیچھے پہرہ دار بن کر سرحد یا مورچہ کی حفاظت کرے‘ اس کو ان سب لوگوں کے اعمال کا ثواب ملے گا جو اس کے پیچھے

نماز روزہ میں لگے ہوئے ہیں۔

(طبرانی در اوسط بسند جید)

فائدہ: دارالاسلام میں جو لوگ بے فکری اور چین کے ساتھ نماز روزہ ذکر و شغل اور تلاوت قرآن وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں یہ سب ان سپاہیوں اور فوجیوں کی بدولت ہے جو سرحد کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر سرحد کی حفاظت چھوڑ دی جائے تو دشمن ملک کے اندر گھس کر فساد برپا کر دے اور مخلوق کا امن و اطمینان برباد ہو جائے۔ اس لیے سرحد کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں اور افسروں اور اس بادشاہ اسلام کو جو حفاظت سرحد کے لیے فوج مقرر کرتا ہے ان سب لوگوں کے اعمال صالحہ کا ثواب ملتا رہتا ہے جو ملک کے اندر ان کی حفاظت کی بدولت نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ پس ان مسلمانوں کو جو اسلامی سرحد پر رہتے ہیں ‘حفاظت سرحد کا بہت اہتمام رکھنا چاہیئے۔ ان لوگوں کو فرض نماز اور فرض روزہ زکوٰۃ وغیرہ واجبات اسلام کے ساتھ ساتھ سارا وقت ان کاموں میں صرف کرنا چاہیے جو حفاظت سرحد میں کام آنے والے ہیں جیسے گھوڑوں کی حفاظت ‘اسلحہ کی درستی‘ نشانہ بازی‘ حفظان صحت کے لیے ورزش اور پریڈ وغیرہ۔

۶۔ ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اسلامی سرحد (یا مورچہ) کی حفاظت کرنے والے کی ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر اور اس میں ایک دینار یا ایک درہم خرچ کرنا دوسرے کاموں میں سات سو دینار خرچ کرنے سے افضل ہے۔ (بیہقی)

باب دوم

اللہ کے راستہ میں پہرہ دینے کی ترغیب

۷۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو (دوزخ) کی آگ چھوئے گی بھی نہیں۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیا ہو۔" (ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب بتلایا ہے)۔

۸۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے راستہ میں ایک رات (لشکر اسلام کا) پہرہ دینا ہزار راتوں سے افضل ہے جن میں رات بھر عبادت کی گئی ہو۔ اور دن کو روزہ رکھا گیا ہو۔" (حاکم نے روایت کیا اور صحیح الاسناد بتلایا)۔

www.drlehaq.org

باب سوم

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور مجاہدوں کے لیے سامان جہاد مہیا کرنے اور انکے پیچھے انکے اہل و عیال کی خبر گیری کرنے کی ترغیب

۹۔ خریم بن فاتکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے اللہ کے راستہ میں

(جہاد کے لیے) کچھ خرچ کیا' اس کے لیے اس کا سات سو گنا لکھا جاوے گا۔ (یعنی اس خرچ سے سات سو گنا کے برابر ثواب لکھا جائے گا۔ نسائی و ترمذی) اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتلایا ہے۔

۱۰۔ اور بزار نے ربیع بن انس کے واسطے سے ابو العالیہ سے یا ان کے سوا کسی اور سے ابو ہریرہؓ سے حدیث معراج میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک گھوڑا یعنی (براق) پیش کیا گیا جس کا ہر قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ آپؐ (اس پر سوار ہو کر) تشریف لے گئے۔ جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے کہ آپ کا گزر ایک قوم پر ہوا جو ایک دن میں (غلہ) اگاتے اور اسی دن میں کھیتی کاٹ لیتے تھے۔ جب وہ کاٹ چکتے تو کھیتی پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل ! یہ کون لوگ ہیں؟ کہا' یہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اُن کو ایک نیکی پر سات سو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ان کو اور دے دیتے ہیں۔ اس کے بعد لمبی حدیث بیان کی۔

۱۱۔ زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے اللہ کے راستہ میں کسی غازی کو سامان (جہاد) دیا وہ بھی غازی ہے اور جس نے غازی کے اہل وعیال کی اس کے پیچھے خبر گیری کی وہ بھی غازی ہے۔"

(بخاری و مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی) اور ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اس طرح روایت کیا ہے۔"

جس نے اللہ کے راستہ میں کسی غازی کو سامان (جہاد) دیا یا اس کے پیچھے اس کے اہل وعیال کی خبر گیری کی' اس کے واسطے بھی غازی کے برابر ثواب لکھا جائے گا۔ غازی کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

۱۲۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو لحیان کے پاس پیغام بھیجا کہ ہر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی جہاد کے لیے نکلے پھر گھر پر بیٹھنے والوں سے فرمایا تم میں جو اس (جہاد) میں جانے والے کے اہل و عیال کی خبر گیری کرے گا اس کو مجاہد کے برابر ہی ثواب ملے گا۔ (مسلم، ابوداؤد وغیرہما)

فائدہ: مجاہد اسی وقت جہاد کر سکتا ہے جب اس کے پاس سامان جہاد ہو اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے بے فکر ہو۔ اس کی صورت یہی ہے کہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں، کچھ لوگ ان کو سامان دیں، کچھ لوگ ان کے اہل و عیال کی خبر گیری کریں۔ اگر سب آدمی جہاد میں چلے جائیں تو پیچھے ان کے بال بچوں کی حفاظت اور خبر گیری کون کرے گا۔ چونکہ سامان دینے والوں اور بیوی بچوں کی خبر گیری کرنے والوں کے ذریعہ ہی سے مجاہد جہاد کر رہا ہے اس لیے ان لوگوں کو بھی مجاہد کے برابر ثواب ملے گا۔ اور یہ سب عند اللہ مجاہد گنے جائیں گے۔ مسلمانو! یہ کتنی سستی دولت ہے کہ گھر بیٹھے جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ اس میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔

۱۳۔ عبداللہ بن سہل بن حنیفؓ (اپنے والد ماجد سہلؓ) بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مدد کی یا اس شخص کی جو اپنے خاندان کی وجہ سے تاوان میں لد گیا ہو یا اس شخص کی جو اپنی گردن آزاد کرنے کے لیے کتابت کر چکا ہے، مدد کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ میں پناہ دیں گے جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (احمد و بیہقی)

۱۴۔ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”جس نے غازی کے سر پر سایہ کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سایہ میں پناہ دیں گے اور جس نے اللہ

کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کو سامان (جہاد) دیا اس کو مجاہد کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے اللہ کے واسطے مسجد بنائی جس میں اللہ کا نام لیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنّت میں ایک مکان بنائیں گے۔"

(ابن حبان در صحیح و بیہقی)

۱۵۔ ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمام صدقات میں بہتر صدقہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سایہ کے لیے ایک خیمہ دینا اور ایک خادم اللہ کے راستہ میں (جہاد کرنے والے کو) ایک نوجوان اونٹنی اللہ کے راستہ میں 'جہاد کرنے کے لیے' دے دینا ہے ۔ترمذی نے اس کو روایت کیا اور حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

فائدہ : چونکہ اس زمانہ میں اونٹنی ہی پر زیادہ سفر ہوتا تھا اس لیے اونٹنی کا ذکر فرمایا۔ آج کل اس کی مثل موٹر یا جیپ یا گھوڑا وغیرہ ہے۔

باب چہارم

جہاد کے لیے گھوڑا پالنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت

جب کہ ریاء و نام وری مقصود نہ ہو

۱۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"جس نے اللہ کے راستہ میں (جہاد کرنے کے لیے) اللہ پر ایمان لا کر اس کے وعدہ کو سچا سمجھ کر گھوڑا پالا تو اس گھوڑے کا کھانا پینا اور پیشاب قیامت کے دن اس شخص کے میزان عمل میں ہوگا۔ (یہ سب) نیکیاں (بن کر میزان اعمال میں رکھی جائیں گی اور وزن) ہو

گی۔"

فائدہ: یہ مطلب نہیں کہ میزان اعمال میں گھوڑے کا گھاس، دانہ، پانی اور لید پیشاب رکھا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ سب نیکیاں بن جائیں گی اور وہ نیکیاں میزان عمل میں وزن کی جائیں گی۔

۱۷۔ سہل بن حنظلہؓ سے روایت ہے اور یہ سہل ربیع بن عمرو کے بیٹے ہیں۔ (حنظلہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ انھی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہیں) وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو گھوڑوں پر خرچ کرتا ہے وہ اس شخص جیسا ہے جس نے خیرات و صدقہ کے ساتھ ہاتھ کھول دیا پھر اپنے ہاتھ کو بند نہیں کرتا۔" (کنایہ ہے کثرت سخاوت سے) اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

۱۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک بھلائی رکھ دی گئی ہے۔" اس حدیث کو امام مالکؒ نے اپنے موطأ میں اور امام بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں) اور نسائی و ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں روایت فرمایا ہے۔

باب پنجم

جہاد میں چلنے اور غبار (اڑاتے) اور خوف (جھیلنے) کی فضیلت

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کے راستہ میں کسی بندہ کے دونوں قدم غبار آلود ہو جائیں، پھر ان کو آگ بھی چھولے"۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ "جس شخص کے دونوں قدم خدا کے راستے میں غبار آلود ہو جائیں وہ آگ پر حرام ہیں۔"

۲۰۔ ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جس کا چہرہ خدا کے راستہ میں غبار آلود ہوا ہو' حق تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جہنم کے دھوئیں سے ضرور مامون فرمائیں گے۔ اور (ایسے ہی) جس کے دونوں قدم خدا کے راستہ میں غبار آلود ہوئے ہوں' حق تعالیٰ ان قدموں کو قیامت کے روز آگ سے ضرور محفوظ فرمائیں گے"۔

اس حدیث کو بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

۲۱۔ طبرانی نے عمرو بن قیس کندی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں! ہم ابو الدرداءؓ کے ساتھ غزوۂ صائفہ (روم) سے واپس آرہے تھے تو انھوں نے فرمایا' اے لوگو! جمع ہو جاؤ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے قدم خدا کے راستہ میں غبار آلود ہو جائیں حق تعالیٰ اس کے جسم کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔

۲۲۔ ربیع بن زیادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کہیں (جہاد کے لیے) تشریف لے جا رہے تھے کہ ناگاہ ایک قریشی پر آپ کا گزر ہوا جو راستہ سے ہٹ کر چل رہا تھا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ کیا یہ فلاں لڑکا نہیں ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہؐ (وہی ہے)

آپ نے فرمایا اس کو پکارو۔ صحابہؓ نے پکارا اور وہ حاضر ہوا (تو) آپؐ نے فرمایا تجھے کیا ہوا تو راستہ سے کیوں ہٹ گیا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے غبار برا معلوم ہوا۔ آپؐ نے فرمایا (آئندہ) راستہ سے نہ ہٹا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ' کی جان ہے یہ غبار جنت کی خوشبو ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی مراسلات میں روایت کیا ہے۔

۲۳۔ ابو المصبح المقرائی سے روایت ہے کہ سر زمین روم پر ہم ایک لشکر میں جا رہے تھے جس کے امیر مالک بن عبداللہ الخثعمی تھے۔ ناگاہ ان کا گزر جابر بن عبداللہؓ پر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے خچر کو ہانک رہے ہیں' اور خود پیدل چل رہے ہیں' تو ان سے مالک نے کہا اے ابو عبداللہ' یہ کنیت ہے جابرؓ کی' سوار ہو جاؤ۔ خدا نے آپ کو سواری دی ہے۔ جابرؓ نے فرمایا' میں اپنی سواری کو راحت دیتا اور اپنی قوم سے مستغنی رہنا چاہتا ہوں (مبادا خچر تھک جائے اور دوسروں سے سواری مانگنا پڑے اس لیے پہلے ہی سے میں نے یہ انتظام کر لیا کہ کچھ دیر پیدل چلتا ہوں) کہ خچر تھکنے نہ پائے اور میرا استغناء باقی رہے اور (دوسری بات یہ ہے کہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے قدم خدا کے راستہ میں غبار آلود ہو جائیں اس کو حق تعالیٰ آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (یہ فرمایا) اور آگے چلے گئے یہاں تک کہ جب اتنی دور پہنچ گئے کہ سب لوگ آواز سن سکتے تھے تو (مالکؓ نے پھر) بلند آواز سے پکارا اے ابو عبداللہ سوار ہو جایئے آپ کو خدا نے سواری دی ہے تو جابرؓ مالکؓ کا مقصود سمجھ گئے (کہ مالکؓ یہ چاہتے ہیں کہ تمام لشکر اس حدیث کو سن لے) تو حضرت جابرؓ نے فرمایا۔ میں اپنی سواری کو راحت دیتا اور قوم سے مستغنی رہنا چاہتا ہوں (اور یہ بھی ہے) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خدا کے راستہ میں جس کے قدم غبار آلود ہو جائیں' حق تعالیٰ اس کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔ (یہ سنتے ہی) لوگ اپنی اپنی سواریوں سے کود پڑے۔ (ابو المصبح فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روز سے زیادہ پیادہ پا لوگوں کا مجمع نہیں دیکھا۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور الفاظ ابن حبانؒ ہی کے ہیں۔

۲۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (جہاد کے لیے) خدا کے راستے میں کسی کے دل میں خوف اور گریہ پیدا نہیں ہوتا مگر حق تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور راوی سند کے ثقہ ہیں۔

باب ششم

جہاد میں شہید ہونے کی دعا کرنے کی ترغیب

۲۵۔ سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی صدق دل سے خدا سے شہادت کی دعا مانگے تو حق تعالیٰ اس کو شہداء کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ بستر پر ہی کیوں نہ مرا ہو۔“

اس کو سوائے بخاری کے اصحاب ستہ نے روایت کیا۔

۲۶۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو صدق دل سے شہادت طلب کرتا ہے اس کو (شہادت کا درجہ) مل جاتا ہے (اگرچہ شہید نہ ہو)“۔ اس کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے روایت کر کے کہا کہ شیخینؒ کی شرط کے موافق صحیح ہے۔

۲۷۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص خدا کے راستے میں تھوڑی دیر بھی جہاد کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور جو شخص صدق دل سے قتل کا سوال کرے پھر مر جائے یا قتل ہو جائے تو اس کو شہید کا اجر ہو گا اور جو حج کے قصد سے خدا کے راستے میں نکلے یا اس کو کوئی زخم (اللہ کے راستہ میں) پہنچ جائے تو قیامت کے دن وہ زخم تازہ اور نہایت خون آلود ہو گا اس کا رنگ تو زعفرانی ہو گا اور خوشبو مشک جیسی ہو گی۔ پھر حدیث کو پورا ذکر کیا۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے ذکر کر کے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

باب ہفتم

خدا کے راستہ میں تیر اندازی کرنے اور سیکھنے کی ترغیب

۲۸۔ عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”واعدوالھم ماستطعتم من قوۃ“ ”دشمنوں کے مقابلے کے لیے جتنا تم سے ہو سکے قوت کا سامان جمع کرو، میں قوت (سے مراد) تیر اندازی ہے۔ اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: آج کل تیر کی جگہ رائفل، بندوق، توپ اور راکٹ کا نشانہ سیکھنا ہے۔

۲۹۔ عقبہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حق تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین لوگوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ایک تو اس کے بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں بھلائی کا قصد کرتا ہے اور دوسرا اس کے چلانے والے کو اور تیسرا اس کو جو (تیر انداز کو تیر پکڑا رہا ہے۔ ”اے لوگو“ تیر اندازی کرو اور سواری سیکھو اور اگر تم تیر اندازی سیکھو تو میرے نزدیک سواری سیکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور جو تیر اندازی سیکھ کر اعراض کر کے اس کو چھوڑ دے تو اس نے ایک نعمت خداوندی کو چھوڑ دیا یا یوں فرمایا اس نے ناشکری کی۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا اور الفاظ بھی اسی کے ہیں۔ اور بیہقی کی ایک روایت میں یوں ہے۔ عقبہؓ بن عامر نے کہا رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا۔ حق تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ایک تو اس کے بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں بھلائی اور ثواب کا قصد کرے۔ دوسرے اس شخص کو جو خدا کے راستہ میں جہاد کے لیے بطور جہاد کے تیر مہیا کر

کے دے اور تیسرے اس کو جو خدا کے راستہ میں اس کو چلائے۔

۳۰۔ سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جماعت پر گزرے جو آپس میں تیر اندازی کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے بنی اسمٰعیلؑ! تیر اندازی کرو۔ تمھارے باپ (اسمٰعیل علیہ السلام بھی) تیر انداز تھے۔ (ہاں) تیر چلاؤ میں بنی فلاں کی طرف ہوں۔ اس پر ایک جماعت نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ آپؐ نے فرمایا' تمھیں کیا ہوا؟ تم تیر اندازی کیوں نہیں کرتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ حضرت! کیسے تیر اندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ بنو فلاں کے ساتھ ہیں تو آپؐ نے فرمایا (اچھا) تیر اندازی کرو میں (کسی خاص جماعت کے ساتھ نہیں بلکہ تم سب کے ساتھ ہوں۔ اس حدیث کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔

۳۱۔ ابو الدرداءؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ "جو شخص (تیروں کو جمع کرنے کے لیے) دو نشانہ گاہوں کے درمیان چلے اس کو ہر قدم کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

۳۲۔ عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو تیر اندازی جانتا ہو پھر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے یا (آپؐ نے فرمایا) اس نے نافرمانی کی۔" اس کو مسلم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر ابن ماجہ نے (یوں) کہا کہ جو تیر اندازی سیکھے پھر اس کو چھوڑ دے اس نے میری نافرمانی کی۔

۳۳۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپؐ نے فرمایا جو شخص تیر اندازی سیکھے پھر اسے بھلادے تو وہ ایک نعمت تھی جس کی اس نے ناشکری کی۔

اس کو بزار نے اور طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اچھی سند سے روایت کیا ہے۔

فائدہ : گذشتہ احادیث سے تیر اندازی کے فضائل معلوم ہوئے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا حربۂ جنگ تھا۔ مگر چونکہ آج کل یہ زیادہ کار آمد نہیں ہے اس لیے اس کے بجائے بندوق، توپ، راکٹ، مشین گن وغیرہ چلانا اور سیکھنا اس کی فضیلت رکھتا ہے۔

نیز واعدوالهم ما ستطعتم من قوة کا عموم بھی اسی پر دال ہے

والله اعلم بالصّواب

باب ہشتم

جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب اور جہاد میں زخمی ہونے کی فضیلت

۳۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا اس کے بعد فرمایا خدا کے راستہ میں جہاد کرنا۔ عرض کیا گیا۔ پھر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حج مقبول۔ اس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا، خدا پر ایمان لانا اور اس کے راستہ میں جہاد کرنا (آخر حدیث تک) اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۳۶۔ ابو بکر بن ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ابو موسیٰ اشعریؓ سے سنا جب کہ وہ صفِ قتال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں تو ایک شخص پراگندہ صورت کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ میں تم پر سلام کرتا ہوں۔ یعنی میرا اسلام ہو۔ پھر اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن کی طرف چلا گیا اور تلوار چلاتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔" اس کو مسلم و ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۷ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی زخمی نہیں ہو گا جو خدا کے راستہ میں زخمی کیا گیا ہے، مگر قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہو گا جس کا رنگ تو خون کا ہو گا مگر خوشبو مشک کی ہو گی۔" اور ایک روایت میں ہے کہ :۔

"وہ زخم جو خدا کے راستہ میں لگا ہو۔ قیامت کے دن ویسا ہی ہو گا جیسا زخم کھانے کے وقت تھا کہ خون بہتا ہو گا۔ رنگ تو خون کا ہو گا مگر خوشبو مشک کی ہو گی۔"

اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا ہے۔

۳۸۔ ابو امامہؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو قطروں اور دو نقش قدم سے زیادہ محبوب خدا کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ ایک قطرہ تو وہ آنسو ہے جو خدا کے خوف سے گرے اور ایک قطرہ اس خون کا ہے جو خدا کے راستے میں بہایا جائے اور نقش قدم ایک تو وہ ہے جو خدا کے راستے میں (جہاد کے لئے) پڑے اور ایک خدا کے فرائض میں سے کسی فریضہ کے ادا کرنے میں (نماز، حج وغیرہ کے لئے) پڑتا ہے۔"

اس کو ترمذی نے روایت کر کے حسن غریب کہا ہے۔

باب نہم

جہاد میں نیت خالص رکھنے کی ترغیب

۳۹۔ ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ! بعض آدمی تو مالِ غنیمت (حاصل کرنے) کے لئے جہاد کرتے ہیں اور بعض اس لئے جہاد کرتے ہیں کہ لوگوں میں چرچا ہو اور بعض اس لئے جہاد کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس کا مرتبہ (بہادری کا) معلوم ہو۔ تو ان میں سے خدا کے لئے کون سا جہاد ہے۔ آپ نے فرمایا ”جو اس لئے جہاد کرے گا کہ خدا کا بول بالا ہو، وہ خدا کے راستہ میں ہے۔“ اس کو صحاح ستہ والوں نے روایت کیا ہے۔

باب دہم

جنگ سے بھاگنے پر وعید کا بیان

۴۰۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سات ایسی چیزوں سے بچو جو ہلاک کرنے والی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رسول اللہ! ﷺ۔ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور سحر کرنا اور محترم نفس کو قتل کرنا مگر یہ کہ اس کے جرم کے ساتھ ہو (زنا،

قصاص وغیرہ) اور سود کھانا اور یتیم کا مال دبا لینا اور جنگ کے دن پشت دکھلانا یعنی بھاگ جانا) اور پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں کو تہمت لگانا۔“

اس کو بخاری و مسلم وغیر ہما نے روایت کیا ہے۔

۴۱۔ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”تین چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہے:

(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔

(۲) والدین کی نافرمانی کرنا اور

(۳) (جہاد میں) لڑائی سے بھاگ جانا

اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔

۴۲۔ عبد بن عمیرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ:۔

”خدا کے دوست درود بھیجنے والے ہیں اور وہ لوگ جو پانچوں نمازیں کہ خدا نے فرض کی ہیں، پڑھنے والے ہیں اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور روزہ سے ثواب کا قصد کرتے ہیں اور اسی طرح ثواب حاصل کرنے کے لئے طیب خاطر سے زکوۃ دیتے ہیں اور بڑے گناہوں سے جن سے خدا نے منع کر دیا ہے، بچتے ہیں۔ تو آپ ﷺ کے اصحابؓ میں سے ایک شخص نے عرض کی، اے رسول اللہ ﷺ گناہ کبیرہ کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا نو ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا شرک ہے اور ناحق مسلمان کو قتل کر دینا اور جہاد میں لڑائی سے بھاگ جانا اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانا اور جادو کرنا اور یتیم کا مال دبا لینا اور سود کھانا اور مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا او، قبلہ بیت الحرام (خانہ کعبہ) کو زندوں اور مردوں کے لئے حلال سمجھنا (یعنی

اس کی بے حرمتی کرنا) کوئی (شخص ایسی حالت میں) نہیں مرے گا کہ اس نے یہ بڑے گناہ نہ کئے ہوں اور نماز پڑھتا رہا ہو اور زکوۃ دیتا رہا ہو مگر وہ محمد (ﷺ) کے ساتھ جنت کے وسط میں رہے گا۔ جس کے دروازے سونے کی چوکھٹوں کے ہوں گے۔"

اس کو طبرانی نے کبیر میں اچھی سند سے روایت کیا ہے۔

باب یازدہم

اس شخص کے متعلق وعید کا بیان جو نہ جہاد کرے اور نہ جہاد کی نیت کرے

۴۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

"جب تم آپس میں کمی زیادتی کے ساتھ سامان فروخت کرنے لگو۔ بیل گائے کی دموں کو پکڑ لو۔ کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو تو ذلت کو حق تعالیٰ تم پر مسلط کر دے گا، یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف پھر لوٹ آؤ۔" ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۴۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

"جو شخص مر جائے اور جہاد نہ کرے بلحہ جہاد کا خطرہ بھی اس کے دل میں نہ گزرا ہو تو وہ (العیاذ باللہ) نفاق کے شعبہ پر مرا ہے۔"

اس کو مسلم ابو داؤد و نسائی نے روایت کیا ہے۔

۴۵۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”کوئی قوم جہاد نہیں چھوڑتی۔ مگر حق تعالیٰ ان سب پر عذاب کو مسلط کر دیتا ہے۔“ اس کو طبرانی نے اچھی سند سے روایت کیا ہے۔

۴۶۔ حضرت ابو عمران ؓ سے روایت ہے کہ ہم مدینۃ الروم میں تھے۔ (یہ شہر کا نام ہے) کہ ہماری طرف رومیوں کا بہت بڑا لشکر نکلا۔ ان کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے بھی انھی کے برابر بلکہ ان سے زیادہ لشکر گیا۔ مصری لشکر پر عقبہ بن عامر ؓ امیر تھے اور باقی جماعت پر فضالہ بن عبید تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے (یکہ و تنہا) روم کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ حتی کہ صفوں کو چیرتا ہوا درمیان میں گھس گیا۔ لوگ بہت چیخے اور کہنے لگے، سبحان اللہ! اپنے ہاتھوں ہلاکت مول لیتا ہے تو ابو ایوب (انصاری) کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ لوگو! تم اس آیت (لا تلقوا بايديكم الى التهلكة) ”اپنے ہاتھوں ہلاکت نہ کرو“ کی یہ تفسیر کرتے ہو حالانکہ اس کا نزول تو ہم جماعت انصار کے بارہ میں ہوا تھا جب کہ اسلام کو شوکت دے دی اور اس کے معاون و مددگار بہت ہو گئے تو ہم میں سے بعض لوگ آپس میں خفیہ طور پر کہنے لگے۔ چونکہ ہمارے اموال ضائع ہو چکے ہیں اور خدا نے اسلام کو شوکت دے دی ہے۔ اس کے مددگار بہت ہو گئے ہیں (اب خاص طور پر ہماری امداد کی اسلام کو ضرورت نہیں) تو اگر ہم اپنے باغات، زمین وغیرہ میں ٹھہرے رہیں اور جو کچھ ضائع ہو چکا ہے اس کو (پھر) درست کر لیں (تو اچھا ہو)۔

حق تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وہ آیت نازل فرمائی جس سے مقصود ہمارے قول کی تردید کرنا تھا اور خدا کے راستہ میں جو فقیر ہو گئے تھے اُن کے لئے یہ نازل ہوا تھا:

ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة

تو ہلاکت اپنے اموال میں بیٹھ جانا اور اُن کو درست کرنا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے (نہ کہ جہاد کرنا)، چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ ہمیشہ جہاد کے لئے کمر بستہ رہے حتی کہ روم کی ہی زمین میں دفن کر دیے گئے۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث غریب اور صحیح ہے۔

فائدہ : اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ جہاد جس سے ہم آج خائف ہیں اور جہاد کو سبب ہلاکتِ اموال وانفس خیال کئے ہوئے ہیں۔ وہی جہاد ہمارے اسلاف کے نزدیک سببِ ترقیات دینی ودنیوی تھا۔ وہ جہاد چھوڑ دینے کو سببِ ہلاکت سمجھتے تھے اور ہم جہاد کرنے کو باعثِ ہلاکت سمجھے ہوئے ہیں۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تابکجا

وہ مسلمان جو کبھی ناموسِ اسلام پر جان دے دینا بھی کھیل سمجھتے تھے، آج تھوڑی سی قربانی کے لئے بھی تیار نہیں۔ ہاں ترقی ترقی کے الفاظ ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ اور اس کا طریقہ انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یورپ کے طریق پر چلیں اور اُس کے اطوار وعادات اختیار کریں۔ اگر انھوں نے عورتوں کو بے حجاب کر کے اپنی عقل کا ماتم کیا ہے تو مسلمان اُن سے کیوں پیچھے رہیں۔ اگر انھوں نے شراب نوشی کر کے اپنی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے تو ہم ان سے دو قدم آگے کیوں نہ ہوں۔ میں ایسے لوگوں کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ وہ ترقی اور ہلاکت دونوں کا حدیثِ بالا کی روشنی میں بغور مطالعہ کریں اور اپنی بگڑی ہوئی حالت کو جلد سے جلد سدھارنے کی کوشش کریں۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

فائدہ : ایام جہاد میں آئمہ مساجد کو اور فوج کے امام کو صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے قومہ میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے جس کی برکت سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے اور کفار کو شکست ہو جاتی ہے۔ قنوتِ نازلہ آخر میں دیکھیں۔

تنبیہ : اسلامی فوج کے سپاہیوں اور افسروں کو میدانِ جنگ میں مقابلہ کے وقت نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کا اہتمام کرنا چاہیے اس سے اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور کفار کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے اور فوج کے امام کو ہر نماز کے بعد نعرۂ تکبیر جماعت کے ساتھ بلند کرنا چاہیے بشرطیکہ مصلحت کے خلاف نہ ہو۔

تنبیہ : اسلامی فوج کو ہر دن صبح و شام حسب ذیل دعائیں پڑھ لینا چاہیے۔ انشاء اللہ حفاظتِ الٰہی شامل حال ہوگی۔

(۱) سورۃ لایلاف قریش گیارہ بار۔

(۲) الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل۔

(۳) لقد جاء کم، رسول ،من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ فان تولوا فقل حسبی اللّٰه لا اله الا هو علیه توکلت و هو رب العرش العظیم

صبح و شام ایک بار اور تین بار پڑھ لیں تو اور اچھا ہے۔

(۴) بسم الله الذی لا یضر مع اسمه شئی فی الرض ولا فی السماء وهوالسمیع العلیم۔ تین بار۔

صبح و شام تین بار :اعوذ بکلماتِ الله التاماتِ من شر ماخلق۔

صبح و شام تین بار لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نوٹ : جو دعائیں اسلامی فوج کے سپاہیوں اور افسروں کے لئے لکھی گئیں وہ سب مسلمان بھی پڑھتے رہیں تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے بھی شامل حال ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

ناچیز دعاگو
ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ
مقیم دار العلوم اسلامیہ۔ ٹنڈوالہ یار سندھ (شوال ۱۳۹۱ھ)

مصائب و حوادث کا علاج

مصائب و حوادث کا علاج

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی دو نادر تحریریں

آج کل ہر طرف آلام و مصائب اور افکار و حوادث کا ہجوم ہے، مفلس اور متمول، مزدور اور سرمایہ دار، جاہل اور عالم مریض اور تندرست، محکوم اور حاکم، عوام اور خواص، سب ہی ان سے متاثر ہیں اور سکونِ قلب اور طمانیت خاطر کسی کو بھی نصیب نہیں (الا ما شاء اللہ) ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔ پریشانی کی نوعیت مختلف ہے، کوئی تنگ دستی اور افلاس کا شکار ہے، کسی کی صحت خراب ہے، کوئی اولاد کی نالائقی اور بد اطواری سے پریشان ہے، کسی کو بیوی کے ناروا طرز عمل کی شکایت ہے، کوئی شوہر کی بد سلوکی سے نالاں ہے، کسی کو اقارب واحباب کے نامناسب برتاؤ کا شکوہ ہے، اور کسی کو کوئی دوسری فکر اور پریشانی لاحق ہے۔ غرض یہ ہے کہ ؎

آماجگاہِ موجِ حوادث ہے آج کل
پتلا بنا ہوا ہے غم روزگار کا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصائب و حوادث سے کس طرح نجات ملے؟ اور سکونِ

قلب کیسے حاصل ہو۔ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ نزولِ حوادث و مصائب کا سبب کیا ہے؟ تاکہ اس کو دور کیا جاسکے۔ اس لئے کہ جب سبب دور ہو جائے گا تو مصائب اور حوادث سے خود بخود نجات مل جائے گی۔

یوں تو ہمارے بہت سے "اصحابِ فکر و نظر" اور "اربابِ حل و عقد" بھی اپنے اپنے علم و فکر کے مطابق آئے دن ان تدابیر کے متعلق غور کرتے رہتے ہیں جن پر عمل کرنے سے بھی بنی نوع انسان کو پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات ملے اور فلاح و عافیت نصیب ہو۔ لیکن کیا وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اصل مرض کی تشخیص اور ازالۂ مرض کی تجویز میں ٹھوکر کھائی۔ اُن کی نظر صرف اسباب طبعیہ تک محدود رہتی ہے، اسباب اصلیہ تک نہیں پہنچتی، مثلاً ان کا خیال ہے کہ اگر اولاد کی پیدائش پر پابندی عائد کر کے آبادی کے اضافے کو روک دیا جائے، زراعت کے جدید آلات استعمال کر کے اور کاشتکاری کے نئے نئے طریقے (جو "ترقی یافتہ" ممالک میں رائج ہیں) اختیار کر کے مزروعہ زمین کی پیداوار بڑھائی جائے، صنعت و حرفت کی ترقی، اور بے روزگاری کے دور کرنے کے لئے نئے نئے کارخانے قائم کر لئے جائیں، سیلاب کو روکنے کے لئے بڑے بڑے مضبوط اور پختہ بند تعمیر کر لئے جائیں۔ حوادث ارضی کی روک تھام کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں، جرائم کے انسداد کے لئے سخت اور مؤثر قدم اٹھائے جائیں، تعلیم کی کمی اور بے روزگاری کو دور کر دیا جائے، علاج کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کر دی جائیں............... تو موجودہ تکالیف کا سدباب اور زندگی کا معیار بلند ہو جائے اور انسان خوشحال اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔ ان تدابیر میں سے پہلی کے سوا اکثر وہ ہیں جو اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر سے جائز اور مستحسن ہیں اور انھیں ضرور اختیار کرنا چاہیے، لیکن یہاں ایک پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، اور وہ یہ کہ یہ تمام تدبیریں ظاہری اور مادی ہیں، اور مسلمان کے نقطۂ نظر سے ہرگز کافی نہیں، قرآن و حدیث نے ہمیں اپنے مصائب اور مشکلات دور کرنے کا کچھ اور طریقہ بھی بتلایا ہے، افسوس ہے کہ مسئلے کا یہ پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے۔ ان مادی وسائل کے اختیار کرنے کو کون منع کرتا ہے، اختیار کیجئے اور ضرور کیجئے، لیکن یہ یاد رکھیے

کہ صرف یہ وسائل اصل سبب کے ازالہ کے لئے کافی نہیں۔

نزولِ حوادث و مصائب کا سبب معلوم کرنے کے لئے جب ہم قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو حسبِ ذیل آیات ہمارے سامنے آتی ہیں :۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون۔

(خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تاکہ وہ باز آجائیں۔

لیکن کیا ہم اپنی بد اعمالیوں سے باز آرہے ہیں ؟ پھر جب سبب دور نہ ہو تو مسبب کیسے دور ہو سکتا ہے۔

ومااصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر

اور تم کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرمادیتے ہیں)

اللہ اللہ یہ سزا تو ہمارے بعض اعمال کی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف ہی فرماتے رہتے ہیں۔ اگر سارے گناہوں پر گرفت ہوا کرتی تو کہاں ٹھکانا تھا، چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں :۔

ولو یوا خذ الله الناس بما کسبوا ما ترك علی ظهر ها من دابة و لکن یؤخرهم الی اجل مسمی۔ فاذا جآء اجلهم فان الله کان بعباده بصیرا۔

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر اُن کے اعمال کے سبب دارو گیر اور مواخذہ فرمانے لگتے تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتے لیکن وہ ایک میعاد معین تک مہلت دے رہے ہیں، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لیں گے)

لہذا ہم کو اس کا علاج کرنا چاہیے اور وہ علاج یہی ہے کہ اپنے اعمال سیۂ کو حسنات سے بدلہ جائے اور گذشتہ گناہوں سے استغفار کیا جائے، واللہ اس کے سوا ان بلاؤں کا کوئی علاج نہیں ؎

ہیچ کنجے بے دو وبے دام نیست

جز خلوت گاہ حق آرام نیست

(خلوت گاہ حق یعنی تعلق مع اللہ کے سوا کہیں آرام نہیں")

کاش ہماری سمجھ میں یہ بات آجائے کہ

یہ سب بلائیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آرہی ہیں اور اُن کا علاج توبہ و استغفار، ترک معاصی اور دعا ہے۔

قرآن وحدیث میں مصائب کا جو اصل سبب اور اُن کے ازالہ کی جو صحیح تدبیر بیان کی گئی ہے۔ اس سے صرف نظر اور روگردانی کر کے "عقلائے زمانہ" اصلاحِ حال کے لئے کتنی ہی اور کیسی ہی کوشش کیوں نہ کرلیں راقم السطور کی یہ پیشن گوئی نوٹ کرلی جائے کہ ہرگز کامیاب نہ ہوں گے مرض کی تشخیص صحیح نہ ہو تو علاج کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور عازم کعبہ اگر ترکستان کی طرف جانے والے راستہ پر چلنے لگے تو یہ یقین غلط نہیں کہ وہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا بلکہ اس سے بعید تر ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو غلط تدابیر اب تک اختیار کی گئیں ان کا انجام یہی ہوا کہ اصلاح کی جگہ فساد بڑھتا رہا اور حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی، ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جب انسان صراط مستقیم سے بھٹک جائے اور عقل سے صحیح طور پر کام نہ لے تو اس کی رائے بھی غلط ہو گی اور عمل بھی۔ اس کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں، مثلاً اگر کسی علاقے میں سیلاب یا طوفان آجائے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ جائز ظاہری ومادی وسائل کو اختیار کرنے کے علاوہ ہم گذشتہ گناہوں سے استغفار کریں، جو گناہ کر رہے ہیں ان کو ترک کردیں اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور تضرع وزاری کے ساتھ ازالہ مصائب کے لئے دعاء کریں اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی جائز اور بقدر وسعت گنجائش زیادہ سے زیادہ مدد کریں۔ لیکن جب عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں تو یہ سیدھا اور صحیح علاج انسان کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ سیلاب وطوفان سے متاثر ہونے والے افراد کی مالی مدد کرنے کے لئے مثلاً ورائٹی

شو اور ایکٹریسوں کا میچ کراتا ہے اور ٹکٹ فروخت کر کے یا کسی دوسرے طریقہ سے جو شرعاً ناجائز اور اللہ کو ناپسند ہو رقم حاصل کرتا ہے اور اس طرح اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان یہ جانتے اور مانتے ہوئے کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کا قہر و غضب نازل ہوتا ہے، گناہوں کو ترک کر کے اللہ کو راضی کرنے کی بجائے پھر گناہ کر کے اس کے مزید قہر کو دعوت دے۔ اللہ کے قہر کو تو اللہ کا لطف ہی دور کر سکتا ہے اور وہ حاصل ہوتا ہے اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب سے۔

بہر حال سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے، حقیقت ہے یہی کہ مصائب و حوادث (قحط، گرانی، پریشانی، بلاء وبا، تباہی و بربادی، ہلاکتِ جان و مال، امساکِ باراں، پیداوار میں کمی وغیرہ) کا سبب حق سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی و عدول حکمی اور معاشی (کثرتِ فواحش، زنا، و مقدماتِ زنا، لواطت و مقدماتِ لواطت، سود، شراب، ناپ تول میں کمی اور زکوٰۃ نہ ادا کرنا، وغیرہ) کا ارتکاب ہے۔ جس خطۂ زمین پر زناکاری، شراب نوشی، سود خوری، رشوت ستانی، بے حیائی و عریانی، قتل و غارت گری، اغوا و اغلام اور دوسرے فواحش و معاصی کی کثرت ہو وہاں اللہ کی رحمت نازل ہو گی یا اس کا قہر و غضب؟

اُس زمین پر آگ اور اخگر برسنے چاہئیں
برق گرنی چاہیے اژدر برسنے چاہئیں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو شخص تندرست ہے، صاحبِ اولاد ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، جس کے پاس کثیر دولت، شاندار مکانات، عمدہ اور نفیس ساز و سامان، بیش قیمت اور آرام دہ سواریاں اور ملازم و خدمت گار موجود ہیں اور جس کو جاہ و اقتدار، حکومت و عظمت اور سیادت و قیادت حاصل ہے وہ بہت خوش قسمت ہے ور اس کو سکونِ قلب حاصل ہے، یہ درست ہے کہ یہ تمام چیزیں اسباب راحت ہیں لیکن عین راحت نہیں، اسباب راحت اور راحت لازم و ملزوم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ جہاں اسباب راحت موجود ہوں وہاں راحت بھی ہو۔ دنیا اپنے غلط معیار کی بناء پر جن لوگوں کی ظاہری کامیابی اور کامرانی پر رشک کرتی ہے، اُن کے حالات کا قریب سے مطالعہ

اور مشاہدہ کیا جائے تو انسان بعض اوقات یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ ناز و نعمت، عیش و عشرت اور آرام و راحت میں زندگی بسر کرنے والے، طوفان رنگ و بو میں غرق ہوں جانے والے اور اپنے زعمِ باطل میں نغمہ و رقص و جام و سبو سے زندگی کی تلخیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے اپنے پہلو میں کس قدر بے چین اور بے قرار دل رکھتے ہیں، اور زندگی کی حقیقی لذتوں اور مسرتوں سے کس درجہ محروم، اور نا آشنا ہیں۔ اسبابِ راحت کو لے کر کوئی کیا کرے؟ اس سے ثابت ہوا کہ اسبابِ راحت مقصود بالذات نہیں مقصود بالغیر ہیں۔ پھر وہ کون سا طریقہ ہے جس سے سکون قلب یقینی طور پر حاصل ہو جائے اس کا جواب نہ سائنس دانوں کے پاس ہے اور نہ اربابِ علم و حکمت کے پاس۔ اس کا جواب بھی قرآن ہی میں ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

(خوب سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے)

ہم تلاش کرتے ہیں سکونِ قلب کو اعلیٰ درجہ کے ماکولات و مشروبات، ملبوسات و مسکونات، دولت و ثروت میں، حکومت و سلطنت اور قیادت و امارت میں، حالانکہ یہ دولت صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنی جد و جہد اور سعی و کاوش سے اسباب راحت جمع کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تب بھی یاد بغیر ترک معاصی اور رجوع الی اللہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے نہ تو آپ کو غم و اندوہ سے نجات ملے گی اور نہ سکونِ خاطر نصیب ہو گا۔

اے کاش تیرے دل میں اتر جائے میری بات

مرشدی و سندی حضرت حکیم الامۃ و مجدد الملۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ کے دو مضمون اب سے تقریباً ۵۲ سال قبل رسالہ الامداد (تھانہ بھون ضلع مظفر نگر) میں زیر عنوان "الاحکام الواقعیہ" ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ و جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئے تھے ان کا بنیادی موضوع بھی یہی تھا۔ ذیل میں یہ دو تحریریں افادۂ عام کے لئے حاضر ہیں، امید ہے کہ ہم سب کے لئے سامانِ عبرت ہونگی۔

اسباب القحط والغلا

(۱) ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک طویل حدیث میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول میں مگر مبتلا ہوئے قحط سالی اور سخت مشقت میں، اور نہیں بند کی کسی قوم نے زکوۃ اپنے مال کی، مگر محروم کئے گئے آسمانی بارش سے، پس اگر بہائم نہ ہوتے تو بالکل بارش ہی نہ ہوا کرتی، الحدیث اور

(۲) معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ تول کو مگر روک لیا اللہ تعالیٰ نے اُن سے بارش کو الحدیث۔

(۳) امام احمدؒ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہوا اُن میں زنا مگر پکڑے جائیں گے قحط میں الحدیث (من علاج القحط والوباء)

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر قطع کیا گیا اُن سے رزق الحدیث۔ روایت کیا اس کو مالک نے

(من المشکوۃ باب تغیر الناس)

ان احادیث سے اسباب قحط و گرانی و امساک باراں و کمی رزق کے یہ معلوم ہوئے۔

☆ ناپ تول میں کمی کرنا

☆ زکوۃ نہ دینا

☆ زنا کرنا

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو البتہ کشادہ کر دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان سے اور زمین سے (شروع پارہ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور تقویٰ میں کمی کرنا سبب ہے پیداوار بارش آسمانی اور زمین کی کمی کا۔

جب اسباب اس کے مشخص ہو گئے تو علاج اس کا ان اسباب کا ازالہ ہے، یعنی ایمان کی درستی اعمال کی درستی تمام معاصی سے توبہ و استغفار کرنا خصوص حقوق العباد میں کوتاہی کرنے سے اور زکوۃ ادا نہ کرنے سے اور زنا اور اس کے مقدمات سے کہ وہ بھی بحکم زنا ہی ہیں، جیسے بری نگاہ کرنا، نامحرم سے باتیں بقصدِ لذت کرنا۔ اس کی آواز سے لذت حاصل کرنا، خصوص گانے بجانے سے، چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس کو علاج فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے روبرو اعمالِ سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمالِ صالحہ سے) اُس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر بارش کو بڑی کثرت سے بھیجے گا۔ (پارہ ۱۲ رکوع ۴)

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو مؤثر سمجھ کر علاج مذکور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت و شکایت کا یا رائے زنی و پیشین گوئی تخمینی کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعت وقت ہے۔ ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں مگر اُن کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا، دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو سبب نہ کہے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال ک سبب وہی سبب اصلی ہے۔ مگر جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا۔ گولی کا تو تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ سو کیا یہ غلطی نہیں ہو گی؟ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے۔

فروع

- ☆ بعض لوگ، امساکِ باران کے لئے کچھ تعویذ لکھ کر آسمان کے نیچے رکھتے ہیں۔
- ☆ بعض جو پہلوں سے اسلم ہیں چندہ کے طور پر کچھ جنس و نقد جمع کر کے کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں۔
- ☆ بعض جو ان پچھلوں سے اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور نماز استسقاء پڑھتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں کالعدم ہے اور اگر مجہول الحقیقت ہو تو بوجہ عدم جواز مضر ہے اور امر ثانی نافع ہے مگر، ناکافی ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہو چنانچہ جمع کرنے میں وجاہت سے کام لینا یا تقسیم میں اپنے نفس کو یا اپنے اہل خصوصیت کو بدون حاجت یا بدونِ اندازِ حاجت دوسرے مساکین پر مقدم رکھنا اور اہل اثر کا اس میں مالکانہ تصرف کرنا جیسا کہ یہ امور مشاہد ہیں تو برعکس اور زیادہ مضر ہے۔ امر سوم بدلیل ورودِ سنت کافی ہے، مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی اور روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعاء و استفسار کی استغفار ہے چنانچہ حصن حصین میں جو دعاء حضور ﷺ سے استسقاء کی وارد ہے اس میں "فارسل السماء علینا مدرارا" کے قبل یہ جملے ہیں "انت المستغفر الغفار نستغفرک للحامات من ذنوبنا و نتوب الیک من عوام خطایانا" پھر فارسل "کو متفرع فرمایا گیا ہے جس سے ضرورتِ جمع واضح طور پر ثابت ہے۔

لطیفہ عنایت ـــــــــ اس مضمون کے لکھنے کے بعد ایک نماز کے بعد دعا کی بارش کی گئی۔ عرض کیا گیا کہ دعاء کے ساتھ گناہوں سے بھی توبہ کرو کہ زیادہ سبب بارش نہ ہونے کا یہی ہمارے گناہ ہیں چنانچہ استغفار بھی کیا گیا۔ اُسی تاریخ میں خدا تعالیٰ کا فضل ہوا کہ ایک معتد بہا مدت تک کے لئے کافی بارش ہو گئی و للہ الحمد۔

لطیفہ عبارت (۱) ـــــــــ اس ماہ کے اور ماہ آئندہ کے مضامین احکام وقتیہ میں ایک عجیب اتفاقی رعایت ہو گئی کہ ایک مضمون کے ہر جزو کے محاذاۃ میں دوسرے مضمون کا ایک ایک جزو واقع ہوا ہے، کہیں تقابل کے ساتھ، کہیں تشاکل و تماثل کے ساتھ، چنانچہ باہم تطابق سے یہ رعایت معنویہ معلوم کر کے حظ ہو گا۔

لطیفہ عبارت (۲) ـــــــــ دونوں مضمونوں کے موضوع یعنی غلاء و وباء میں عادۃً کسی قدر جمود و رکود یعنی قرار بھی ہوا کرتا ہے تو دونوں کا ہر دو ماہ جمادین میں درج ہونا بھی عجیب رعایتِ مناسبت لفظیہ ہے۔

اسباب البلاء والوباء

وز زنا افتد وبا اندر جہات

☆ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتی کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر مبتلا ہوئیں طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں جو اُن کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔ الحدیث اور

☆ معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں زنا مگر ظاہر ہوئی ان میں موت یعنی وبا۔ الحدیث۔

☆ سماک ابن حرب نے عبدالرحمٰن سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب ظاہر ہوتا ہے سود اور زنا کسی بستی میں حکم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا۔

☆ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ڈھانک دیا کرو برتن کو اور بند کر دیا کرو مشکیزہ کو، کیونکہ سال بھر میں ایک شب ہوتی ہے کہ اس میں وبا نازل ہوتی ہے۔ جس برتن یا مشکیزہ پر اس کا گذر ہوتا ہے جو کہ ڈھکا ہوا اور بند نہ ہو اس میں وہ وبا داخل ہو جاتی ہے (من علاج القحط و الوباء)

☆ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں رائج ہوا زنا کسی قوم میں مگر کثرت سے ہونے لگی ان میں موت۔ الحدیث روایت کیا اس کو مالک نے (من المشکوۃ باب تغیر الناس)

ان احادیث سے اسباب طاعون وامراض عجیبہ اور مطلق وبا اور ہلاکت جان بالموت یا بالقتل یا ہلاکت مال بالقحط یا بالغارۃ کے یہ معلوم ہوئے۔

☆ زنا اور مطلق کثرتِ فحش، جس میں زنا کے مقدمات اور امرد پرستی سب داخل ہیں۔

☆ سود کا لین دین۔

☆ برتنوں کا شب کو کھلا رہنا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پس نازل کی ہم نے ان ظالموں پر (یعنی ظالمان بنی اسرائیل پر) ایک آفت سماوی (یعنی طاعون کما فی التفاسیر) اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے ادھر (پارہ یکم قریب نصف)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مطلق نافرمانی بھی سبب ہوتا ہے طاعون کا۔

جب سب اسباب مشخص ہو گئے تو علاج اس کا اُن اسباب کا ازالہ ہے یعنی فرماں برداری کرنا اور معاصی کا ترک کرنا اور ہر نافرمانی سے توبہ و استغفار کرنا۔ خصوص فحش مثل زنا و مقدمات زنا ولواطت و مقدمات لواطت مثل نظر بد و تلذذ بالکلام وغیرہ سے اور سود کے لین دین سے اور یہ تدبیر دافع بھی ہے اور مانع بھی اور شب کے وقت برتنوں کو ڈھانکنا اور یہ تدبیر صرف حافظ اور مانع ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس تدبیر کو علاج فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو (اعمال سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمال صالحہ سے) اُس کی طرف متوجہ ہو بے شک وہ تم کو وقت مقرر (یعنی ختمِ عمر) تک خوش عیشی دے گا یعنی اسباب پریشانی وبلیات سے محفوظ رکھے گا۔

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو موثر سمجھ کر علاج مذکورہ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت و شکایت کا یا تعداد اموات یا سب و شتم طاعون وبا کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعتِ وقت ہے ہم اسبابِ طبعیہ کے منکر نہیں مگر اس کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے (جیسا کہ اس کے قبل اسباب القحط والغلاء کے مضمون میں بھی لکھا گیا ہے) ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو نہ دیکھے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا۔ گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے، سو کیا یہ غلطی نہ ہوگی یہی حالت ہم لوگوں کی ہے فقط۔

فروع

☆ بعض لوگ حفظ یا دفع وباو بلا کے لئے بستی کو چھوڑ کر خواہ اس کے نواح میں یا دوسرے بلاد میں منتقل ہو جاتے ہیں اور ادویہ حافظہ ودافعہ کا استعمال کرتے ہیں۔

☆ بعض لوگ جو پہلوں سے اسلم ہیں تعویذ ابواب پر یا اعناق میں چسپاں و آویزاں کرتے ہیں یا آدمیوں پر اور بعضے جانوروں پر مثل چیلوں وغیرہ کے گوشت وغیرہ تصدق کرتے ہیں یا کسی بکرے وغیرہ پر کسی خاص طریقہ سے کچھ دعاء پڑھ کر اس کو ذبح کر کے باہم گوشت تقسیم کیا کرتے ہیں یا سورۃ تغابن وغیرہ پڑھا کرتے ہیں، یا علاوہ اذانِ نماز کے زائد اذانیں پکار پکار کر کہتے ہیں۔

☆ بعضے جو ان پچھلوں سے بھی اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور بزرگوں سے دعاء کراتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں جس حد تک عام لوگوں کا زعم ہے کہ اس کو مؤثر طبعی غیر مختلف سمجھتے ہیں اُس درجہ میں کالعدم ہے ہاں باذن الخالق مع احتمال التخلف اثر ثابت ہے اور اگر مؤثر

یقینی سمجھے یا دوسری بستی میں منتقل ہو جائے یا حرام دوا استعمال کرے تو بوجہ معصیت ہونے کے مضر اور سببِ غضبِ حق ہے، اور امر ثانی کے اجزاء بجز جزء اخیر یعنی زائد اذانوں کے کہ خلافِ سنت ہے باقی اجزاء نافعہ ہیں مگر ناکافی ہیں، اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہوں مثلاً جانوروں کو آدمیوں پر مقدم کرنا یا گوشت ہی کی تخصیص کا اعتقاد کرنا یا یہ سمجھنا کہ اس گوشت میں بلا لپٹی ہوئی ہے یا مساکین کی تقسیم کے لئے اسی طرح چندہ جمع اور خرچ کرنا جیسا پرچہ سابقہ کے فروع میں مذکورہ ہے تو برعکس اور زیادہ مضر اور اذان للطاعون کا غیر مشروع ہونا مدلل و مفصل فتاویٰ امدادیہ جلد سوم نمبر ۱۷ میں مذکور ہے، اور امر ثالث بدلیل حدیث "لا یرد القضاء الا الدعاء" کافی ہے مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی و روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعا کی توجہ الی اللہ و ترکِ معاصی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے "ان اللہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ" اور ایک لمبی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا لباس و طعام وغیرہ سب حرام ہے اور وہ دعاء کرتا ہے "فانی یستجاب لہ" جس سے ضرورت جمع واضح طور پر ثابت ہوتی ہے فقط۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی)

وفاداری

خلیفہ منصور ایک مرتبہ مدینہ آئے تو اونٹ والوں کی ایک جماعت نے ان کے خلاف قاضی محمد بن عمران کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، قاضی نے منصور کے پاس بلاوا بھیجا، قاصد ڈرتے ڈرتے پیغام لے کر پہنچا تو منصور مدینہ طیبہ کے معزز افراد کے ساتھ بیٹھے تھے، قاضی کا پیغام سن کر انھوں نے لوگوں سے کہا "مجھے عدالت میں بلا گیا ہے، اب میں وہاں جا رہا ہوں، لیکن میرے جاتے وقت تم میں سے کوئی تعظیماً کھڑا نہ ہو۔" یہ کہہ کر وہ مسجد نبوی کی طرف چلے جہاں بیٹھ کر قاضی محمد بن عمران فیصلے کیا کرتے تھے، جا کر پہلے روضہ اطہر پر سلام عرض کیا پھر قاضی کی مجلس میں پہنچے، قاضی

نے اونٹ والوں کو بلایا، منصور ان کے ساتھ بالکل مساوی حیثیت پر بیٹھے، کاروائی شروع ہوئی، گواہ پیش ہوئے، قاضی نے منصور کے خلاف اونٹ والوں کے حق میں فیصلہ کر دیا ______ منصور واپس پہنچے تو اپنے خادم سے کہا: ”جاؤ، جب قاضی صاحب فارغ ہو جائیں تو انھیں بلا لانا“ ______ تھوڑی دیر بعد قاضی محمد بن عمران تشریف لے آئے، آ کر سلام کیا، منصور نے سلام کا جواب دے کر کہا۔

”تم نے اپنے دین، اپنے نبیؐ، اپنے حسب و نسب اور اپنے خلیفہ کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کر دیا، اس کی جزاء تو تمھیں اللہ دے گا میں نے تمھارے واسطے انعام کے طور پر دس ہزار درہم کا حکم لکھ دیا ہے۔“

اسلامی نظام کے بنیادی اصول

اسلامی نظام کے بنیادی اصول

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی

اسلامی نظام کے بجیادی اصول :

مولانا مرحوم نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کی جمعیت کا منشور کیا ہو گا؟ حسب ذیل تحریر منشور کے دیباچہ کے طور پر سپرد قلم فرمادی تھی جس کو افادۂ عام کے لئے اس جگہ بعینہ "صوت الاسلام" ۱۲ جون ۱۹۷۰ء سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ صوت الاسلام کی عبارت حسب ذیل ہے :۔

"اسلامی نظام کے بجیادی اصول

ہمارا منشور وہی ہو گا جو قرآن مجید میں چودہ سو سال پہلے بتادیا گیا تھا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی امیر اعلیٰ مرکزی جمعیت علما اسلام پاکستان

مجھ سے بارہا بعض حضرات دریافت کرتے ہیں کہ آپ کی مرکزی جمعیت علماء اسلام کا منشور کیا ہو گا؟ میں نے جواب دیا کہ جمعیت کا منشور وہی ہو گا جو قرآن حکیم میں چودہ سو سال پہلے بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس منشور کا دیباچہ قرآنی آیات سے ہی شروع کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

﴿ان الله يدافع عن الذين امنوا ان الله لا يحب كل خوان كفور اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين

اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بيع و صلوة و مسجديذ کر فيها اسم الله كثيرا و لينصرن الله من ينصره ان الله لقوى عزيز الذين ان مكنا هم فى الارض اقاموا الصلوة و اتوا الزكوة و امروا بالمعروف و نهوا عن المنكر و لله عاقبة الامور۔ ﴾

ترجمہ : **بلا شبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ اور ایذا کو) ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹادے گا۔ بے شک اللہ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا (بلکہ اُن سے ناراض ہے) اس لئے انجام کار ان کو مغلوب اور مومنین کو غالب کر دے گا۔ اب ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے کیونکہ (ان پر بہت) ظلم کیا گیا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر بڑی قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے (بے وجہ) نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ سے روزانہ گھٹاتا رہتا ہے۔ (کہ اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا رہتا) تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں (اور دوسروں کو بھی نماز کی تاکید کریں گے) اور زکوۃ دیں گے اور دوسروں کو نیک کاموں کا امر اور برے کاموں سے منع کریں گے اور سب کاموں کا**

> انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔" (پس اہل باطل کے موجودہ غلبہ سے یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ انجام بھی ان کا یہی رہے گا۔ بلحہ ممکن ہے کہ اس کا بر عکس ہو جائے۔ چنانچہ جب تک مسلمان نماز کے پابند رہے زکوۃ دیتے رہے، نیکی پھیلاتے رہے بدی کو مٹاتے رہے اللہ تعالیٰ ان کو کفار پر غالب کرتا رہا)۔

ان آیات کی پوری تفسیر بیان القرآن ص ۷۴، ۷۵ ج ۷ میں ملاحظہ ہو جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو جائیں گے جو بظاہر یہاں بعض لوگوں کو پیش آتے ہیں۔

۱۔ پس اگر اللہ نے چاہا ہماری جماعت بر سر اقتدار آگئی تو سب سے پہلے ہم سب مسلمانوں کو نمازی بنائیں گے۔ عمداً نماز چھوڑنے کو قانونی مجرم قرار دے کر سزا دیں گے کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑا فرض ہے اور اگر نماز باقاعدہ پڑھی جائے تو فحشاء منکر سے روکتی ہے اور جماعت سے پڑھی جائے تو قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہے معاشرہ کو درست کرتی ہے۔ ان الصلوة تنهى عن الفحشاء و المنكر نماز سے اللہ کی یاد دل میں جمی رہتی ہے ولذكر الله اكبر اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے خدا سے غفلت ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۲۔ پھر ہم مالداروں، سرمایہ داروں، زمینداروں سے زکوٰۃ اور عشر و نصف عشر لے کر فقراء و مساکین پر تقسیم کریں گے۔ ہم مالداروں، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی ذاتی ملکیت کو باطل نہ کریں گے مگر ان کو زکوٰۃ، عشر ادا کرنے پر مجبور کریں گے ہم بینکوں انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت نہ بنائیں گے بلحہ ان کو عقد مضاربت وغیرہ کے اسلامی طریقے اختیار کرنے پر مجبور کریں گے اور جو سودی رقم بینکوں اور انشورنس کمپنیوں میں جمع ہے اس کو اصل مالکوں کو واپس کر دیں گے اور جس کا مالک معلوم نہ ہو اس سودی رقم کو فقراء و مساکین پر صرف کریں گے۔

۳۔ ہم نیکی پھیلائیں گے اور سب سے بڑی نیکی عدل وانصاف اور احسان اور قرابت داروں کو ان کا حق دینا۔ میراث کو باقاعدہ تقسیم کرنا، یتیموں، بیواؤں اور اپاہجوں و معذوروں کی نگہداشت کرنا ہے۔

ان اللہ یا مرکم بالعدل و الا حسان و ایتاء ذی القربی و ینہی عن الفحشاء و المنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

”یقیناً اللہ تعالیٰ عدل وانصاف اور احسان کا حکم دیتے ہیں اور قرابت والوں کو ان کا حق دینے کا بھی اور بے حیائی اور ہر برائی سے منع کرتے ہیں اور ظلم سے بھی۔“

۴۔ ہم ہر برائی سے رعایا کو روکیں گے اور سب سے بڑی برائی زناکاری، عریانی بے حیائی اور شراب خوری، سود خوری، رشوت خوری، چوری ڈکیتی اور غریبوں کمزوروں پر ظلم کرنا ہے۔ ہم اللہ کے بھروسہ پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر اسی طرح کا نظام اسلام قائم ہو گیا تو ملک میں کوئی ننگا، بھوکا گھر نہیں رہے گا، ہم ہر بچہ کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کریں گے جب تک کہ وہ بھی کسب معاش کے قابل نہ ہو جائے کیونکہ اس وقت تک وہ بھی معذوروں میں داخل ہے۔ ہم طلبہ کے لئے بھی جب تک وہ تعلیم حاصل کریں گے بیت المال سے وظیفہ مقرر کریں گے۔

”للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربافی الارض

ہم مسلمانوں کو بھائی بھائی بنائیں گے۔ جغرافیائی اور قبائلی عصبیت سے روکیں گے

ہم دین دار، دیانت دار لوگوں کو حکومت کے مناصب پر قائم کریں گے بشرطیکہ وہ اس کام کے قابل بھی ہوں جو کام ان کو دیا جائے۔ کسی کو محض ڈگری حاصل کر لینے یا سفارش بہم پہنچانے پر کوئی عہدہ دیا جائے گا۔ بلکہ کام کی قابلیت کو ہی دیکھا جائے گا۔ ہم آہستہ آہستہ اردو بنگلہ میں تمام علوم کی تعلیم انتظام کریں گے۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا طریقہ تدریجاً بند کر دیں گے۔ انگریزی زبان تعلیم کے ہم خلاف نہیں ہیں۔ ہم دینی مدارس کے طلبہ پر بھی عربی اور انگریزی زبان بولنے اور لکھنے

پڑھنے کے لئے زور دیں گے کیونکہ تبلیغ کے لئے اس کی ضرورت ہے۔

ہم ممالک اسلامیہ اور ممالک غیر اسلامیہ میں تبلیغ کا پورا اہتمام کریں گے تاکہ کفار بھی اسلامی محاسن سے واقف ہو جائیں اور مسلمان بھی پکے مسلمان بن جائیں۔

ہم مسلمانوں کو اسرائیل اور اس کے معاونین کے خلاف جہاد کے لئے تیار کریں گے تاکہ مسجد اقصےٰ اور فلسطین پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو جائے۔ اس کے لئے مدارس، سکولوں اور کالجوں وغیرہ میں عسکری تعلیم کا انتظام کریں گے تاکہ طلباء بھی جہاد کر سکیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت نظام اسلام جاری کرنا ممکن نہیں وہ ہمارے منشور کا دیباچہ پڑھ کر بتلائیں کہ اس میں کیا چیز ناممکن العمل ہے؟

رہا یہ کہ علماء دنیوی علوم سے ناواقف ہیں تو بحمد اللہ! بعض علماء بی اے ایم اے بھی ہیں اور بعض صالحین بھی ایسے ہیں جو دنیوی علوم کے ماہر ہیں، ہم ان سے بھی کام لیں گے۔ اور یہ کہنا کہ علماء سیاست سے بالکل بے بہرہ ہیں سراسر غلط ہے وہ اسلامی سیاست سے بخوبی واقف ہیں۔ جو شخص قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کے علوم و معارف سے پوری طرح واقف ہے اور جس نے "حجۃ اللہ البالغہ" کا سمجھ کر مطالعہ کیا ہے وہ سیاست اسلامی سے ناواقف نہیں ہو سکتا اور شیطانی سیاست سے ناواقف ہونا کوئی عیب نہیں بلکہ عین کمال ہے۔ لیکن اس کے باوجود علماء مسلمانوں کو اس سے بچانے کے لئے بقدر ضرورت اس کی واقفیت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ جس طرح فلسفۂ یونان سے واقف ہوئے اور اس کا رد کر کے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچایا اسی طرح آج کل سیاست سے واقف ہو کر مسلمانوں کو فتنہ سے بچاتے ہیں۔

(بحوالہ صوت الاسلام)

ہفت روزہ (لاہور)

اسلام اور سائنس

www.ahlebaq.org

اسلام اور سائنس

از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

بعد الحمد والصلوۃ۔ آج کل بعض یورپین حضرات اور ان کے ہمنواؤں کا یہ خیال ہے کہ اسلام اور سائنس میں تضاد ہے حالانکہ اہل اقتصاد محققین یورپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جس وقت یورپ دہشت وبربریت کا شکار تھا اس وقت قرطبہ اور بغداد سائنس میں عروج پر تھا رصد گاہیں قائم کی جارہی تھیں، طبیعات و فلکیات میں مسلمان ترقی کر رہے تھے ریاضی اور ہیئت میں نئی صورتیں پیدا کی جارہی تھی۔ الجبرا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ہوائی جہاز بھی غبارہ کی شکل میں مسلمانوں نے ایجاد کیا، شمسی مہینوں کو موسم کے موافق موافقت دینا کسی مہینہ کو ۲۸ دن کبھی ۲۹ دن کا قرار دینا اور اس طرح شمسی مہینوں کو موسم کے مطابق کر دینا مسلمانوں ہی کا کام تھا۔ گھڑی گھنٹہ مسلمانوں نے ایجاد کیا خلیفہ ہارون الرشید کا گھنٹہ اب تک پیرس میں موجود ہے جو خلیفہ اسلام

نے شاہ فرانس کو بطور تحفہ بھیجا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے باغ میں سونے کی چڑیاں درختوں پر بٹھلائی گئی تھیں، جب خلیفہ باغ میں تشریف لاتے بٹن دبانے سے سب چڑیوں کے منہ سے ادخلوھا بسلام آمنین کی آواز نکلتی تھی۔ گویا ریڈیو بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے، بندوق سب سے پہلے سلطان بابر کے ہاتھ میں دیکھی گئی، قلعہ شکن توپوں کی نظیر منجنیق مسلمانوں نے ایجاد کی تھی۔ ڈاک کا انتظام بھی اس وقت سے اچھا تھا۔ حجاج بن یوسف نے تین دن میں ایک منجنیق جس کا نام عروس تھا کوفہ سے کراچی پہنچادی تھی۔ گھوڑوں کی ڈاک سے وہ کام لیا گیا جو آج کل ریلوں سے بھی نہیں ہو سکتا کبوتروں کی ڈاک اس سے بھی زیادہ تیز رفتار تھی۔ غرض جس زمانہ میں یورپ سائنس دانوں کو سولی پر چڑھا رہا تھا آگ میں جلا رہا تھا اس وقت مسلمان سائنس میں برابر ترقی کر رہے تھے۔ بحری جہاز گو اس وقت آج سے بہتر نہ سہی مگر یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے ان ہی جہازوں سے تمام دنیا کو روند ڈالا تھا۔ وہ وہاں پہنچے جہاں اب تک یورپ کے بحری جہاز نہیں پہنچ سکے۔ ابن بقلون سدِّ سکندری تک پہنچ گیا جس کا اب تک اہل یورپ کو پتہ نہیں چلا۔ امریکہ کی دریافت کا سہرا بھی عربوں کے سر ہے۔ کولمبس سے پہلے امریکہ پہنچ گئے تھے۔ یورپین نو مسلم خالد شیلڈرک نے رنگون میں اپنی تقریر میں یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ جب کولمبس کا جہاز امریکہ پہنچا تو وہاں ایک بستی میں عرب آباد تھے۔ جو عربی بولتے تھے، یورپ نے اس حقیقت پر پردہ ڈال کر کولمبس کے سر پر امریکہ کی دریافت کا سہرا باندھ دیا۔ کیمیاء اور طب میں مسلمانوں کی معلومات اور ایجادات سے یورپ نے سبق لیا۔ ریاضی ہندسہ حساب میں بھی ان کی رہنمائی کے محتاج ہوئے، چنانچہ ان علوم کے بعض اصطلاحات اب تک عربی ہی میں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

" افلم ینظرو فی ملکوت السموات و الارض و ما خلق اللہ من شئی"

کیا یہ لوگ آسمانوں اور زمینوں کی مملکت میں غور نہیں کرتے اور جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کو نہیں دیکھتے۔

قرآن پاک میں ملکوت السموات والارض میں غور کرنے کی باربار تاکید ہے۔ اور اس کا بھی ہم

نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ غدوھا شھر و رواحھا شھر جوان کو ایک مہینہ کی مسافت پر صبح کو اور یک ماہ کی مسافت پر شام کو لے جاتی اور پہنچاتی ہے۔

داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لئے آج سے اچھا ہوائی جہاز اور آج سے اچھا ریڈیو دیا تھا۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے برق کو مسخر کر دیا کہ مکہ سے شام اور وہاں سے آسمانوں پر عرش تک سیر کرائے۔

> ” سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام المسجد الاقصی، الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیتنا انہ ھو السمیع البصیر، و لقد راہ نزلتہ اخری عند سدرۃ المنتھی اذیغشی السدرہ ما یغشی مازاع البصر “
>
> ہمارے نبی اکرم ﷺ اسی فضا سے زمین و آسمان کے درمیان میں بہت آگے تشریف لے گئے ہیں، جہاں تک سائنس والے کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ ابھی تک تو چاند پر بھی نہیں پہنچے۔

الغرض اسلام سائنس کا مخالف نہیں بلکہ ملکوت السموات و الارض میں فکر کرنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، اسلام سائنسی مشاہدات کا مخالف نہیں البتہ سائنس دانوں کے ان نظریات کا مخالف ہے جو اپنی عقل سے پیدا کرتے ہیں مثلاً یہ کہ دنیا کا دارومدار نظام شمسی پر ہے اور نظام شمسی خود ہی چل رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نہیں یا جملہ اجسام کی بنیاد مادہ اور صورت یا اجزاء ی مسقراطیی پر ہے اور یہ قدیم نہیں، خدا کے بنائے ہوئے نہیں، ظاہر ہے کہ ان نظریات کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی عقل و فہم پر ہے۔

اسلام سائنس کی تائید اسی درجہ میں کرتا ہے کہ اس سے خاص کائنات کی حکمت و عظمت علم و قدرت اور وحدیت کا سبق لیا جائے انبیاء علیہم السلام ہوا یا براق کو اسی لئے مسخر کیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھیں۔ اور مخلوق کو اس سے آگاہ کریں۔ اگر سائنس سے یہ کام لیا جائے اور طبعیات و فلکیات کے مشاہدوں سے اپنی اقتصادیات اور فوجی طاقت میں ترقی کی جائے، تو

جائے اور طبعیات و فلکیات کے مشاہدوں سے اپنی اقتصادیات اور فوجی طاقت میں ترقی کی جائے، تو اسلام اس سے نہیں روکتا، البتہ سائنس دانوں کے من گھڑت نظریات پر یقین کرنے سے ضرور روکتا ہے کیونکہ اس کا مدار ان کی اپنی عقل و فہم پر ہے، مشاہدہ پر نہیں اس لئے ان سب چیزوں کو ثانوی درجہ پر رکھتا ہے۔ اول درجہ میں عقائد، عبادات و اخلاق روحانیات کو قرار دیتا ہے کہ انسانیت کی ترقی اس سے ہے۔ آپ ہوا میں اڑنے لگے تو پرندے آپ سے زیادہ اس میں کامیاب ہیں۔ پانی پر چلنے لگے تو سمندری جانور اس میں آپ سے زیادہ ماہر ہیں۔ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ اس کو عقائد و عبادات و اخلاقیات اور روحانیات کا صحیح علم حاصل ہو۔ ورنہ اور جتنے کام ہیں ان میں جانور انسان سے کم نہیں بلکہ دس قدم آگے ہی نظر آئیں گے۔ اس سائنسدان کی عقل پر افسوس ہے جو دنیا بھر سے واقف ہے مگر خود اپنے سے واقف نہیں اگر وہ اپنے اندر غور کرتا تو نظر آتا کہ ان چاند سورج تاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں جو اس کو اپنی روح اور قلب کی گہرائیوں میں نظر آئیں گے۔

آسمان ہاست ورود لایت کار فرمائے آسمان جہان
غیب را ابر و آبے دیگراست آسمانے آفتابے دیگر است

اگر انسان اپنے سے واقف ہو جائے اور اپنے اندر نظر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے سرفراز ہو جائے اور اس کے بعد دنیا بھر کے عجائبات پر نظر کرنے سے مستغنی ہو جائے۔

وما علینا الا البلاغ

(خطبات اکابر جلد سوم)

عصر حاضر میں مسافتِ قصر کی تحقیق

عصر حاضر میں مسافتِ قصر کی تحقیق

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفىٰ

احکام سفر سے متعلق دو رسالے میری نظر سے گذرے، یہ دونوں عربی میں ہیں جو ترکی کے بعض فضلاء نے تصنیف کیئے ہیں اور ہمارے پاس پاکستان میں ترکی سفارت خانے کے توسط سے پہنچے ہیں۔

مذکورہ رسالوں کا خلاصہ مندرجہ ذیل دو باتوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سفر کی مدت میں تین دن اور تین رات ہی کا اعتبار ہے۔ میل، فرسخ یا اس طرح کی اور کسی قسم کی مسافت شرعاً معتبر نہیں۔

۲۔ سفر میں رخصت کا مدار مشقت پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں رخصت کی علت مشقت ہے۔ مشقت نہ ہونے کی صورت میں رخصت بھی نہ ہوگی۔

آئندہ چند سطور میں انشاء اللہ ہم اپنی تحقیق پیش کریں گے اور اس سلسلے میں جو بات شرعاً صاف اور صحیح ہے اسے واضح اور مدلل طریقے سے بیان کرنے کی کوشش کریں گے؛ وعلى الله الاعتماد و هو حسبنا الله و نعم الوكيل۔

اصل جواب شروع کرنے سے پہلے ہم چند بنیادی اصول بیان کرتے ہیں تاکہ جواب منضبط ہو اور بات لمبی ہونے کی بجائے سمٹ کر آجائے۔

پہلا اصول :- کسی مسئلہ پر مجتہدین کا اجماع ایک قطعی حجت ہے اور کسی کے لئے اس کی مخالفت جائز نہیں، کسی بھی زمانے میں اگر مجتہدین کسی مسئلے میں اختلاف کریں اور ہر ایک مجتہد ایک الگ قول اختیار کرلے تو ان مختلف اقوال کے علاوہ کوئی الگ مسلک باطل ہو گا، اور کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان اقوال کے علاوہ اپنا کوئی الگ قول اختیار کرلے۔

(نور الانوار ص ٢٢٣)

اس اصول کو اصول فقہ کے تمام علماء نے بیان کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے توضیح تلویح، احکام الاحکام فواتح الرحموت وغیرہ۔

دوسرا اصول :- عوام ہوں یا وہ علماء جو اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے اگرچہ وہ اجتہاد میں معتبر بعض علوم سے واقف ہوں ان سب کے لئے ضروری ہے کہ مجتہدین کے قول کی اتباع کریں اور انھیں کے فتوے پر عمل کریں جیسا کہ محققین کا اس پر اتفاق ہوا ہے۔

(الاحکام للآمری ص ٣٠٦ ج ۴)

پس کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ قرآن وحدیث میں خود اجتہاد کر کے اس پر عمل شروع کردے، جب تک کہ اس کا اجتہاد کسی مجتہد کے قول کے مطابق نہ ہو۔

تیسرا اصول :- بسا اوقات ظاہری علامت اور سبب کو اصل واقعے اور مسبب کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے، یہ اس وقت جبکہ اصل واقعے کا ادراک مشکل یا ناممکن ہو تو واقعے کا سبب، علامت کو اصل واقعہ قرار دے کر اس واقعے کا حکم اس علامت پر لگا دیا جاتا ہے جیسا کہ سفر اور عورت کا حیض سے پاک ہونا، ان دونوں مثالوں میں دلیل کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، سفر میں عموماً چونکہ مشقت ہوتی ہے اس لئے نفس سفر کو مدار حکم بنایا گیا خواہ کسی سفر میں مشقت نہ بھی ہو تب بھی قصر اور افطار کا حکم نفس سفر پر دائر رہے گا۔ اور مشقت سے صرف نظر کرلی جائے گی، اس لئے کہ مشقت تلاش کرنا

اور اس کا کوئی معیار مقرر کرنا بہر حال مشکل ہے خصوصاً جبکہ ہر شخص کا انداز فکر اور ہر شخص کے حالات مشقت کے بارے میں دوسرے شخص سے مختلف ہیں، اگرچہ اصل کے اعتبار سے اس حکم کی وجہ مشقت تھی۔

(نور الانوار ص ۲۷۷)

اب ہم کہتے ہیں کہ فقہائے احناف نے اگرچہ اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ سفر میں تین دن اور تین رات کا اعتبار ہے، لیکن ان کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ سفر میں صرف زمان کا اعتبار رہے اور مسافت کوئی چیز نہیں، اس لئے کہ ان کے یہاں اس بات کی تصریح ہے کہ اصل مذہب میں میل اور فرسخ کا اعتبار نہیں، بلکہ تین دن کا متوسط چلنا معتبر ہے، اور امام محمد نے تین مراحل کی مقدار بیان کی ہے۔ یہ قول بھی پہلے والے قول کی طرح ہے۔ (جس میں تین دن اور تین رات کو مدار قرار دیا گیا ہے) چونکہ عام طور پر مسافر ایک دن میں ایک مرحلہ کی مسافت طے کرتا ہے

(فتح القدیر۔ ۳ ج ۳)

اور ''ہدایہ'' میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے تین مراحل مقدار مروی ہے اور یہ پہلے قول کی طرح ہے۔ میل اور فرسخ کا اعتبار نہیں، یہی صحیح قول ہے۔ محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔ صاحب ہدایہ کا اس قول کو صحیح کہنا ان اقوال سے احتراز ہے جس میں میل اور فرسخ کے ساتھ مقدار بیان کی گئی ہے۔ بعض نے اکیس، بعض نے اٹھارہ اور بعض نے پندرہ فرسخ کی مقدار بیان کی ہے دراصل اقوال کے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس نے پندرہ فرسخ کی مسافت بیان کی ہے اُس نے یہی سمجھا کہ تین دن میں اتنی ہی مسافت قطع کی جاسکتی ہے اسی طرح اکیس اور اٹھارہ والے اقوال میں بھی یہی ہوا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی کوئی متعین مقدار بیان نہ کی جائے۔ اس لئے کہ اگر سفر دشوار گذار راستے کا ہو اور تین دن میں پندرہ فرسخ کی مسافت قطع نہ ہو سکی تو نص کی رو سے تو قصر کا حکم ہو گا اس لئے کہ مسافت تین دن کی پوری ہو چکی ہے۔ اور ان اقوال کے اعتبار سے چونکہ ابھی تک پندرہ یا اٹھارہ یا اکیس فرسخ پورے نہیں ہوئے اس لئے قصر کا حکم نہیں ہو گا۔ پس اس تعارض کی وجہ سے یہاں کسی متعین مسافت کی مقدار معتبر نہیں ہو گی بلکہ تین دن اور تین رات کے

سفر کا اعتبار ہوگا۔ (ص ۴ ج ۳)

اور کفایہ میں فرمایا کہ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ یہ قول پہلے قول کے قریب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تین مراحل کی مقدار تین دن کی مقدار کے قریب ہے۔ اس لئے کہ عموماً ایک دن میں ایک مرحلہ ہی چلنا ہوتا ہے، خصوصاً سال کے مختصر دنوں میں، مبسوط میں بھی ایسا ہی ہے، پھر فرمایا کہ اکثر مشائخ نے اس کی مقدار فراسخ کے ساتھ بھی مقرر کی ہے البتہ اس سلسلے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے اکیس فرسخ کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے اٹھارہ اور پندرہ کا۔

فتویٰ اٹھارہ والے قول پر ہے اس لئے کہ تمام اقوال میں سے یہ معتدل قول ہے محیط میں ایسا ہی مذکور ہے۔ (ص ۵ ج ۲)

اور ”بحر“ میں مجتبیٰ کے حوالے سے خوارزم کے اکثر ائمہ کا فتویٰ پندرہ والے قول پر نقل کیا گیا ہے۔ (ص۔ ۱۴۔ ج ۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ قول بخاری کی اس تعلیق کے بھی بہت زیادہ قریب ہے، جسے امام بخاری نے اپنے ایک ترجمۃ الباب کے ذیل میں ذکر کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ چار بریدوں والی مسافت میں قصر اور افطار کیا کرتے تھے، اور چار برید سولہ فرسخ کے مساوی ہوتے ہیں۔

ص ۱۴۷ ج ۱ (یاد رہے ایک برید بارہ میل کا اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے چار برید یا سولہ فرسخ اڑتالیس میل کے مساوی ہوتے ہیں مترجم)

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں مذکورہ تعلیق کی سند پر بحث کرتے ہوئے فرمایا، ابو عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت معروف ہے اس کی سند متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، اور یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے، ص ۵۳۸ ج ۳ میں کہتا ہوں یہ روایت حضرت ابن عباس سے مرفوعاً بھی منقول ہے حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اے مکے کے لوگو! مکہ، عسفان تک کے راستے میں چار بریدوں سے کم میں نماز قصر مت کرو۔

راوه الطبرانی فی الکبیر من روایة ابن مجاهد عن ابیه و عطاء، قال الهیثمی ولم

اعرفه و بقية رجاله ثقات اه مجمع الزوائد ص ۲۰۵ ج ۱

اور تلخیص جبیر میں ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سفیان نے مجھے عمرو عن عطاء کے واسطے سے ابن عباسؓ کی ایک روایت سنائی ہے، ان سے پوچھا گیا کہ کیا عرفہ تک کے سفر میں نماز کا قصر ہوگا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ عسفان، جدہ اور طائف تک کے سفر میں قصر ہوگا، اس کی سند بھی صحیح ہے (الخ ص ۱۲۹۔ج ۱)

امام مالکؒ نے موطا میں فرمایا کہ مجھے ابن عباسؓ کی یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ مکہ اور طائف جیسے اور مکے اور عسفان جیسے اور مکے اور جدہ جیسے سفر میں نماز کا قصر کیا کرتے تھے، یحیٰی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس کی مسافت چار برید کے برابر ہوتی ہے (الخ ص ۵۲) میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب گزر چکا ہے کہ یہ مسافت متوسط رفتار کے ساتھ تین دن کی بنتی ہے، لہذا اس کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت ترک نہیں کی جائے گی کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کتنی مسافت میں نماز کا قصر کرنا چاہیے تو انھوں نے سائل سے فرمایا کیا تم سویدار کو جانتے ہو۔ سائل نے جواب دیا نہیں، البتہ میں نے اس کا نام سنا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ وہ متوسط طور پر تین راتوں کی مسافت پر ہے۔ اگر ہم وہاں جائیں گے تو نماز کا قصر کریں گے۔ اس روایت کو امام محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے اور اس کے روای ثقہ ہیں۔

پس متعین طور پر قصر کی مسافت یہی ہے، رہی وہ روایت جس کو امام مخاری نے حضرت ابن عمرؓ و ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور وہ روایت کہ جس کو دوسرے حضرات نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے تو اس کی تحدید تخمینی ہے لہذا دونوں قولوں میں تعارض نہیں۔ لیکن تین دن کی مسافت کا انضباط اور اس کی تحدید چونکہ عوام کے لئے بہت مشکل ہے اور ان کے اندازے اس سلسلہ میں بہت مختلف ہوتے ہیں اس لئے مشائخ نے فراسخ کے ساتھ اس کی مقدار بیان کی ہے اور فتویٰ پندرہ فرسخ والے قول پر ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یہ مقدار چار بریدوں کے قریب ہے اور تحدید ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے اور مرفوعاً بھی وارد ہے اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے، امام مالکؒ نے اسی کو اختیار کیا اور ہمارے متاخرین فقہاء نے عوام کی سہولت کے لئے اسی قول پر فتویٰ دیا،

اس لئے کہ چار برید کی مسافت متوسط رفتار کے ساتھ چلتے ہوئے تین دن میں قطع ہو جاتی ہے۔ اور یہ متوسط رفتار اونٹوں کی چال ہے اور پیدل چلنا ہے خوب سمجھ لیجئے۔

اور مختصر مزنی میں ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے چھیالیس میل کا سفر کیا تو اسے نماز کا قصر کرنا چاہیے، اور ابن عباسؓ نے فرمایا میں جدہ گیا، طائف تک اور عسفان تک کے سفر میں قصر کروں گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مقامات میں سے قریب ترین مقام کا فاصلہ مکہ سے چھیالیس میل کا ہے، پھر فرمایا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تین دن سے کم میں قصر نہیں کروں گا، میں اپنے حق میں اسی کو احتیاط سمجھتا ہوں، (ص ۱۲۱ ج ۱) ___ اور "ام" میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ بات ہمیں نہیں پہنچی کہ دو دن سے کم کے سفر میں بھی قصر ہو گا، البتہ عام طور پر فقہاء و مشائخ کی جو بات ہم تک پہنچ سکی ہے تو یہ سب حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ دو دن سے کم میں قصر نہیں ہو گا۔ پس میرے نزدیک آدمی کے لئے مناسب یہی ہے کہ اگر سفر دو درمیانی راتوں کے بقدر ہے تو وہ قصر کرے، اس میں مقدار بھی چھیالیس ہاشمی میل بنتی ہے اور اس سے کم کے سفر میں قصر نہ کرے۔ الخ ______ میں کہتا ہوں چھیالیس میل کی مسافت متوسط رفتار کے ساتھ عادۃً تین دن ہی بن جاتی ہے ______ لہذا امام شافعیؒ کا قول اور ہمارا قول اس باب میں قریب قریب ہی ہے، اور مذکورہ تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ احناف کا قول اس باب میں بہت مضبوط ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آگئی ہو گی کہ تین دن کے ساتھ سفر کی تحدید کرنا صرف زمانی تحدید نہیں ہے، بلکہ اس میں زمانی اور مکانی دونوں جہتوں کی رعایت ہے اور سیر سے مراد تین دن کا متوسط چلنا ہے جو اونٹوں کا چلنا ہے یا پیدل۔ اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے مراحل کے ساتھ اس کی مقدار بیان کی ہے، اور امام مالکؒ نے چار بریدوں کے ساتھ اور امام شافعیؒ نے چھیالیس میل کے ساتھ بیان کی ہے اور یہ بھی چار بریدوں کے قریب ہی ہے۔ اور ہمارے احناف کے مشائخ نے کبھی اکیس فرسخ کبھی اٹھارہ اور کبھی

پندرہ فرسخ کی مقدار بیان کی ہے ______ اور مجتہدین کا جب کسی زمانہ میں کسی مسئلے کے اندر اختلاف واقع ہوا اور مختلف اقوال جمع ہو جائیں تو جیسا کہ پہلے اصول میں بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں یہ بات طے شدہ اور مجمع علیہ ہے کہ ان اقوال کے علاوہ کوئی بھی قول باطل اور خلاف اجماع ہو گا، اور کسی کو شرعاً اس کی اجازت نہیں کہ وہ ان تمام اقوال مختلفہ سے ہٹ کر کوئی الگ مذہب اختیار کر لے۔

یہاں ایک مشہور اشکال جو عام طور سے لوگوں کے ذہن میں ہوتا ہے پیش آسکتا ہے کہ فقہاء نے پیدل چلنے یا اونٹوں کے چلنے کو جو متوسط چال قرار دیا ہے تو یہ ان کے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہے کہ اس زمانے میں نقل و حمل کے یہ جدید ترین وسائل نہیں تھے اور اگر یہ حضرات موجودہ تیز رفتار راستوں کا مشاہدہ کرتے خصوصاً فضائی راستہ جو دن بہ دن پھیلتا اور تیز ہوتا چلا جا رہا ہے تو انکے لئے ضرور کوئی حکم بیان کرتے اور ایسی مسافت متعین کر دیتے جو ان جدید اور تیز رفتار راستوں کے مناسب ہوتی، جیسا کہ انھوں نے سمندری اور پہاڑی راستوں کے لئے الگ الگ مسافت بیان کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات فقہاء نے اگرچہ موجودہ تیز رفتار راستوں کو نہیں دیکھا تھا، لیکن اس جیسے تیز رفتار وسائل اس زمانے میں بھی، مثلاً یہ کہ اس زمانے میں تیز رفتار گھوڑے سواری کے لئے استعمال کیئے جاتے تھے اس زمانہ کے برید (ڈاک) کا کام بھی بہت تیز رفتار گھوڑوں سے لیا جاتا تھا، نیز اولیاء کرام کی کرامتوں کی وہ مثالیں بھی ان کے سامنے تھیں کہ وہ سال بھر کا راستہ اپنی روحانی قوت سے ایک دن یا چند دنوں میں قطع کر لیا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے ان چیزوں کا اعتبار نہیں کیا اور سفر کے حکم کی بناء تین دن کے چلنے پر رکھی اور چلنے سے مراد اونٹوں کا چلنا اور پیدل چلنا مراد لیا۔

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ ان فقہاء نے شاید مذکورہ عام حکم اس لئے بیان کیا کہ اس مانے میں مذکورہ بالا تیز رفتار ذرائع ناپید تھے یا بہت ہی کم تھے اور آج کے زمانے میں موجودہ تیز رفتار سائل عام ہو چکے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ تیز رفتار وسائل بھی اس قدر عام نہیں ہیں کہ لوگوں کی عمومی عادت میں داخل ہو گئے ہوں، اس لئے کہ دنیا میں غریب اور فقیر لوگ اکثریت میں ہیں اور وہ ہوائی جہاز یا ریل سے سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے موجودہ تیز رفتار وسائل سے تو صرف مالدار لوگ ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جہاں تک فقراء کا تعلق ہے تو وہ عام طور ر پیدل سفر کرتے ہیں یا اونٹ، گدھے اور خچر کو سفر کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور یہ ایسی واضح اور صاف حقیقت ہے جس کا انکار کر نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اکثر حجاج جو عرفات میں جمع ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو پیدل چل کر آتے ہیں یا اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کر آتے ہیں اور ایسوں کی تعداد کم ہوتی ہے جو بحری یا ہوائی جہازوں سے پہنچتے ہوں ____ صرف عرفات ہی میں نہیں بلکہ ہر ملک میں اس کا مشاہدہ ہے غرباء اور فقراء موجودہ تیز رفتار وسائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ____ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص ٹکٹ لئے بغیر چوری چھپے کسی جہاز یا ریل میں بیٹھ جائے، پس ہمارے لئے یہ کسی حال میں جائز نہیں کہ متقدمین و متاخرین میں سے کسی فقیہ نے اختیار نہ کیا ہو ____ پس جس نے یہ کہا کہ برید اور تیز رفتار گھوڑا یا اس طرح کی اور کوئی تیز رفتار سواری عمومی عادت سے خارج ہے اس کا مطلب یہ کہ فقراء کی عادت سے خارج ہے، اغنیاء کی عادت سے خارج نہیں اور چونکہ لوگوں میں اکثریت فقراء کی ہے اس لئے مال داروں کی عادت کا اعتبار نہیں ہوگا، جبکہ معاشرہ میں ان کی تعداد فقراء کے مقابلہ میں کم ہے۔ لہذا عمومی عادت کے اعتبار سے کم آئیگا۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نقل و حمل کے جدید ترقی یافتہ وسائل بہت کم وقت میں آدمی کو اپنے منزلِ مقصود تک پہنچاتے ہیں اور ان میں آرام اور راحت کا بھی بہت وافر انتظام ہوتا ہے، لہذا سفر کے حکم میں ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، تو ہم تیسرے اصول میں بیان کر کے آئے ہیں کہ نفس سفر کو مشقت کے قائم مقام کر دیا ہے اس لئے کہ عموماً سفر میں مشقت ہوتی ہے ت
فقہاء کے اقوال سے آزاد ہو جائیں اور کوئی نیا قول کھڑا کر لیں تو اس دلالت کی بناء پر نفس سفر ہی پ
حکم لگے گا، خواہ کسی سفر میں مشقت نہ بھی ہو، لہذا اب رخصت کا دارومدار نفس سفر پر ہوگا او

مشقت سے بالکل قطع نظر کرلی جائے گی، یہاں یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتداء حکم کا اصل منشاء مشقت تھی ـــــ اور مذکورہ تمام فقہی دلائل کے علاوہ چونکہ آثار اور روایات سے بھی مسافت کی تحدید ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے آثار میں چار بریدوں کے سفر کی مسافت بیان کی گئی ہے۔ مرفوع روایت میں بھی یہی مقدار وارد ہوئی ہے۔ امام مالکؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے مشائخ احناف نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول بھی اس کے قریب ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے سفر کی مقدار مسافت چھیالیس میل بیان کی ہے جو تقریباً چار بریدوں کے برابر ہے، لہذا جس شخص میں خود اجتہاد کرنے کی مکمل صلاحیت نہ ہو اگرچہ اجتہاد کے لئے ضروری علوم میں سے بعض کو وہ حاصل کر چکا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجتہدین کے قول پر چلے، اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کی اس کو اجازت نہیں الا یہ کہ اس کا قول کسی مجتہد کے قول کے مطابق ہو، جیسا کہ دوسرے اصول میں ہم ذکر کر کے آئے ہیں ـــــ پس وہ شخص اپنے گھر سے روانہ ہوا اور اس کا ارادہ کم از کم چار بریدوں کی مسافت تک چلنے کا تھا تو شہر کی حدود سے نکلنے کے بعد وہ شرعاً مسافر کہلائے گا خواہ وہ پیدل چل کر سفر کر رہا ہو یا اونٹوں پر سوار ہو یا اس کا سفر بحری اور ہوائی جہاز کے ذریعہ ہو۔

هذا ما عندنا ـــــ والله اعلم

﴿میدان عرفات میں مسلمانان عالم سے خطاب﴾

میدان عرفات میں مسلمانان عالم سے خطاب

۹ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ بروز اتوار نماز عصر کے بعد سعودیہ براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے ایک افسر شیخ محمد صالح قزاز تشریف لائے اور حضرت مولانا سے عرض کیا کہ عرفات کے ریڈیو پر جو آپ کے خیمہ سے متصل ہی دوسرے خیمہ میں قائم کیا گیا ہے آدھ گھنٹہ اردو میں تقریر کریں کیونکہ اب تک سب تقریریں عربی میں ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی اور پاکستانی حجاج کے لیے اردو میں بھی تقریر کی جائے۔ چنانچہ مولانا مرحوم اسی وقت ایک کاغذ پر مختصر نوٹ لکھ کر ریڈیو اسٹیشن پہنچے اور حسب ذیل تقریر فرمائی :۔

السلام علیکم ورحمة الله ۔ لبيك اللهم لبيك : لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك، بعد الحمد والصلٰوة۔

آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں اس مقدس میدان عرفات میں مملکت سعودیہ عربیہ کے براڈ کاسٹنگ اسٹیشن سے تقریر کر رہا ہوں اور آج ہی کے مقدس دن سے اس کا افتتاح ہو رہا ہے۔ بندہ اس سال اس وفد کے ساتھ حاضر ہوا ہے جو حکومت پاکستان کی طرف سے حج کے موقع پر حکومت سعودیہ سے خصوصاً اور جملہ ممالک اسلامیہ سے عموماً روابط اتحاد و مروت کو مضبوط سے

مضبوط تر بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حکومت سعودیہ عربیہ چونکہ قلب اسلام اور مرکز اسلام میں واقع ہے اس کے ساتھ روابط اتحاد واخوت کا استحکام حکومت پاکستان کو بے حد مطلوب ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ حکومت سعودیہ عربیہ نے جس عزت واحترام اور لطف وکرم کا معاملہ ہمارے ساتھ کیا ہے ہم اس پر تہہ دل سے ہدیۂ تشکر وامتنان پیش کرتے ہیں۔

میں اس وقت میدان عرفات میں اس غرض سے تقریر کر رہا ہوں کہ مسلمانان پاکستان وہندوستان کے علاوہ جملہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں تک میری آواز پہنچ جائے اور مجھے امید ہے کہ سب اس کو سمجھ بھی لیں گے کیونکہ انگریزی کی طرح اردو زبان بھی تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں پہنچ چکی ہے اور اس کے سمجھنے والے ہر طرف موجود ہیں۔ امید ہے کہ میرے اس بیان سے تمام ممالک اسلامیہ کے ساتھ پاکستان کے روابط اتحاد واخوت کو تقویت حاصل ہوگی۔ اس تمہید کے بعد میں بہت اختصار کے ساتھ اسرار حج اور فضائل حج کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ فریضۂ حج اسلام کے فرائض میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس میں جذبات محبت الٰہیہ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ تمام عبادات کا مقصد اظہار عبودیت اور شکر نعمت ہے۔ حج سے یہ دونوں مقصد پوری طرح ادا ہوتے ہیں۔ عبودیت سے مراد اپنی بندگی، غلامی اور عاجزی کا اظہار ہے اور حج میں بالخصوص حالت احرام میں انتہائی تذلل ہوتا ہے۔ طواف کعبہ بیت اللہ کے وقت جب امیر وغریب، شاہ وگدا، عربی عجمی، ہندی سندھی، چینی ترکستانی، برمی جاوی، ایرانی شامی، مصری عراقی، مرد عورت، بچے بڑے، جوان اور بوڑھے سب ساتھ مل کر کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگاتے ہیں تو ایک عجیب عاشقانہ اور والہانہ کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے اور اس وقت بے ساختہ بیت اللہ کی شان میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے:

ے غلام نرگس مست تو تاجدار انند
خراب بادہ لعل تو ہوشیار انند

من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

حج میں اظہار عبودیت اور مظاہرۂ عشق و محبت کے علاوہ شکر نعمت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کیونکہ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ بدنی جس میں جسمانی مشقت ہو اور مالی جس میں مال خرچ کرنا پڑے۔ حج میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور جسمانی کلفت و تعب بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے حج فرض ہونے کے لیے مال اور صحت بدن شرط ہے۔ مگر سچ بتایئے گا کہ بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی کیا آپ سفر کی تمام تکالیف و مصائب کو بھول نہیں گئے تھے۔ خدا بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے گویا جنت میں پہنچ گئے جہاں قدم رکھتے ہی مسلمان بے ساختہ پکار اٹھے گا الحمدللہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔ بیت اللہ کو دیکھتے ہی مسلمان راستے کی تمام کلفتوں کو ایک دم بھول جاتا ہے۔ حج میں درد کے ساتھ درماں اور زخم کے ساتھ مرہم بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔

؎ درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

۲۔ ہر قوم و ملت کا ہر زمانہ میں دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ لوگ اپنے کسی خاص مقدس مقام پر جمع ہوتے اور اپنی مذہبی روایات کی یاد تازہ کرتے۔ باہم تبادلۂ خیالات کرتے۔ ایک دوسرے سے استفادہ کرتے' اپنی قوت و شوکت کا اظہار کرتے اور شعائر مذہب کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام نے بھی اس دستور کو باقی رکھا اور اس غرض کے لیے بیت اللہ کو جو معظم شعائر اسلام میں سے ہے مقرر کیا ہے تاکہ ہر سال اطراف و اکناف عالم سے یہاں مسلمان جمع ہوں اور باہمی ربط و ضبط اور جذبات اخوت کے ساتھ ایک دوسرے سے استفادہ کریں۔ اسلامی قوت و شوکت کا مظاہرہ کریں اور شعائر اللہ کی

تعظیم بجالا کر روایات قدیمہ کی یاد تازہ کریں اور سب ایک مرکز پر جمع ہو کر لامرکزیت کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں۔ کیونکہ لامرکزیت سے بڑھ کر کوئی چیز بھی ہماری قومی زندگی کے لیے مضر نہیں۔

۳۔ حج باہمی اتحاد و اتفاق اور تعارف کا بہترین ذریعہ ہے جس میں ملت اسلامیہ کا عظیم الشان اجتماع اور بے نظیر مجمع ہوتا ہے اور مشرق و مغرب، جنوب و شمال سے مسلمان آتے اور باہمی تعارف کے ساتھ محبت و الفت کے جذبات کو ترقی دیتے ہیں۔ یہ ایسا عظیم الشان اجتماع ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ یورپ والے تو اس کو اسلامی جنرل کانفرنس کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے یہاں آج تک ایسی اجتماعی کانفرنس قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے

۴۔ حج کوئی نئی چیز نہیں ہے سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے سفر کر کے حج کیا تھا تو غالبًا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے سفر حج کی ابتداء اس سرزمین سے ہوئی ہے جس میں ہندوستان پاکستان اور لنکا سب داخل ہیں۔ آدم علیہ السلام نے پیادہ پا چل کر چالیس حج کیئے پھر تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں حج کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طوفان نوحؑ کے بعد بحکم خداوندی بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر فرمایا تو اس وقت سے حج کو زیادہ ترقی ہوئی چنانچہ جاہلیت کے زمانے میں بھی حج برابر ہوتا رہا۔ مگر اہل جاہلیت نے اس میں بہت سی شرکیات و لغویات شامل کر دی تھیں۔ شریعت اسلامیہ نے ان کی اصلاح کر کے اصل حج کو باقی رکھا تاکہ یہ قدیمی عبادت زندہ رہے اور شعائر الٰہیہ کی عظمت کا اظہار ہوتا رہے۔

۵۔ جن مقامات پر اعمال حج ادا کیئے جاتے ہیں وہ ایسے مقدس مقامات ہیں جہاں انبیاء علیہم السلام پر حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں۔ جب مسلمان ان مقامات پر انبیاء کے اتباع

میں وہ اعمال بجا لاتے ہیں۔ جو وہاں مشروع ہیں تو ان پر بھی رحمت الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔

٦۔ ان مقامات کی زیارت سے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کے صبر و رضا اور ثبات و تسلیم کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور بے اختیار ان کے اتباع کا داعیہ قلب میں پیدا ہوتا ہے اور اس طرح حج تزکیۂ نفس اور تکمیل ایمان کا بہترین وسیلہ بن جاتا ہے۔ مثلاً طواف کرتے ہوئے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ بیت اللہ (خانہ کعبہ) "بیت المعمور" کے محاذات میں ہے اور آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ "بیت المعمور" کا طواف کرتے اور تجلّیات الٰہیہ سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ دنیا میں آکر انھوں نے "بیت المعمور" اور اس کے انوار و تجلّیات کو یاد کیا تو حق تعالیٰ نے عین اس کے محاذات میں خانہ کعبہ بنا دیا۔ تاکہ انسان بھی اس کا طواف کرکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا طواف کرکے خدا تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں اور ان تجلّیات و انوار سے اپنے قلوب و جوارح کو منوّر کریں جن سے ملائکہ منور ہوتے ہیں۔ طواف بیت اللہ سے قوت ملکیہ غالب اور قوت بہیمیہ مغلوب ہوجاتی ہے اور انسان کا روحانی معیار بلند درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ روشن ضمیر قلوب کو طواف بیت اللہ میں جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

حج مردم زیارت خانہ بود　　حج رب البیت مردانہ بود

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا واقعہ یاد آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا تھا اور وہ اللہ کی مرضی پر راضی ہوکر صبر و شکر کے ساتھ وادی مکہ میں تنہا رہ گئیں جہاں اس وقت نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، نہ چرند تھا نہ پرند، بالکل ہو کا میدان تھا۔ جب ان کا مشکیزہ خالی ہوگیا اور اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے نہ دودھ رہا نہ پانی تو وہ پریشان ہوگئیں اور پانی کی تلاش میں سات دفعہ صفا و مروہ پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے۔

اللہ تعالےٰ کو ان کی یہ ادا پسند آ گئی اور صفا و مروہ کی سعی کو حج و عمرہ میں قیامت تک کے لیے واجب یا مسنون کر دیا گیا۔

پھر حق تعالےٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو چشمۂ زمزم ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے اسی جگہ سے چشمہ زمزم پھوٹ نکلا جسے حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے جلد جلد مٹی اور پتھروں سے گھیر دیا تو وہ کنوئیں کی شکل میں ہو گیا اگر وہ اس کو نہ گھیر تیں تو سارے میدان میں پانی ہی پانی ہو جاتا۔ یہ چار ہزار برس کا چشمہ قدرت الٰہیہ کا کرشمہ ہے جس سے ہر سال اس قدر پانی نکالا جاتا ہے کہ دوسرے کنوئیں تو کبھی کے ختم ہو جاتے مگر چشمۂ زمزم برابر جاری ہے۔ اس واقعہ سے عورتوں اور مردوں کو سبق لینا چاہیئے کہ ہاجرہ علیہا السلام کس قدر بلند ہمت بلند حوصلہ اور اللہ کی مرضی پر صابر و شاکر تھیں۔ اس واقعہ کو سوچو اور اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کیا کسی مرد میں بھی ایسی ہمت پائی جاتی ہے جو حضرت ہاجرہ سے ظاہر ہوئی؟ اسی کا یہ صلہ ہے کہ قیامت تک کے لیے ان کی یادگار حج اور عمرہ میں باقی رہ گئی ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہا و عنا و بلغنا الدرجات العلی من الجنۃ۔ آمین۔ (ماخوذ تذکرۃ الظفر)

﴿جدّہ ریڈیو اسٹیشن سے عربی تقریر﴾

جدّہ ریڈیو اسٹیشن سے عربی تقریر

حضرت مولانا مرحوم کی وہ عربی تقریر جو ۴ محرم ۱۳۶۹ھ کو جدہ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن پر ریکارڈ کی گئی تھی۔ حسب ذیل تھی :۔

الحمد لله الملك المحسن الديان الذی شرفنا بالاسلام وکرمنا بالایمان وفضلنا علی العٰلمین باقام الصلٰوة وایتاء الزکوٰة والحج و صوم رمضان واتانا من فضله سلطنة الاسلامیه عظیمة باکستان۔ فلو لا باکستان لکانت الهند کلها مملکة کافرة مشرکة لکثرة الهنود و غلباتهم علیها فقطعنا منها قطعة سمینها باکستان مملکة اسلامیة عظیمة الشان قویة البنیان ۔ نحمده سبحانه و تعالٰی علی هذه النعمة العظیمة والغنیمة الباردة الفخیمة، واظن بل اتیقن فان المسلمین عامة قد فرحوا بوجود هذه المملکة الاسلامیه عددا و عدة وسعة، فعیون

میں اللہ تعالےٰ کی حمد کرتا ہوں جو بڑا محسن کریم اور جزا دینے والا بادشاہ ہے جس نے ہمیں اسلام سے شرف دیا اور ایمان سے عزت دی اور تمام جہان پر نماز قائم کرنے زکوٰۃ ادا کرنے، حج کرنے، اور رمضان کا روزہ رکھنے سے فضیلت دی اور ہمیں اپنے فضل سے ایک بڑی اسلامی سلطنت پاکستان عطا فرمائی۔ اگر پاکستان نہ ہوتا تو ہندوستان کی حکومت سر تا سر حکومت کافرہ غیر شرعی ہوتی کیونکہ اس میں ہنود کی کثرت ہوتی انھی کا حکومت پر قبضہ ہوتا اسلیئے ہم نے ہندوستان کے ایک حصہ کو اپنے لیے الگ کر لیا اس کا نام پاکستان رکھا جو ایک اسلامی عظیم الشان اور مضبوط سلطنت ہے۔ ہم اس نعمت عظیمہ اور غنیمت باردہ فخیمہ پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ میرا گمان بلکہ یقین ہے کہ عام طور پر سب

المسلمين شاحقه اليها لحل المشكلات التي قد افلقتهم من زمان وان شاء ربنا سيجدون باكستان كما يحبون ويشاؤن و مع ذلك فنحن اهل باكستان ننظر الى اخواننا المسلمين باكستان و ان كانت لمملكة عظيمةفي ذاتها فهي في جنت المدرتها صغيرة جدا فلو لا قوتها بنصر اللّٰه تعالٰی و با تحاد الممالك الاسلاميه معهاحتي يكون المسلمون كلهم جماعه واحده و عسكرا واحدلم يقم بها شان و عسكرا واحدا لباكستان نصر من الله و تائيد من الممالك الاسلاميه منظفر لمرادنا ان شاء الله و تحل مشكلا تنا في الشريح زمان وهذا هو الغرض الوحيد الذي جاء وفد باكستان لا جله الى المملكة السعوديه العربيه في موسم الحج لتقوىٰ لذلك الروابط و بين المملكة السعوديه خاصة لكونها في مركز

مسلمانوں کو پاکستان کے بنانے سے بہت خوشی ہوئی ہے کیونکہ اسلامی سلطنتوں میں وہ سب سے بڑی سلطنت ہے آبادی کے لحاظ سے بھی، سازو سامان کے اعتبار سے بھی اور رقبہ کی وسعت میں بھی تمام مسلمانوں کی نگاہیں پاکستان پر ہیں کہ وہ ان مشکلات کو حل کرے گا۔ جنھوں نے مدت سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا ہے اور اللہ نے چاہا تو پاکستان کو ایسا ہی پائیں گے جیسا کہ چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم اہل پاکستان بھی اپنے بھائیوں کی طرف دیکھ رہے ہیں جس طرح وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ پاکستان اگرچہ فی نفسہٖ بڑی سلطنت ہے مگر اپنے دشمنوں کے سامنے بہت چھوٹی ہے اگر اللہ تعالٰی اور ممالک اسلامیہ کا اتحاد اس کے ساتھ نہ ہو کہ سب مل کر ایک جماعت اور ایک لشکر بن جائیں تو پاکستان کچھ نہ کر سکے گا البتہ اگر پاکستان کو اللہ کی مدد اور ممالک اسلامیہ کی تائید حاصل ہو گئی تو انشاء اللہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر تمام مشکلات پر جلد قابو پالیں گے۔ یہی وہ واحد غرض ہے کہ جس کے لیے وفد پاکستان موسم حج

الاسلام وبالممالك الاسلاميه عامة لاجتماع عظما الاسلام و زعمائه وامرائه بمكة فى هذه الايام و ما اهدى جزيل الشكر و جميل الثناء منى و من اهل باكستان كافة الى جلاله الملك سلطان عبدالعزيز آل سعود ولى السمو الامير فيصل والامير منصور وامرائهم و وزرائهم فانهم قداكرموا وفد باكستان غاية الاكرام واحكموا اخوة الاسلاميه والمودة الايمانيه بيننا و بينهم حياهم اللّٰه تعالٰى و ابقاهم وايدهم بنصره و رزقهم الحلوفى الدنيا والدين ويقوى بهم الاسلام والمسلمين آمين۔ وصلّى اللّٰه علٰى خير خلقه سيّدنا محمد وآله واصحابه اجمعين۔

احمد عثمانى عضو الوفد الباكستانى فى سنة الف و ثلثمائة و ثمانين و ستين من الحجرة۔ ٤ محرم الحرام ١٣٦٩ ھ

میں مملکت عربیہ سعودیہ کے پاس حاضر ہوا ہے تاکہ ہم میں اور مملکت سعودیہ میں روابط مودت خاص طور سے مستحکم ہو جائیں کہ وہ مرکز اسلام میں واقع ہے اور عموماً تمام ممالک اسلامیہ سے بھی اتحاد قائم ہو جائے کہ ان ایام میں مسلمانوں کی بڑی بڑی ہستیاں، ان کے نمائندے اور علماء و امراء مکّۃ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں اپنی طرف سے اور تمام اہل پاکستان کی طرف سے جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز آل سعود اور ان کے صاحب زادگان امیر فیصل اور امیر منصور اور جملہ امراء و وزراء دولت کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے وفد پاکستان کا بہت زیادہ اکرام و احترام فرمایا اور اخوت اسلامیہ و محبت ایمانیہ کے روابط کو مستحکم کر کے ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو زندہ و سلامت رکھے اور اپنی مدد سے ان کو طاقت دے۔ دین و دنیا کی ترقی عطا فرمائے اور ان کے ذریعے سے اسلام و مسلمین کی قوت میں اضافہ کرے۔ آمین۔

(ماخوذ تذکرۃ الظفر)(مؤلفہ مفتی عبدالشکور ترمذی)

کراچی ریڈیو پر تقریر

کراچی ریڈیو پر تقریر

حجاز سے واپسی پر وفد پاکستان اور مملکت سعودیہ عربیہ کے متعلق مولانا مرحوم کے تاثرات وخیالات براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کراچی سے نشر ہونا طے پایا تھا۔ چنانچہ ۱۴ محرم ۱۳۶۹ھ کو بعد نماز مغرب ٹھیک آٹھ بجے ریڈیو پر آپ نے تقریر شروع فرمائی جس کی نقل مطابق اصل حسب ذیل ہے :۔

بعد الحمد والصلوۃ میں اس سال اس وفد خیر سگالی میں شامل تھا جو حکومت پاکستان نے حج کے موقع پر حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف حجاز بھیجا تھا۔ اس وقت میں اپنے مشاہدات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس سوا مہینے کی مدت میں میری نگاہ سے گزرے۔ سب سے پہلے ۲۷ ستمبر کو ہم (کراچی کے) ہوائی اڈے پر پہنچے تو عجیب منظر یہ سامنے آیا کہ عزت مآب خواجہ شہاب الدین رئیس وفد اور وزیر داخلہ پاکستان احرام پہنے ہوئے لبیک اللّٰھم لبیک پکار رہے تھے حالانکہ وہ راستہ میں طہران سے احرام باندھ سکتے تھے۔ مگر یہ ان کی بلند ہمتی تھی کہ گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلے۔ میں نے اس تمام سفر میں خواجہ صاحب کی بلند ہمتی کا ہر موقع پر مشاہدہ کیا ہے۔ وہ ہم سب سے پہلے حرم شریف

میں پہنچنے کی کوشش کرتے اور حتی الامکان نماز میں امام کے قریب رہتے تھے۔ اکثر اوقات آدھی رات کو یا اس کے بعد طواف کرنے کی ہمت کرتے تھے تا کہ قلت اژدحام کے وقت سکون واطمینان کے ساتھ طواف کر سکیں۔ حرم میں تلاوت قرآن کا بھی آپ کو بہت شوق تھا کئی قرآن ختم کیئے اور برابر شوق میں ترقی ہوتی رہی۔ مدینہ منورہ میں روضہء شریف کے اندر نماز اور تلاوت قرآن کریم کا بہت اہتمام تھا اور بحمد اللہ وہ اس میں کامیاب رہے۔ کیونکہ خادم روضہ سے آپ نے رابطہء محبت قائم کر لیا تھا۔ آپ کی اس ہمت اور شوق کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ خواجہ صاحب کی اس ہمت اور دینداری پر عام مسلمانوں کی نظریں جم رہی تھیں اور خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایسے دین دار وزیر دیئے ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت کا جذبہ موجزن ہے اور حرم مکہ و حرم مدینہ سے بہت زیادہ والہانہ تعلق ہے۔

دوسرا منظر جلالۃ الملک سلطان ابن سعود اور ان کے وزراء و امراء کا اس وفد کے استقبال اور پرتپاک خیر مقدم میں اسلامی اخوت اور روابط محبت اور عربی حق ضیافت کا مظاہرہ تھا جو ہر قدم پر ہمارے دل میں مسرت وانبساط کی موجیں پیدا کرتا اور اپنی لہروں سے دل ودماغ کو فرحت بخشتا تھا۔ حق یہ ہے کہ جلالۃ الملک کی شاہانہ نظر التفات اور مدبرانہ شان نے ہمارے دلوں پر گہرا اثر کیا ہے۔ وہ ایک طرف حکومت پاکستان سے اپنی محبت و مودت اور ربط واخلاص کو بیان فرماتے اور دوسری طرف اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت وطاقت اور فلاح وکامرانی کا تمام تر دارومدار دین کی قوت پر ہے۔ مملکت پاکستان کو دنیا سے زیادہ دین کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ تا کہ نصرت الٰہی اس کے ساتھ ہو۔ جب ہم نے عرض کیا کہ حکومت پاکستان نے اعلان کر دیا ہے کہ اس کا آئین شرعی ہوگا تو خوش ہو کر فرمایا جس دن ہم اس کو دیکھ لیں گے بہت خوش ہوں گے اور ہماری مسرت وبہجت کا پہلا دن ہوگا۔ ہم نے جدہ سے روانہ ہوتے ہوئے سلطان کی عنایات والطاف کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اب پاکستان پہنچ کر ہم صمیم قلب سے تمام مسلمانوں کی طرف سے عموماً اور حکومت پاکستان کی طرف سے خصوصاً مکرر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں جلالۃ الملک کی عنایات اور الطاف شاہانہ نے ایسا گہرا نقش قائم کیا ہے جو ہمیشہ تازہ رہیگا۔ جلالۃ الملک سے جب میں نے آخری مصافحہ کیا

تو متبسّم ہو کر فرمایا انتم صدیقنا الاوّل۔ (آپ تو ہمارے پرانے دوست ہیں) سلطان کا یہ فقرہ میرے دل سے کبھی محو نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جلالۃ الملک کی عمر دراز فرمائیں۔ ان کو صحت و سلامتی کے ساتھ خدمت اسلام و مسلمین کے لیے زندہ سلامت رکھیں۔ ان کی مملکت کو دن دونی رات چوگنی ترقی واستحکام عطا فرمائیں جس میں دنیا کے ساتھ دینی ترقی کا قدم بھی آگے بڑھتا رہے۔ ان کے شہزادوں اور عمّال و حکام کو بھی انھی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ وہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ آمین۔

اس موقعہ پر ہم سعود الملک امیر فیصل والی حجاز امیر عبداللہ فیصل ثالث والی حجاز اور امیر منصور وزیر دفاع (جن کا افسوس کہ اب انتقال ہو چکا ہے) اور سیّد عبداللہ بن سلیمان وزیر مالیہ، شیخ محمد صالح قزاز مدیر ادارۃ الحج اور شیخ محمد سرور نائب وزیر مالیہ اور امیر جدّہ و امیر مدینہ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے وفد پاکستان کی عزت افزائی اور مہمان نوازی میں غایت خلوص اور محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ جزاھم اللہ۔

ناشکری ہوگی اگر ہم اپنے کرم فرما شیخ محمد سمیع دہلوی کو یاد نہ کریں جو حکومت سعودیہ کی طرف سے اس وفد کی میزبانی (اور ترجمانی) اور راحت رسانی کے لیے مقرر کیئے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس محبت و خلوص سے ہماری راحت رسانی کا حق ادا کیا ہے وہ آپ ہی کا حق تھا۔ شیخ عبداللہ اور شیخ مصطفیٰ کے بھی ہم شکر گزار ہیں کہ ان دونوں نوجوانوں نے حق ضیافت کو بڑی خوبی سے ادا کیا اور وفد پاکستان کو بہت آرام پہنچایا۔

تیسرا منظر حکومت سعودیہ عربیہ کے ان انتظامات کا نظارہ تھا جو ملک کی ترقی اور حجاج کی راحت رسانی کے لیے وہ آج کل کر رہی ہے۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ جدّہ سے مکہ تک اور مکّہ سے عرفات تک ڈامر کی پختہ سڑک بن گئی ہے جس پر لاریاں اور موٹر کاریں بے تکلف چلتی رہتی ہیں۔ جدّہ اور مکّہ سے مدینہ تک کے لیے بھی اسی قسم کی سڑک کا ٹھیکہ دیدیا گیا ہے جو امید ہے آئندہ سال حج سے پہلے تیار ہو جائے گی اور جدّہ و مکّہ سے مدینہ تک بھی لاریاں اور موٹر کاریں ڈامر کی سڑک پر چلتی پھرتی نظر آئیں گی۔ جدّہ میں میٹھے پانی کی ہمیشہ سے قلت تھی مگر اب حکومت سعودیہ نے وادی

فاطمہ سے نہر زبیدہ میں آٹھ چشموں کا پانی شامل کر کے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ پچاس میل کے فاصلہ سے نل کے ذریعہ جدّہ میں میٹھا پانی پہنچایا ہے۔ ہر پانچ کلو میٹر پر راستے میں نل لگا دیئے ہیں تاکہ پیدل چلنے والے مسافروں کو بھی پانی کی تکلیف نہ ہو۔ حکومت سعودیہ پانی کی قلت رفع کرنے کے لیے خاص توجہ دے رہی ہے۔ ان چشموں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو پہلے جاری تھے مگر غفلت کے باعث عرصہ دراز سے بند پڑے ہیں۔ اگر یہ سکیم مکمل ہو گئی اور چار سو مردہ چشمے زندہ ہو گئے تو حقیقت میں یہ بڑا کارنامہ ہوگا جو حکومت سعودیہ کی تاریخ میں آب زر سے لکھا جائے گا۔ پانی کی افراط سے اب جدّہ میں سر سبز شاداب باغات اور کھیت نظر آنے لگے ہیں جو اس سرزمین میں عجائبات سے کم نہیں۔

جدّہ میں گودی (بندرگاہ) کا کام بھی بڑی سرعت سے ہو رہا ہے امید ہے کہ آئندہ سال حاجیوں کے جہاز کنارہ سے دور نہیں ٹھہریں گے بلکہ کراچی اور بمبئی کی طرح گودی میں ٹھہرا کریں گے جس سے مسافروں کو جہاز پر چڑھنے اترنے میں سہولت ہو جائے گی۔ یقیناً یہ بھی حکومت سعودیہ کا بڑا کارنامہ ہوگا جس پر اس سے پہلے کسی حکومت نے توجہ نہیں کی تھی۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ حکومت سعودیہ حجاز، نجد اور شام میں ریلوں کا سلسلہ بھی قائم کرنا چاہتی ہے۔ اگر یہ سکیم مکمل ہو گئی اور حکومت پاکستان ایران عراق کے راستے سے اپنی ریل کا سلسلہ اس سے ملا دے اور بصرہ سے نجد و مدینہ ہوتے ہوئے مکّہ تک ریل ہو جائے تو زائرین کو تمام بلاد اسلامیہ کی سیر کے ساتھ تمام مقامات مقدّسہ کی زیارت کا خشکی کے راستہ موقع مل جائے گا۔ جس سے روابط اسلامیہ کو بھی بڑی تقویت ہو گی۔

حکومت سعودیہ کا امن و امان تو بے نظیر ہے اس وقت مکّہ سے مدینہ اور مکّہ سے طائف اور طائف سے نجد تک تن تنہا آدمی سفر کر سکتا ہے اور چاندی سونا لیجا سکتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی جان و مال کو بری نگاہ سے دیکھ سکے۔ نماز کے وقت جب پولیس کا آدمی الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارتا ہے کہ نماز کو چلو تو بہت سے دکاندار اسی طرح اپنی دکان کو کھلا ہوا چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ان کو چوری کا ذرا بھی خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ حکومت سعودیہ نے شرعی قانون جاری کر دیا ہے کہ جس پر

چوری کا ثبوت ہو جائے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس وقت تک مملکت سعودیہ کی تمام مدت حکومت میں پندرہ سولہ ہاتھ سے زیادہ نہیں کاٹے گئے اور تین سال سے تو ایک بھی ہاتھ کاٹنے کی نوبت نہیں آئی مگر چوری کی وارداتیں بند ہو گئی ہیں۔ اس سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو دوسرے طریقوں سے جرائم کو بند کرنا چاہتے ہیں مگر بجائے بند ہونیکے جرائم کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

چوتھا منظر وہ عام اخوت و مساوات کا نظارہ تھا جو حج کی خصوصیات میں سے ہے۔ بیت اللہ کے گرد شاہ و گدا، امیر و غریب، عرب، ترک، ایرانی، افغانی، عراقی، شامی، مصری، ہندوستانی، جوان، بوڑھے، بچے اور بڑے طواف کرتے ہوئے ایک شان، ایک لباس میں احرام باندھے ننگے سر نظر آتے ہیں تو دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت بے ساختہ یوں کہنے کو دل چاہتا ہے۔

غلام نرگس مست تو تاجدارانند خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند
نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

ایک لحاظ سے دیکھئے تو حج بڑی عبادت ہے۔ خدا کی محبت انسان کے دل میں نہ ہو تو وہ اپنے کاروبار چھوڑ کر، عزیزوں اور دوستوں سے جدا ہو کر اتنے لمبے سفر کی زحمت کیوں برداشت کرتا۔ اس لیے حج کا ارادہ ہی خود محبت الٰہی اور خلوص کی دلیل ہے۔ پھر انسان جب اس سفر کے لیے نکلتا ہے تو اس کی کیفیت عام مسافروں جیسی نہیں ہوتی بلکہ اس سفر میں اس کی توجہ زیادہ تر خدا کی طرف رہتی ہے اس کے دل میں شوق اور ولولہ بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں کعبہ قریب آتا جاتا ہے محبت کی آگ اور زیادہ بھڑکتی ہے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

گناہوں اور نافرمانیوں سے دل خود بخود نفرت کرنے لگتا ہے پچھلے گناہوں پر شرمندگی ہوتی ہے۔ آئندہ کے لیے فرماں برداری کا عہد کرتا ہے۔ عبادت اور ذکر الٰہی میں لطف آتا ہے، سجدے لمبے لمبے کرتا ہے۔ دیر تک سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ قرآن پڑھتا رہے تو اس میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے جب سرزمین حجاز میں قدم رکھتا ہے تو اسلام کی پوری تاریخ نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ چپہ چپہ پر خدا

سے محبت کرنے والوں اور اس کے نام پر جان و مال قربان کرنے والوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ سفر مدینہ میں ہجرت رسول اللہ ﷺ کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ اور حضرات مہاجرو انصار کی مدنی زندگی نگاہوں میں پھرتی ہے۔ جبل احد کی زیارت سے غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کی تاریخ سامنے آجاتی ہے جس میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑا درس عبرت ہے غرض مکہ‘ مدینہ‘ منیٰ اور عرفات کا ذرہ ذرہ عظمت اسلام کی گواہی دیتا ہے اور وہاں کی ہر کنکری پکارتی ہے کہ یہ ہے وہ سر زمین جہاں سے علم اسلام اور کلمۂ حق بلند ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کا دل خدا تعالیٰ کے عشق اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت اور اسلام کے ساتھ والہانہ تعلق سے بہرہ ور ہو جاتا ہے وہاں سے وہ ایسا گہرا اثر لے کر واپس ہوتا ہے جو مرتے دم تک اس کے دل سے محو نہیں ہوتا۔ پھر حج کی وجہ سے مکہ تمام دنیائے اسلام کا مرکز ہے ہر گوشہ سے اللہ کے نام لیوا ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت میں وہاں جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ آپس میں اسلامی محبت واخوت قائم ہوتی ہے اور یہ نقش دل پر جم جاتا ہے کہ مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی نسل کے ہوں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ایک ہی ملت کے افراد ہیں اسی بناء پر حج اگر عبادت ہے تو اس کے ساتھ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک ایسا عظیم الشان اجتماع بھی ہے جو مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور بڑھانے کا سب سے بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔

میں حکومت پاکستان کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس نے ایسے مبارک وقت پر اپنا وفد حجاز بھیجا تاکہ اس مقدس مکان و زمان سے محبت و اتفاق کا وہ فائدہ حاصل ہو جس کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ مبذول ہوتی ہے الحمد للہ کہ وفد اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہوا اور مملکت سعودیہ عربیہ سے خصوصاً اور تمام ممالک اسلامیہ سے عموماً اپنے روابط کو مضبوط کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ عراق و شام‘ مصر و افریقہ‘ مراکش و انڈونیشیا وغیرہ تمام اطراف کے زعماء و امراء و عمائد و علماء و مشائخ سے ملنے کا ہمیں موقع ملا۔ سب کو حکومت پاکستان کے قیام سے فرحاں و شاداں پایا۔ سب کے سب قرارداد مقاصد پاس ہونے سے بہت زیادہ خوش ہیں اور منتظر ہیں کہ پاکستان میں بہت جلد نظام شرعی نافذ ہو جائے۔ عالم اسلام مسئلہ کشمیر کے حل کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے کہ جلد سے جلد اس کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہو جائے۔ اگر مسلمانان پاکستان و کشمیر باہم متحد و

متفق رہے جیسا کہ اب تک ہیں تو انشاء اللہ کشمیر کا مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ پاکستان کو استحکام و غلبہ و سطوت اور طاقت و قوت اور ترقی دوام عطا فرمائیں اور پاکستان میں نظام شرعی جلد نافذ ہو جائے۔ آمین۔

تبلیغی جماعت کی اصلاح

تبلیغی جماعت کی اصلاح

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے سفرنامۂ حجاز میں تبلیغی جماعت کی اصلاح کے لیے ایک مضمون تحریر فرمایا ہے، جسے من و عن پیش کیا جاتا ہے۔

تبلیغی جماعت کے متعلق مولانا کے تاثرات

اپنے سفرنامہ میں حضرت مولاناؒ نے تبلیغی جماعت کا تعارف اس کے دستور العمل اور فوائد و منافع اور دوسرے ممالک میں اس کی وسعت و ضرورت پر بہت تفصیل سے تجزیہ فرمایا ہے اور نہایت شاندار الفاظ میں اس جماعت کے کام کی تحسین اور جماعت کو خراج تحسین پیش فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی "مبلغین کی خدمت میں چند معروضات" کے عنوان کے تحت نہایت مفید مشورے اور چند قابل توجہ امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی افادیت و

اہمیت کے پیشِ نظر بعض اہم اور قابلِ اصلاح امور کا تذکرہ یہاں بھی کر دیا جائے۔ حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں :۔

> ” تبلیغ کی ضرورت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کام کو اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن افراط اور تفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے اس لیے چند امور پر تنبیہ ضروری ہے۔

۱۔ تبلیغی گشت کے بعض مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو زبردستی پکڑ کر مسجد کی طرف گھسیٹا جارہا ہے، کسی کو کمر میں ہاتھ ڈالا جارہا ہے کسی کے گلے میں کہ بھائی چلو۔ بس اسی وقت سے نماز شروع کرو۔ کسی نے ناپاکی کا عذر کیا تو زبردستی کنوئیں یا تالاب پر لے جاکر نہلایا جارہا ہے بعض اس سے بچنے کے لیے بھاگے اور منہ چھپاتے ہیں۔ بعضوں کی زبان سے سخت کلمات نکل جاتے ہیں۔ یہ نازیبا صورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے لیے بھی پسند نہیں فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

” اما من استغنی فانت له تصدی“

”جو شخص (دین سے) استغنا برتتا ہے آپ اس کے درپے ہوتے ہیں“۔

حالانکہ حضورؐ کے ہاں کسی نازیبا غلو کا نام بھی نہ تھا۔

۲۔ بعض لوگوں کو اس کام کے لیے ایک چلہ یا دو چلہ دینے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے جو اصرار کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ اپنے کاروبار کے نقصان کا عذر پیش کرتا ہے تو دعوے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے تمھارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ چار و ناچار وہ اپنے کاروبار کو بری بھلی صورت میں چھوڑ کر ایک دو چلہ کے لیے تبلیغ میں شریک ہو جاتا ہے اور جماعت کے ساتھ دورہ کرتا رہتا ہے جب واپس آکر کاروبار میں نقصان دیکھتا ہے تو ادھر ادھر شکایتیں کرتا اور جماعت کو برا بھلا کہتا پھرتا ہے۔ یہ بھی نازیبا صورت ہے ہر

شخص خود کو مولانا محمد الیاسؒ صاحب نہ سمجھے۔ وہ جن پر ایسا اصرار کرتے تھے ان کے لیے ہمت و توجہ کے ساتھ دعائیں بھی کرتے تھے جن کی برکت سے اس شخص کے دل میں اخلاص پیدا ہو جاتا تھا اور اخلاص کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو جاتی تھی اور تبلیغ میں ایک دو چلہ کی سعی اور مشغولی سے کاروبار میں بھی نقصان نہ ہوتا تھا بلکہ پہلے سے زیادہ برکت ہوتی تھی۔ اس لیے مولانا کو اس قسم کے اصرار کا حق تھا دوسروں کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ مولانا پر عاشقانہ رنگ غالب تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں جس کو یہ مقام حاصل نہ ہو اس کو ان کی نقالی نہیں کرنی چاہیئے۔

۳۔ بعض لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمت اسلام کے طریقوں کو بے کار سمجھتے ہیں اور جو حضرات علماء و صلحاء اپنے اپنے طریقہ پر مدارس یا خانقاہوں میں درس حدیث و قرآن و فقہ اور تزکیۂ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کے لیے بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی غلو اور افراط ہے اگر سارے علماء و صلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں اور دوسرے تمام کام معطل کر دیئے جائیں تو علم قرآن و حدیث و فقہ اور تزکیۂ اخلاق و تکمیل ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ

”ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر“

کہ تم میں ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے۔ نیک کاموں کا امر کرے۔ برے کاموں سے روکے۔ وہیں یہ بھی ارشاد ہے کہ

” فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين و لينذروا

قومهم اذا رجعوا اليهم۔"

مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ (اور کمال) حاصل کریں۔ اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں ۔ اسی طرح ایک جماعت اہلِ حکومت کی ہونا ضروری ہے ایک جماعت سپاہیوں کی بھی ہونی چاہیئے۔ غرض اہلِ حرفہ 'زراعت پیشہ' تجارت اور ملازمت کرنے والے سب ہی ہونے چاہئیں۔ البتہ ان سب کو اپنے اوقات فرصت میں تبلیغ احکام کی خدمت بھی جس قدر ہو سکے انجام دینی چاہیئے۔ (صفحہ ۸۷)

۴۔ بعض دفعہ تبلیغ کے لیے پیادہ پا سفر کرنے کی اس عنوان سے ترغیب دی جاتی ہے کہ بوڑھے اور کمزور بھی پیدل چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور ان کو بجائے روکنے کے شاباش دی جاتی ہے یہ بھی نازیبا صورت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک شخص کو پیادہ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا سوار ہو جا" اس نے عذر کیا کہ میرے ساتھ جو اونٹنی ہے وہ بدنہ ہے (جسے اللہ کے نام پر ذبح کرنیکی نیت کر چکا ہوں) کچھ دیر کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر وہی عذر کیا۔ آپؐ نے تیسری بار فرمایا" اركبها ويلك "ارے تیرا ناس ہو سوار ہو جا۔ غرض ایسے لوگوں کا پیادہ چلنا اور دور دراز کا سفر کرنا رسول اللہ ﷺ کو گوارہ نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض نہ ہو اور مشقت کا تحمل بھی نہ کر سکیں ان کے سامنے حج کے فضائل اس طرح بیان نہ کرو کہ وہ پیدل سفر کرنے پر آمادہ ہو جائیں پھر مشقت کا تحمل نہ کر سکیں تو حج اور بیت اللہ کی عظمت ہی ان کے دل سے جاتی رہے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ وہ حج نہ کرتے کہ ان کے ذمہ فرض نہ تھا۔

اسی طرح پیدل سفر کر کے تبلیغ کرنا بھی فرض نہیں ہے تو اسکی ترغیب اس طرح دی جائے کہ جن کو مشقت کی عادت نہ ہو وہ بھی تیار ہو جائیں اور تکلیف اٹھا کر تبلیغ کو دل میں برا کہیں۔

۵۔ بعض دفعہ مجمع عام میں تبلیغ کے لیے ایک چلّہ دو چلّہ دینے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جب کوئی نہیں بولتا تو نام لے کر پکارا جاتا ہے کہ میاں فلانے تم کیوں نہیں بولتے۔ پھر جب لوگ نام لکھواتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ شخص شوق سے نام لکھوا رہا ہے یا لوگوں کی شرما شرمی سے ہمیں کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی ہے۔ اس کام میں ان ہی لوگوں کو لینا چاہیے جو خلوص اور شوق سے کام کرنا چاہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ شرما شرمی شریک ہو جاتے ہیں اصولوں کی پابندی نہیں کرتے بلکہ بعض تو تبلیغ کے نام سے اپنے لیے چندہ کرتے پھرتے ہیں جس کا اثر الٹا اور بہت برا ہوتا ہے۔

۶۔ بعض حضرات نے تبلیغ کے چھ اصولوں ہی میں سارے دین کو منحصر سمجھ رکھا ہے اگر کسی دوسرے دینی کام کے لیے ان کو بلایا جاتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہمارے چھ اصولوں سے خارج ہے اس لیے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے یہ بھی غلو اور افراط میں داخل ہے۔

۷۔ مبلغین عام طور پر تبلیغی گشت ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ جہاں قرآنی مکتب اور دینی مدارس نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں امراء و حکام اور وزراء کو شریک کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے یہ صورت بھی اچھی نہیں۔ بس ترغیب سے زیادہ کچھ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد کوئی خود اپنے شوق سے آئے تو خوشی کی بات ہے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں۔

میں نے مکہ معظمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآنی مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بدوؤں کا جہل دور ہو اور ان کو علم ے مناسبت ہو جائے۔ امید ہے دوستوں نے اس کا اہتمام کیا ہوگا۔ (صفحہ ۸۸)

جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم وذکر

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے فرمایا کہ میرا اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے علوم ہوں اور میرا طریقۂ تبلیغ ہو تو مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم اور نصاب ذکر الگ الگ قلمبند کر دوں۔ چنانچہ میں نے نصاب قلمبند کر کے پیش کیئے تو بہت خوش ہوئے۔ اس نصاب میں حضرت حکیم الامتؒ کے رسائل و مواعظ اور تفسیر بیان القرآن کو خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور نصاب ذکر میں بھی حضرت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے اگر جماعت تبلیغ ان نصابوں کے موافق تعلیم وذکر کا اہتمام کرتی رہے تو حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔ (صفحہ ۸۳)

افسوس کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی اور حضرت مولانا کے متوسلین و متبعین نے حضرت کاندھلویؒ کے منشاء کے مطابق حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے علوم کو دنیا میں پھیلانے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ چنانچہ ان کی بے توجہی کے باعث اب تو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت مرحوم کے حکم سے تعلیم وذکر کا جو نصاب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے جماعت تبلیغ کے لیے حضرت حکیم الامتؒ کی ہی کتابوں سے مرتب کیا تھا اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا وہ کیا تھا؟ اور کیا ہوا؟۔

(تذکرۃ الظفر)

زمزم چشمہ ہے کنواں نہیں ہے۔

مسلمانوں کو آب زمزم سے عقیدت ہے وہ اس کو شفاء سمجھتے ہیں تو یورپ والوں کو اس میں عیب جوئی کی سوجھی۔ بعض ڈاکٹروں نے دعویٰ کر دیا کہ چونکہ یہ کنواں اوپر سے کھلا ہوا نہیں بلکہ ایک محفوظ قب کے اندر ہے جہاں دھوپ کا گزر نہیں۔ اس لیے اس کا پانی صحت کے لیے مضر ہے۔ ان کو سن لینا چاہیئے کہ یہ کنواں نہیں ہے بلکہ چشمہ ہے اور چشمہ کا پانی صحت کو مضر نہیں ہوتا خواہ بند ہو یا کھلا ہوا ہو۔ اور آب زمزم کا شفاء ہونا تم کو معلوم نہ ہو لیکن لاکھوں مسلمانوں کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔

دوسرے حج میں بمقام منی میرے دونوں بچوں کو سخت پیچش ہو گئی تھی کسی دوا سے فائدہ نہ ہوا تو میرے مطوف محبوب صدیقی مرحوم نے کہا کہ مکہ میں تو زمزم کے سوا کوئی دوا نہیں۔ چنانچہ اسی روز سے ان کو زمزم پلانا شروع کیا۔ اگلے دن اچھے خاصے ہو گئے۔ خود میرا اپنا تجربہ ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے جس قدر زمزم زیادہ پیا اسی قدر صحت اچھی رہی۔ عام طور سے سب مسلمانوں کا ایسا ہی تجربہ ہے البتہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کو فائدہ نہ ہو تو اور بات ہے اور اس میں زمزم کا قصور نہیں۔ عمدہ سے عمدہ دوا بھی اسی وقت نفع کرتی ہے جب مریض کو اس کے نافع ہونے کا اعتقاد ہو اور پر اعتماد ہو۔ جن دواؤں کو نافع یا مضر کہا جاتا ہے ان کے نفع اور ضرر کا مدار تجربہ کے سوا کس چیز پر ہے؟ آب زمزم کے نافع اور شفاء ہونے کا تجربہ ایک دو نے نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے کیا ہے اور سینکڑوں سالوں سے تجربہ کرتے آرہے ہیں۔

میدان عرفات میں پہنچ کر وہ وقت یاد آجاتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس جگہ تمام مسلمانوں سے عہد و میثاق لیا 'الست بربکم (کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟) اور سب نے جواب میں عرض کیا تھا بلی شھدنا (بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں۔)

یہاں پہنچ کر اس عہد و میثاق کی تجدید اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اسی مقام پر حجۃ

الوداع میں رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی،

> الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت
> لکم الاسلام دینا
>
> ”آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر
> دی اور اسلام کو تمہارے واسطے پسندیدہ بنادیا“۔

ایک یہودی نے یہ آیت سنی تو حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم یہودی اس دن ہمیشہ عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئی تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کا فرض ادا کر رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کو اپنی طرف سے عید منانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس آیت کو ایسے دن اور ایسے وقت میں نازل فرمایا ہے جو ہماری سب سے بڑی عید ہے کہ اس کے برابر کسی دن بھی مسلمانوں کا اجتماع نہیں ہوتا اس نعمت عظمیٰ کو یاد کر کے ہمیں اس کا شکر ادا کرنا اور احکام اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کا عہد کرنا چاہیے۔

وقوف عرفہ کے بعد آپ مزدلفہ جائیں گے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی اور قبول کی گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر شیطان ذلیل وخوار ہو گیا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا اسی سے مشعر حرام (مزدلفہ) کی عظمت وبرکت کا سکہ دل پر جمتا ہے کہ اس جگہ دعا قبول ہوتی ہے پھر آپ یہاں سے منی کو جائیں گے راستہ میں وادی محسّر ملے گی جہاں اصحاب الفیل کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا تھا جو یمن کی طرف سے لشکر جرار لے کر ہاتھیوں کے جلو میں کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے لیے آئے تھے جس کی طرف سورہ الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس میدان سے تیزی سے نکل جانے کا حکم ہے۔ اس واقعہ کی یاد سے بیت اللہ کی عزت دل میں بڑھ جاتی ہے اور مسلمانوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ اپنے دین اور شعائر دین کا محافظ ہے جو اس کو مٹانا چاہے گا وہ خود مٹ جائے گا۔

پھر آپ منی میں رمی جمار کریں گے۔ یعنی تین مقامات پر کنکریاں مارینگے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہکایا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان کو ذبح کرنے کے واسطے لے جا رہے ہیں اپنے کو بچالیں اور باپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے کو ذبح بھی کیا ہے جو وہ مجھے ذبح کریں گے؟ شیطان نے کہا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ان کو حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا۔ کم بخت! پھر تو مجھے خدا کے حکم سے بہکانا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس کے کنکریاں ماریں جن سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کے بارہ سالہ بچے کی یہ ادا پسند آئی۔ اور قیامت تک کے لیے ان مقامات پر کنکریاں مارنا حج میں لازم ہو گیا۔

اس واقعہ کی یاد سے مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض جنت کا دنبہ ذبح کیا گیا تھا اسی طرح ہر مسلمان صاحب استطاعت اپنی جان کے فدیہ میں ایک جانور کی قربانی کرتا ہے۔

غرض اللہ و رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے لیے حج بڑا امتحان ہے جو سچے عاشق ہیں وہ سب چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر مستانہ وار کھڑے ہو جاتے ہیں اور تکالیف سفر کی پرواہ نہیں کرتے اور جو نام کے مسلمان ہیں وہ باوجود استطاعت کے سینکڑوں بہانے کر کے حج جیسی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

۸۔ سفر حج دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے بہترین سفر ہے۔ اس سے اقوام عالم کے اخلاق و عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے۔ مختلف تجربات اور منافع ہوتے ہیں۔ موجودہ اور گذشتہ اقوام کے مقامات و حالات کو دیکھ کر خاص عبرت حاصل ہوتی ہے۔ مقامات مقدسہ مکۃ و مدینہ کی زیارت مسلمانوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ قابل اہتمام ہے کہ اس جگہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن اور ہجرت گاہ و مدفن ہے۔ دینی حیثیت سے ان مقامات کو

مرکزی شان حاصل ہے۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کی زیارت اور طواف کرنا اور وہاں نماز ادا کرنا گویا دربار الٰہی میں حاضر ہونا ہے۔ ان مقامات کی زیارت سے عروج اسلام کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور مسلمانوں کو اپنے زوال کے اسباب پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۹۔ سفر حج، سفر آخرت کا نمونہ ہے۔ جب حاجی اپنے گھر سے چلتا ہے تو احباب و اقارب سے رخصت ہوتا اور سب سے معافی چاہتا اور ضروری امور کے متعلق وصیت کرتا ہے کیونکہ اس کو خیال ہوتا ہے کہ شاید وہاں سے واپسی نہ ہو اور اس مقدس زمین میں آخری وقت آجائے جس کی تمنا ہر قلب مومن میں موجزن ہے۔ احرام کا لباس پہنتے ہوئے کفن یاد آجاتا ہے کہ ہر امیر و غریب کے ساتھ مرتے وقت دو کپڑوں سے زیادہ کچھ نہ جائے گا۔ میدان عرفات میں اطراف عالم سے انسانوں کا اجتماع، آفتاب کی تمازت، دھوپ کی شدت روز محشر کا نمونہ ہوتا ہے جس طرح قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی فکر ہوتی ہے دوسروں سے بات کرنا ہی گراں گزرتا ہے۔

۱۰۔ حج میں توحید اور کمال اطاعت و انقیاد کا مظاہرہ ہے بار بار لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك پکارنا توحید کا زبردست اعلان ہے۔ پھر حج کے افعال و اعمال تمام تر تعبدی ہیں۔ قیاسی و عقلی نہیں۔ بندہ ان اعمال کو محض حکم کی وجہ سے ادا کرتا ہے خواہ ان کی حکمت اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جہاں طواف کا حکم ہے چکر کاٹتا ہے جہاں دوڑنے کا حکم ہے دوڑتا ہے جہاں ٹھہرنے کا حکم ہے ٹھہرتا ہے جہاں کنکریاں مارنے کا حکم ہے کنکریاں مارتا ہے عقل کو تابع فرماں بنا کر محبت و عبودیت کی بناء پر ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے جس سے عبدیت کامل اور ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ اب میں اس خطبہ پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں جو رسول اکرم ﷺ نے میدان عرفات اور یوم النحر میں اسی مقام پر دیا تھا۔ آپؐ نے یوم عرفہ میں فرمایا تھا:۔

الا کل نبی قد مضت دعوته الا دعوتی ادخدتها عند ربی الی یوم القیمه اما بعد فان الانبیاء مکاثرونی۔ فلا تخذونی فانی جالس لکم علی باب الحوض وفی روایة ولا قالوا علی الله فانه من قال علی الله یکذبه (طبرانی فی الکبیر عن ابی امامه) (ان النبیﷺ قال یوم حجته الوداع ان الله یقول یا ایها لناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندا الله اتقاکم فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی فضل ولا لاسود علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود فضل الابالتقویٰ۔ یا معشر قریش لا یجتبئو بالدنیا تحملونها علی رقابکم ویجئی الناس بالآخرة فافی لا اغنی

سن لو ہر نبی کی دعا، گزر چکی بجز میری دعا کے کہ میں نے اس کو قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑا ہے۔ امابعد انبیاء کا مجھ سے مقابلہ ہو گا تو مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ میں تمھارے انتظار میں اپنی حوض کے دروازہ پر بیٹھا رہوں گا۔ (تو ایسے کام کرنا کہ میرے پاس پہنچ جاؤ) ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے اوپر قسم نہ کھاؤ (کہ خدا کی قسم ایسا ضرور ہوگا) کیونکر جو اللہ پر قسم کھاتا ہے خدا اس کو جھوٹا کر دیتا ہے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر دیا کہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر سکو اور یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ پس عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کچھ فوقیت نہیں مگر تقوے سے (البتہ فضیلت ہو گی) اے گروہ قریش! دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم تو دنیا کو اپنی گردنوں پر لاد کر لاؤ اور دوسرے

عنكم من الله شيئا(طبرانى من الكبير عن الحداء بن خالد) عن عمرو بن الاحوص قال شهدت حجة الوداع محمد رسول الله ﷺ فحمد الله واثنى عليه وذكر و وعظ ثم قال محمد اى يوم احرم قال اليوم حج الاكبر قال فان دمائكم واموالكم اعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فى بلدكم هذا فى شهركم هذا الا لا يجنى جان الا على نفسه ولا لحن والد على ولده ولا ولد على والده۔ الا ان المسلم اخو المسلم فليس يحل لمسلم من اخيه شيئى ولا ما احل من نفس الا وان كل ربا الجاهلية موضوع لكم روس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون غير ربا العباس فانه موضوع كله

لوگ آخرت کو لائیں۔ (تم دنیا کے طالب ہو اور دوسرے آخرت کے طالب ہوں) کہ اس صورت میں تم کو اللہ (کے عذاب سے کچھ نہ بچا سکوں گا۔ آپ نے حجۃ الوداع میں اللہ کی حمد و ثناء کی اور تذکیر و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کون سا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے؟ لوگوں نے کہا حج اکبر کا دن (یوم عرفہ) فرمایا تو سن لو کہ تمھاری جان تمھاری آبرو، تمھارے اموال کی حرمت آپس میں ویسی ہی ہے جیسے اس دن کی حرمت اس زمین میں اس مہینہ میں ہے سن لو! ہر شخص کا جرم اس کی ذات کے ساتھ جاری ہے کوئی باپ اپنے بیٹے کے جرم میں اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے جرم میں گرفتار نہ کیا جائے گا۔ سن لو ہر مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کسی مسلمان کو اپنے کسی بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں سوا اس کے کہ جو وہ حلال کر دے (ہبہ کر دے یا بیع کر دے) سن لو جاہلیت کا سود سب ساقط ہے بس تم کو اصلی مال ملے گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور حضرت عباسؓ کا سود پورا کا پورا ساقط ہے (ان کو اصل مال بھی نہ ملے گا) جاہلیت کے

الادان كل دم كان فى الجاهلية موضوع واول دم اضع من دم الجاهلية دم الحارث بن عبدالمطلب و دكان مستر ضعافى بنى ليث فضلة هزيلالاواستوصوا بالنساء خير ا فانهن عوان عندكم ليس تملكون شيئا غير ذلك الا ان ياتين بفاحشة مبينه فان فعلن فاهجروهن فى المضاجع واضربوهن غير باغير مبرح فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن صبيه ان لكم على نسائكم حقاً ونساء ئكم عليكم حقا فاما متعكم على۔ نسائكم فلا يومئن وشكم من تكرهون ولا باذن فى بيوتكم لمن تكرهون الاوان حقهن عليكم ان تحسنوا اليهن فى كسوتهن وطعامهن۔ وفى رواته الاوان الشيطان قد ايس ان يعبد فى

خون سب ساقط ہیں اب انکا مطالبہ نہیں ہو سکتا اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے خون کو ساقط کرتا ہوں جو جاہلیت میں ہوا تھا یعنی حارث بن عبدالمطلب کا خون جن کو ہزیل نے مار ڈالا تھا۔ سن لو عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ تمہارے پاس بمنزلۂ قیدی کے ہیں۔ اس کے سوا تم کو ان پر اور کچھ حق نہیں۔ البتہ اگر وہ کھلی بے حیائی پر اتر آئیں تو (اول) ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو اور (اس سے بھی درست نہ ہوں) تو ہلکی مار مارو جس سے خون نہ نکلے۔ پھر اگر وہ تابعدار ہو جائیں تو ان پر زیادتی کے لیے بہانے مت ڈھونڈو۔ سن لو! ایک حق تمہارا عورتوں پر ہے ایک حق ان کا تم پر ہے۔ تمہارا حق تو یہ ہے کہ تمہارے بستروں پر ایسے آدمیوں کو نہ لیٹنے دیں جن سے ان کو ناگواری ہے اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور ان کا حق اوپر تمہارے یہ ہے کہ کھانے کپڑے میں ان کے ساتھ احسان کرو۔ (تنگ نہ رکھو) سن لو! شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے لیکن

بلدکم هذا ولکن ستکون اطاعۃ فیما تحتقرون من اعمالکم و یرضی بہ۔ (للترمذی وللشیخین نحوہ عن ابن عمر)ان الزمان قد استدار کهیئتکم یوم خلق الله عشر شهرا منها اربعة حرم ثلاث متوالیات ذو القعده و ذوالحجه والمحرم ویحب عنصر الذی بین جمادی وشعبان ای شهد هذا قلنا الله و رسوله اعلم نسکت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه فقال الیس ذلك ذوالحجه؟ قلنا بلی قال ای هذا؟ قلنا الله و رسول اعلم فسکت حتی ظننا انه سیسیمیه، بغیر اسمه فال الیس ذلك ذوالحجه؟ قلنا الله و رسول الله ﷺ اعلم فسکت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه قال الیس البلاد الحرام؟ قلنا

محض کاموں میں اس کی اطاعت کی جائے گی جن کو تم معمولی بات سمجھو گے اور وہ اس سے خوش ہو جائے گا نیز فرمایا زمانہ اسی حالت پر گردش و انقلاب کے بعد آ گیا ہے جس پر اس دن تھا جب اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے محترم ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ پھر فرمایا کہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے کہا اللہ و رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ان کو یہ گمان ہوا کہ شاید آپؐ کوئی دوسرا نام رکھنا چاہتے ہیں فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ صحابہؓ نے کہا بیشک پھر پوچھا یہ کونسی بستی ہے صحابہؓ نے کہا اللہ و رسول اعلم۔ فرمایا کیا یہ بلاد حرم نہیں ہے؟ عرض کیا گیا بیشک فرمایا یہ کونسا دن ہے۔ صحابہؓ نے کہا اللہ و رسول اعلم فرمایا کیا یوم النحر نہیں ہے؟ عرض کیا بیشک فرمایا تو سن لو کہ تمھاری جان و مال و آبرو کی حرمت ہر شخص پر ویسی ہی ہے جیسے اس دن کی حرمت اس سر زمین میں اس مقدس مہینہ میں ہے تم اپنے رب سے ضرور ملو گے اور وہ تمھارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ تو دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح ایک

بلی قال فای یوم ھذا؟ قلنا اللہ و رسولہ اعلم فسکت حتی ظننا انہ سیسمیہ بغیر اسمہ قال الیس یوم النحر؟ قلنا بلی قال فان دماء کم واموالکم و اعراضکم علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھر کم ھذا وستلقون ربکم فلیسئلکم عن اعمالکم ان فلا ترجعو بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض لیبلغ الشاھد الغائب۔

دوسرے کی گردن نہ مارنا۔ خبردار! جو یہاں موجود ہے وہ غائبین کو پہنچا دے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو یہ بات پہنچائی جائے وہ محض سننے والوں سے زیادہ سمجھدار ہو پھر دو تین بار پوچھا کہ بتلائیں میں نے تم کو دین پہنچادیا؟ سب نے کہاہاں بے شک پہنچادیا۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ! آپ گواہ رہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تین چیزوں میں مسلمان کادل خیانت نہیں کرتا۔ ایک اللہ کے لیے عمل کو خالص کرنے میں دوسرے احکام مسلمین کی خیر خواہی کرنے میں۔ تیسرے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے میں کیونکہ ان کی دعائیں ان کی پشت پناہی کرتی ہیں۔

اب میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں اس دن کا جتنا حصہ باقی ہے اس کو غنیمت سمجھئے۔ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ محفل مقدس ختم ہو جائے گی ان ساعتوں کو دعاء اور توبہ واستغفار اور تضرع وزاری میں گزاریئے اور جو مانگنا ہے مانگ لیجئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اہل عرفات سے فرشتوں کے سامنے مباہات فرماتے ہیں یعنی اپنی خوشی کا اظہار فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! دیکھو یہ میرے بندے دور دراز سے میرے گھر کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ وہ لبیک پکارتے ہوئے یہاں جمع ہوئے ہیں تم گواہ رہو میں نے ان سب کو بخش دیا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ میرے بندو! واپس جاؤ۔ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں شامل فرمائیں جن

کے ساتھ ملائکہ کے سامنے مباہات کی جائے گی اور یہ بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ پاکستان کو مضبوط بنائے۔ اس میں قانون شرعی کا جلد نفاذ ہو جائے اور کشمیر و فلسطین دونوں فتح ہو جائیں۔ یہود و ہنود کی سلطنت تباہ و برباد ہو جائے جو مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں۔

امین وصلّی الله تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد وعلی
اله واصحابه اجمعین۔

لبیك اللهم لبیك لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك
والملك لا شریك لك۔

(ماخوذ تذکرۃ الظفر صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۸)

﴿مسئلہ قربانی پر ایک اہم مکالمہ﴾

مسئلہ قربانی پر ایک اہم مکالمہ

قربانی کے مسئلہ پر مکالمہ

سفر حج میں کراچی کے قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک منکر حدیث سے قربانی کے مسئلہ پر اپنے مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں"۔

میں نے کہا آخر آپ کے اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟ کہنے لگے قرآن میں ہے ثم محلها الی البیت العتیق جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعائر اللہ یعنی قربانی کا محل بیت اللہ ہے۔" میں نے کہا اوّل تو یہ آیت ہی قربانی کے متعلق نہیں بلکہ ہدی کے متعلق ہے اور ہدی کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کو حرم میں ذبح کیا جائے۔ دوسرے اس کو قربانی کے لیے مان لیا جائے تو لازم ہوگا کہ بیت اللہ کے اندر قربانی کی جائے کیونکہ آیت میں منتہی بیت العتیق کو فرمایا گیا ہے اب اگر کسی دلیل سے البیت العتیق کو بجائے بیت اللہ کے پورے حرم پر محمول کریں گے تو اسی دلیل سے آپ کو

یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آیت ہدی کے ساتھ خاص ہے۔ اضحیہ کے متعلق نہیں ہے۔ اضحیہ اور ہدی میں فرق ہے ہدی وہ ہے جس کو عمرہ یا حج کا احرام باندھ کر ساتھ لیا جائے یا بطور نذر یا کفارہ مکہ بھیجا جائے اور اضحیہ وہ ہے جو بغیر حج و عمرہ کے اللہ کے نام پر ایام اضحیہ میں ذبح کی جائے۔" کہنے لگے حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے جانور مدینہ سے مکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ روانہ کیئے تھے۔" میں نے کہا ہاں یہ ہدی تھی اضحیہ نہ تھی کیونکہ حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہر سال عیدالاضحٰی کے موقع پر قربانی کی ہے۔ صرف ایک سال حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہدی کے جانور مکہ بھیجے ہیں اور ایک سال جب آپ نے خود حج کیا تو اپنے ساتھ ہدی لے گئے تھے۔" کہنے لگے بس جو حدیث قرآن کے موافق ہوگی مانی جائے گی اور جو اس کے خلاف ہوگی رد کردی جائے گی قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ مکہ ہے۔"

میں نے کہا غلط بلکہ بقول آپ کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ خاص بیت اللہ ہے۔ مگر اس کو کوئی عاقل بھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ بیت اللہ یا مسجد حرام کو قربانی کے جانوروں کے خون اور گوبر و پیشاب وغیرہ سے ملوث کیا جائے تو جس دلیل سے آپ اس کو مکہ پر محمول کریں گے اسی دلیل سے ہم اس کو ہدی کے ساتھ مخصوص کریں گے۔" کہنے لگے اگر ایسا ہے تو قرآن میں کسی جگہ تو یہ ہوتا کہ قربانی دوسری جگہ بھی ہوسکتی ہے۔"

میں نے کہا اسی آیت کے بعد دوسری آیت میں ہے

"ولکل امة جعلنا منسکالیذکروا اسم الله علی ما رزقهم من بهیمة الانعام"

کہ جتنی شریعتیں گزری ہیں ان میں ہم نے ہر اُمّت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا کیئے تھے۔

تو کیا ہر اُمّت کے لیے حکم تھا کہ مکہ میں جا کر قربانی کیا کریں؟ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ پھر قرآن شریف میں موسیٰ علیہ السلام کا قول مذکور ہے ان الله یا مرکم ان تذبحوا بقره (کہ اے

بنی اسرائیل خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے یا بیل ذبح کرو) اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی قربانی کا بھی ذکر ہے۔ اذقربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر (کہ دونوں نے قربانی کی ایک کی تو قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ سب قربانیاں مکہ ہی میں ہوا کرتی تھیں ؟ کہنے لگے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر جگہ گھر گھر بلاوجہ قربانی کی جائے اور اتنے جانوروں کا خون کر کے روپیہ ضائع کیا جائے۔ بات یہ ہے کہ اس وقت مکہ والوں کی معاشی حالت خراب تھی۔ ان کا محل وقوع ایسا ہے جہاں پیداوار کم ہوتی ہے بواد غیر ذی زرع اس لیے ان کی امداد کے لیے قربانی مقرر کی گئی کہ لوگ مکہ جا کر قربانی کیا کریں۔“

میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تو مکہ والے اسلام اور مسلمانوں کے برابر دشمن اور درپئے آزار و قتال ہی رہے حتی کہ حضورؐ نے ان کے حق میں قحط کی بددعا کی تو وہ امداد کے لائق کب تھے ؟ بلکہ اس وقت تو اہل مدینہ امداد کے قابل تھے کہ ہر طرف سے مسلمان سمٹ سمٹ کر ہجرت کر کے مدینہ آرہے تھے۔ اگر قربانی کی یہ علت ہوتی تو جائے ثم محلھا الی البیت العتیق کے ثم محلھا الی البیت الرسول فرمایا جاتا۔ پھر جو علت آپ فرما رہے ہیں قرآن میں تو اس کا کہیں ذکر نہیں۔ محض آپکا اپنا قیاس ہے تو حیرت ہے کہ یا تو آپ کو صرف قرآن پر اصرار تھا کہ حدیث تک کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے یا اب قیاس کو ماننے لگے جس کا درجہ حدیث اور اجماع کے بعد ہے بشرطیکہ قیاس کسی مجتہد کا ہو۔ مقلد کا قیاس تو کسی درجے میں بھی معتبر نہیں میں نے بتا دیا ہے کہ قرآن سے قربانی کا ہر اُمت کے لیے اور ہر جگہ ہونا ثابت ہے۔ ساتھ ہی حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہر سال قربانی کی ہے اور فرمایا

”من وجد سعة فلم يضح فلا يحضرن مصلانا۔“

”جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔“

اس حکم کے بعد مدینہ میں صحابہ کا قربانی کرنا اور ان کے بعد ہر زمانہ میں ساری اُمت کا ہر جگہ قربانی کرنا برابر متوارث چلا آرہا ہے تو کیا ساری اُمت قرآن کی اس آیت کو نہیں سمجھی تھی آج آپ ہی اس کو سمجھے ہیں۔ اگر آپ کی فہم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیت کا مطلب ایسا ہو گا جسے کوئی بھی عاقل قبول نہیں کر

سکتا۔ کہ قربانی بیت اللہ میں ہونی چاہیئے۔ حالانکہ اس میں بیت اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ سراسر بے حرمتی ہے کہ سارا بیت اللہ اور اس کے ساتھ مسجد حرام بھی قربانی کے جانوروں کے خون پیشاب اور گوبر سے ملوث ہوا کرے۔" (صفحہ ۱۳)

قیام پاکستان اور نظام اسلام کے لیے علماء کی جدوجہد

اکابر علماء و مشائخ نے ۱۸۵۷ء میں تحریک آزادی کا آغاز فرمایا تھا اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد جو خطرہ مسلمانوں کے دین و دنیا کو لاحق ہوا۔ اس کا سدّباب کرنے کے لیے الشیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ بزرگوں نے سب سے اوّل جہاد آزادی میں حصہ لیا، بہت سے علماء و مشائخ اس میں شہید ہوئے اور بہت سے بزرگ ہجرت کر گئے۔ پھر ریشمی رومال کی تحریک اور پھر خلافت کمیٹی کا کام انھی بزرگوں کے جانشینوں کے کارنامے ہیں، ان میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نام نمایاں ہیں۔

جس زمانے میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کی تحریکات ہندوستان میں جاری تھیں، اس زمانہ میں میرا مستقل قیام تھانہ بھون میں تھا اور درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور افتاء کا کام بھی میرے سپرد تھا، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا کوئی تحریک چلانا پسند نہ تھا اسی لیے حضرت حکیم الامتؒ ان تحریکات سے الگ رہے۔ اور حضرتؒ کے مسلک کی تائید میں مجھے "تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین" کے نام

سے چندر سالے تالیف کرنے کی نوبت آئی۔

اس بناء پر حضرت حکیم الامتؒ کے خلاف بڑی شورش ہوئی کہ یہ کانگریس اور خلافت کمیٹی سے الگ ہو کر حکومت انگریز کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تھانہ بھون کے مسلمانوں کو بھی مولانا کے خلاف بھڑکایا گیا اور نوبت بہ انجار سید کہ بعض لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ مولانا کو خانقاہ امدادیہ سے الگ کر دیا جائے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اپنی نصرت و حمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین کو شرمندہ ہو کر مولانا کے سامنے جھکنا پڑا۔

اس زمانے میں مولانا کفایت اللہ صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء ہند (دہلی) حضرت حکیم الامتؒ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کے لئے تشریف لائے اور خلوت میں گفتگو کرنا چاہی۔ حضرت نے فرمایا کہ ان مسائل میں آپ کی جو رائے ہے آپ اس کا اعلان کر چکے ہیں اور میں اب تک ان تحریکات میں شریک نہیں ہوں۔ خلوت میں گفتگو کرنے سے لوگوں کو شبہ ہو گا کہ میں بھی در پردہ آپ کے موافق ہو گیا ہوں اور اس صورت میں خطرہ ہے جس کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ اس لئے جو کچھ فرمانا ہو۔ علانیہ فرمایا جائے۔

چونکہ مولانا کفایت اللہ صاحب علانیہ گفتگو پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے حضرت نے فرمایا کہ پھر یہ بہتر ہے کہ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں' خط میں لکھ کر ڈاک سے بھیج دیجئے' میں دیانت و امانت کے ساتھ اس میں غور کروں گا۔ اگر دل نے قبول کر لیا۔ آپ کو اطلاع کر دوں گا۔ ورنہ خاموش رہوں گا جیسا اب تک ہوں۔ آپ میرے جواب کا انتظار نہ فرمائیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب نے خوش ہو کر فرمایا کہ ہاں' یہ صورت مناسب ہے۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحبؒ نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت تھانوی جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور ﷺ نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے میں نے عرض کیا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے۔ کانگریس میں غلبہ ہندوؤں کا ہے اور ان

ہی کا حکم غالب ہے۔

۱۸۵۷ء میں بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا اور بظاہر مسلمانوں کا حکم غالب تھا مگر پھر بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا' مسلمانوں کو مجرم بنادیا اور خود انگریز سے مل گئے۔

پھر جب مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر آزادی ہند کا مطالبہ کیا' حضرت حکیم الامتؒ نے مسلم لیگ کی تائید کی اور تنظیم المسلمین، تعلیم المسلمین، تفہیم المسلمین کے نام سے چند مضامین شائع فرمائے اور پٹنہ میں جو مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں حضرت کی طرف سے ایک وفد بھی قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا گیا اور حضرت اقدسؒ نے مسلم لیگ کے نام اپنا ایک پیام بھی بھیجا تھا جو اس ناچیز نے پٹنہ کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔

مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر پہلا الیکشن جھانسی میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے تار پر دریافت کیا کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سے کس کو ووٹ دیا جائے؟ حضرت اقدس نے مجھے اور مولوی شبیر علی سلمہ' کو مشورہ کے لئے بلایا اور فرمایا کہ:۔

"مسلم لیگ اگرچہ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے مگر ابھی تک ان مسلم لیگیوں پر بھی پورا اعتماد نہیں کہ یہ واقعی ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور آزاد کرا کر یہاں دین اسلام کو قائم بھی کریں گے یا مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ کریں گے؟ میں اس تار کا کیا جواب دوں"؟

میں نے عرض کیا کہ کانگریس کی حمایت کے تو آپ خلاف ہیں ہی بس یہ جواب دے دیجئے کہ کانگریس کو ووٹ نہ دو۔ فرمایا ہاں' یہ ٹھیک ہے چنانچہ یہی تار دے دیا گیا۔ جھانسی کا یہ الیکشن جیت کر مولانا مظہر الدین صاحب شیر کوٹی (مدیر الامان) مرحوم اور شوکت علی صاحب مرحوم تھانہ بھون تشریف لائے تو کہنے لگے:۔

"مسلم لیگ کے پاس کانگریس کے برابر نہ روپیہ تھا' نہ ساز و سامان بس ہم نے آپ کے تار کو حکیم الامت مولانا تھانوی کا فتویٰ کہہ کر بڑی مقدار میں پوسٹروں کی شکل میں جاجا تقسیم

بھی کیا اور چسپاں بھی کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پولنگ پر آتے تو تھے کانگریس کی لاریوں پر اور آپ کا فتویٰ دیکھ کر ووٹ مسلم لیگ کو دیتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیاب کر دیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی حمایت نے مسلم لیگ میں جان ڈال دی، ورنہ جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں جو کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی، مسلم لیگ کا کامیاب ہونا دشوار تھا۔ جمعیۃ علماء ہند میں علماء اکثریت سے تھے۔ مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے مشاہیر بھی کانگریس کے ساتھ تھے۔

مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم) سے کسی نے پوچھا تھا کہ کانگریس کی حمایت میں تو بہت سے علماء ہیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ کون سے عالم ہیں۔ قائداعظم نے فرمایا:۔

"مسلم لیگ کے ساتھ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ ہیں جو ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے ہیں مگر وہ اتنے بڑے عالم دین ہیں کہ سب علماء کا علم و تقویٰ ایک پلڑے میں رکھا جائے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ کا علم و تقدس دوسرے پلڑے میں تو مولانا کا پلہ بھاری رہے گا۔ ہمارے واسطے ان کی حمایت بس کافی ہے۔"

یہ جولائی ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت مسلم لیگ مطالبۂ پاکستان پر جمی ہوئی تھی اور حکیم الامتؒ کی جماعت اس کی حمایت کر رہی تھی۔ پھر یہ رائے ہوئی کہ مطالبۂ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیئے۔ جمعیۃ علماء ہند کانگریس کے ساتھ تھی۔

ہم نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی۔ چار دن تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ لوگوں کا بیان تھا کہ خلافت کانفرنس (کلکتہ) کے بعد ایسا اجلاس کلکتے میں کبھی نہیں ہوا۔

اس اجلاس میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر مرکزی منتخب کیا گیا۔ حضرت مولانا اس وقت علیل تھے۔ اس لئے کلکتہ تشریف نہ لا سکے مگر اپنا ایک پیام مولانا ظہور احمد دیوبندی کے ہاتھ اجلاس میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

اسی پیام کو سنانے کے بعد میں نے تحریک کی کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر

جمعیۃ علماء اسلام منتخب کیا جائے۔ سب نے بالاتفاق اس کی تائید کی۔ اس قرار داد کو لے کر میں دیوبند حاضر ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا :۔

> "کہ بھائی، میں تو سولہ مہینے سے صاحب فراش ہوں مجھ میں سفر کی ہمت کہاں ؟ اور اس کے لئے صدر کو جا بجا جلسے کرنا اور تقریر کرنا ہوگی۔ جیسا کہ مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیت علماء ہند جا بجا جلسے کرتے اور مطالبہ پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے ہیں۔"

میں نے عرض کیا "آپ صدارت قبول فرمالیں کام کی ذمہ داری میں اپنے سر لیتا ہوں۔" مولانا خوش ہوئے اور صدارت قبول فرما کر جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد مضبوط کر دی۔

اب میں نے پاکستان الیکشن کے سلسلے میں طوفانی دورہ شروع کیا جس میں تقریباً چار مہینے تک پورے ہندوستان کا مسلسل سفر کیا کہ ایک قدم یو۔ پی۔ میں تھا تو دوسرا بہار میں، کبھی بنگال میں تھا تو کبھی پنجاب و سرحد میں، کبھی سندھ میں تو کبھی بمبئی میں۔

ہر روز جلسہ ہوتا تھا صبح کو کسی جگہ، شام کو کسی جگہ، عشاء کے بعد کسی اور جگہ میرے اس دورے کی خبریں خطوط و اخبارات سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو ملتی رہتی تھیں۔

جب میں اسی زمانے میں ایک بار دیوبند پہنچا تو خوش ہو کر فرمایا :۔

"ہمیں یہ امید نہ تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام کریں گے واقعی آپنے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیے۔"

یہ دورہ کیسا کامیاب رہا؟ اس کے لئے نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم وزیر اعظم پاکستان کا مکتوب گرامی نقل کر دینا کافی ہے جو موصوف نے دفتر مرکزی مسلم لیگ سے میرے نام ڈھاکہ بھیجا تھا۔

(صفحہ ۵۰۵۰ ۔ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء دہلی)

محترم المقام! زاد اللہ مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلے میں آپ جیسی ہستیوں کی جد و جہد بہت باعث برکت رہی۔

آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں اس سرگرمی کے ساتھ جد و جہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں سے ہماری ملّی جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا۔

آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے ہیں۔ بہر حال اس سے بھی سخت معرکہ سامنے ہے (مراد صوبائی انتخابات)

ہمیں اللہ کے فضل سے قوی امید ہے کہ دشمنان اس معرکے میں بھی خاسر و نامراد ہی رہیں گے۔

امید ہے کہ اس عرصے کے لئے آپ کو رخصت مل جائے گی اور آپ کی تحریروں‘ تقریروں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنیوالی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ حد تک ختم کر سکیں گے۔

والسلام مع الاکرام

”لیاقت علی خان“

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ صدر جمعیۃ علماء اسلام بننے کے بعد رو بصحت ہو گئے کہ اب انھوں نے دیوبند' میرٹھ' دہلی وغیرہ میں پاکستان حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو جوشیلے انداز میں تیار کیا۔

صوبائی الیکشن کی جدوجہد میں آپ نے بمبئی' لاہور اور پشاور تک متعدد جلسوں میں صدارت کی اور اپنی تقریروں سے مسلمانوں کو پاکستان کے لئے ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔

مرکزی اسمبلی انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصدی کامیابی ہوئی تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے۔ کلکتے میں بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع ہوا۔ مجھے بھی ڈھاکے سے اس جلسے کے لئے بلایا گیا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم اور شہید سہروردی مرحوم نے تقریریں کیں' مجھے بھی اس جگہ خطاب کرنے کو کہا گیا۔

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی سے انگریز اور کانگریس مطالبہ پاکستان کو ماننے پر مجبور ہو گئے مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائداعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا' تاکہ اس طرح کا پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔

اس اجلاس میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو اور مجھے بھی بلایا گیا تھا۔ مولانا کے ساتھ مولانا محمد طاہر صاحبؒ بھی تھے۔ جلسے میں مختلف انداز پر تقریریں ہوئیں۔ حسرت موہانی صاحب اس قسم کا پاکستان منظور کرنے کے حق میں نہ تھے مگر قائداعظم نے فرمایا :۔

”اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا۔ میری رائے ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔“

سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو رفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے۔ قائداعظم نے اس کو بھی منظور کیا۔

اس جلسے میں خاکسار جماعت نے کچھ گڑبڑ کرنا چاہی تھی مگر مسلم لیگ کے رضا

کاروں نے ان کو جلسے میں آنے کا موقع نہ دیا۔

قرار داد پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور یہ ناچیز قائد اعظم سے ان کی کوٹھی پر ملے۔ اس وقت ان کے سیکرٹری کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

ہم نے سوال کیا کہ آپ ۱۴ اگست کو پاکستان لینا چاہتے ہیں جس میں صرف دو مہینے باقی ہیں۔ دو مہینے میں تو ایک گاؤں بھی پوری طرح تقسیم نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کو آپ کیسے تقسیم کر لیں گے ؟ ہمیں اندیشہ ہے کہ ۱۴ اگست کو آپ کے ہاتھ میں صرف پاکستان کی دستاویز ہو گی نہ خزانہ ہو گا، نہ فوج اور نہ اسلحہ۔ فرمایا :۔

”لارڈ ماؤنٹ بیٹن بہت جلدی کر رہا ہے۔ ۱۴ اگست تک تقسیم کا کام مکمل ہو جائے گا۔“ ہم نے کہا :۔

”پھر پاکستان بننے کے بعد ان مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا جو ہندوستان میں رہ جائیں گے ؟ ہمارے خیال میں آپ دو ڈھائی سال تک دہلی نہ چھوڑیں تاکہ اس مدت میں پاکستان کی تقسیم مکمل ہو کر ہر چیز اپنے حصے کی آپ حکومت ہند سے وصول کر لیں اور ہندوستانی مسلمانوں کو بھی آپ کے قیام دہلی سے بڑی ڈھارس بندھے گی۔“

فرمایا :۔

”جیسے ہندوستان میں مسلمان رہیں گے، پاکستان میں ہندو ہوں گے۔ ان کے خیال سے حکومت ہند مسلمانوں پر ظلم و تشدد روا نہ رکھے گی۔“

ہم نے کہا :۔

”حکومت ہند جانتی ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی روایات کے پابند ہیں وہ ان مسلمانوں کا بدلہ جو ہندوستان میں رہیں گے، پاکستانی ہندوؤں سے نہیں لیں گے۔“

فرمایا :۔

”مجھے ان مسلمانوں پر کوئی اندیشہ نہیں جو ہندوستان میں رہ جائیں گے۔“

اس کے بعد فرمانے لگے :۔

"مجھے سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔"

ہم نے کہا :۔

آپ چاہتے ہیں کہ اس ریفرنڈم میں مسلم لیگ کامیاب ہو ؟"

فرمایا :۔

"میں کیسے نہ چاہوں گا ؟ سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا (جیسے چائے' ناریل وغیرہ)۔

ہم نے کہا :۔

"پھر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئین ہو گا۔ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور مسلم لیگ ہی کامیاب ہو گی 'انشاء اللہ"۔

فرمایا :۔

جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔"

ہم نے کہا :۔

"ترکی میں بھی تو مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر مصطفےٰ کمال پاشا نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا۔ بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔ سرحد تک کا علاقہ بہت سخت ہے۔ وہاں کے علماء و عوام اس وقت تک مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں گے جب تک نظام اسلامی جاری کرنے کا وعدہ نہ کیا جائے۔"

فرمایا :۔

"آپ اپنی تقریروں میں میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا میں ابھی اس قسم کی تحریر اس لئے نہیں دے سکتا کہ فتنہ پرور ہندو اس کا یہ مطلب بیان کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کو مسلمان بنایا جائے گا۔ پاکستان بن جائے اور جمہوری طریقے پر

اسمبلی میں اکثریت واقلیت دونوں کے نمائندے آجائیں تو اس کو پختگی کے ساتھ واضح کر دیا جائے گا کہ آئین تو اسلامی ہوگا مگر آئین اسلام میں ہر فرقے کو مذہبی آزادی ہوگی۔ میں نے قوم کو کبھی دھوکہ نہیں دیا، میری بات کا یقین کیجئے۔"

ہم نے شکریہ ادا کیا اور مصافحہ کر کے رخصت ہوئے اور طے پایا کہ سلہٹ رفرنڈم کے لئے میں کام کروں گا اور سرحد ریفرنڈم کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دورہ کریں گے۔

چنانچہ میں نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جا کر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں مگر سلہٹ میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے شاگرد اور مرید بہت زیادہ تھے مولانا ہر سال رمضان بھی وہاں گزارا کرتے تھے، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔

احباب کے خطوط آئے کہ آپ کا پہنچنا ضروری ہے زمین بہت سخت ہے۔ ادھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خاں کا تار پہنچا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کو بہت جلد سلہٹ بھیج دیا جائے۔ میں اس وقت تھانہ بھون میں تھا۔ وہاں بھی تار پر تار آئے تو میں تھانہ بھون سے ڈھاکے اور ڈھاکے سے سلہٹ پہنچا۔

اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے۔ اسی وقت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بھی تھا، لاکھوں آدمی عرس میں آئے ہوئے تھے، مسلم لیگ نے حضرت شاہ جلالؒ کی مسجد میں جلسے کا انتظام کیا۔ ساٹھ ستر لاؤڈ سپیکر لگائے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے عشاء کے بعد میں نے اول حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی پھر جلسے کا افتتاح ہوا۔

میں نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا دلائل سے ثابت کیا اور بتلایا کہ جس حصے کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے، تھوڑے حصے کو دارالاسلام بنانا بے کار ہے یہ اس لئے غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مکۃ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا تھا، مکۃ کو دارالحرب رہنے دیا کیونکہ مدینے کو دارالاسلام بنانا آسان تھا۔ مکۃ کو اس وقت دارالاسلام بنانا دشوار تھا۔ بعد میں مکۃ کو بھی دارالاسلام بنا دیا۔ جب وہاں ایسے

حالات پیدا ہو گئے۔

اسی طرح ہم بھی پہلے اسی حصے کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں جو آسانی سے بن سکتا ہے پھر باقی حصے کو بھی دیکھا جائے گا۔

اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔ علماء سے میں نے کہدیا کہ عوام سے نہ الجھئے۔ آپ کو جو اشکال واعتراض ہو۔ اس کا جواب دینے کو میں حاضر ہوں۔ اب علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد چند مقامات کا دورہ کیا جو سلہٹ کے ملحقات میں تھے اس دورے میں حضرت مولانا سہول صاحب عثمانی بھی میرے ساتھ تھے۔ وہ خوش ہو کر فرمانے لگے۔

"الحمد للہ، پاکستان کے بنانے میں عثمانیوں کا زیادہ ہاتھ ہے : آپ بھی عثمانی ہیں۔ میں بھی عثمانی ہوں اور مولانا شبیر احمد صاحب بھی عثمانی ہیں۔ بقیہ علماء عثمانیوں کی تائید میں ہیں۔"

میں نے کہا :۔

"دعاء کیجئے کہ سلہٹ اور سرحد کا رفرنڈم پاکستان کے حق میں ہو جائے۔"

فرمایا :۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔"

میں پولنگ کے دن تک سلہٹ میں مقیم رہا جس دن پولنگ شروع ہوئی۔ میں نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گیا تو غنودگی کی حالت میں دیکھا کہ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو پولنگ اسٹیشن پر گیا تو دیکھا کہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں۔

"جمعیت علماء، مسلم لیگ بھائی بھائی"!

میں نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ خواب سچا ہو گیا شام کو پولنگ اسٹیشن سے مجھے اطلاع دی گئی

کہ مسلم لیگ پچاس ہزار ووٹ سے جیت گئی۔ میں نے شکرانے کی نفلیں پڑھیں پھر ڈھاکے روانہ ہو گیا۔

اسکولوں، کالجوں لور مدرسہ عالیہ کے طلبہ نے ریل کے انجن کو پھولوں کے ہار پہنائے اور برابر :۔

پاکستان زندہ باد، مسلم لیگ جیت گئی کانگریس ہار گئی"۔

"سلہٹ پاکستان کا ہے"۔

نعرے لگاتے ہوئے ڈھاکے پہنچ گئے۔ ڈھاکے میں بھی اسٹیشن پر بہت سے مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ لوگوں نے ہمیں ہار پہنانا چاہے ہم نے ہاتھوں میں لے لئے۔

میں نے اس کامیابی پر نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارکباد دی۔ انھوں نے جواب دیا لہ اس مبارکباد کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے سرحد کے رفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائداعظم کو مبارکباد دی۔ انھوں نے بھی جواب میں یہی فرمایا :۔

مولاناؒ اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں۔ یہ ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی۔"

حمد للہ اب پاکستان بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان منصئہ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ قائداعظم نے کراچی میں اس نئی مملکت اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کو منتخب فرمایا اور ڈھاکے میں وزیراعلیٰ مشرقی پاکستان خواجہ ناظم الدین مرحوم نے اس احقر کے ہاتھوں پرچم کشائی کرائی۔

میں نے موقع کے مناسب انا فتحنا لك فتحاً مبيناًليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطاً مستقيماً اور چند آیات اور تلاوت کیں۔ تمام وزراء و عمائد مسلم لیگ اور عمائد شہر خاموش باادب سنتے رہے۔ پھر بسم اللہ کر کے میں نے پرچم پاکستان لہرایا۔ بعض حاضرین نے بندوقوں سے فائر کیئے۔ توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی بندہ مع جماعت علماء کے شریک تھا۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ لال باغ جامع مسجد میں احقر نے نماز جمعہ سے پہلے مختصر تقریر کی۔ خواجہ ناظم الدین بھی اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنی تقریر میں حصول پاکستان کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ بھی بتلایا کہ پاکستان جس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے اس کو پورا کریں۔

پاکستان میں ارباب حکومت آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں قحبہ خانوں' سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق واتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں۔

فوج اور پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں اور انھیں خدمت قوم و حفاظت دارالاسلام کے لئے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں۔ خفیہ پولیس مستحکم ہو۔ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہو گی۔

خواجہ ناظم الدین صاحب اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے بڑے متاثر ہوئے۔ قائداعظم کے نام بھی میں نے اسی قسم کی ہدایات کا خط لکھا جو رسالہ "تعمیر پاکستان میں علماء کرام کا حصہ (مولفہ منشی عبدالرحمن چھپ کر ملتان) میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۴۸ء میں قائداعظم مشرقی پاکستان کے دورے پر گئے تو ڈھاکے کے ہر جلسے میں مجھے بلایا گیا اور میری کرسی قائداعظم کے پاس ہوتی تھی۔ ایک موقع پر میں نے خاص ملاقات کے لئے وقت مانگا تو گیارہ بجے دن کے مجھے وقت دیا گیا۔

چنانچہ میں اپنے سیکرٹری مولانا دین محمد خان صاحب مفتی ڈھاکہ کے ساتھ گورنر ہاؤس گیا جہاں قائداعظم کا قیام تھا۔ اس وقت قائداعظم کمرے میں تنہا تھے۔ باہر برآمدے میں خواجہ ناظم الدین صاحب اور ایک فوجی افسر ٹہل رہے تھے۔ قائداعظم نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ :۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" میں نے کہا

"کہ جون ۱۹۴۷ء میں اجلاس مسلم لیگ (دہلی) کے موقع پر ہم نے جو عرض کیا تھا کہ دو مہینے میں تو

گاؤں بھی تقسیم نہیں ہو سکتا۔ پورا ہندوستان کیونکر تقسیم ہو گا؟ آپ دو سال تک دہلی میں قیام پذیر رہیں' پاکستان کا پورا حصہ وصول کر کے کراچی تشریف لے جائیں ورنہ خطرہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں پاکستان کی کاغذی دستاویز ہو گی اور کچھ نہ ہو گا۔

ہمارا خیال درست نکلا کہ پاکستان بنتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم اور ان کا قتل عام شروع ہو گیا اور پاکستان کے پاس نہ فوج تھی نہ اسلحہ جو اس ظلم کا انتقام لیتا۔ ہم نے پاکستان اس لئے نہیں بنایا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اس طرح ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہیں۔ پھر آئین اسلام بھی جاری ہو جاتا تو یہ ساری قربانیاں گوارا تھیں :

(ع) متاع جان جاناں' جان دینے پر بھی سستی ہے!

مگر اب تک آئین اسلام بھی جاری نہیں ہوا جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بنا پر ہی یوپی اور بہار وغیرہ کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے ووٹ دیئے تھے ورنہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان سے ان کو کچھ دنیوی نفع نہ پہنچے گا۔ وہ ہندوستان ہی کے ماتحت رہیں گے۔ مگر ان کو خوشی اس کی تھی کہ نئی اسلامی مملکت دنیا کے نقشے پر نمودار ہو گی جس کا آئین اسلامی ہو گا۔"

فرمایا :۔

"آپ کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے"؟

عرض کیا :۔

"جی ہاں' مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا"

فرمایا :۔

"بات یہ ہے کہ مجھے یہ تو خطرہ ضرور تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں کچھ نہ کچھ فساد ہو گا مگر خیال یہ تھا کہ وہ ایسا ہو گا جیسا اکثر بقر عید کے موقع پر ہوا کرتا ہے جس میں مسلمان کبھی مغلوب نہیں ہوئے۔ یہ مجھے بالکل امید نہ تھی کہ ہندوستانی حاکموں کو باولا کتا کاٹ جائے گا کہ وہ بھی بلوائیوں کا ساتھ دیں گے' فوج بھی مسلمانوں کو نہ بچائے گی اور یہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریز ہو کر اس طرح آنکھیں بند کر کے تماشا دیکھتا رہے گا گویا کچھ ہوا ہی نہیں!

اس وقت پاکستان کے حصے کی فوج پاکستان میں نہ تھی' باہر تھی اس لئے میرے پاس اس کے سوا اور کوئی صورت امداد کی نہ تھی کہ 'دول یورپ سے احتجاج کیا تو خدا خدا کر کے یہ قتل عام بند ہوا۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ ہندو ظالموں سے اس ظلم کا انتقام لیا جائے گا' ذرا پاکستان مضبوط ہو جائے اور اس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اس وقت کشمیر میں جنگ ہو رہی تھی جس میں ہندو اور سکھ بہت مارے گئے تھے۔ اس کی طرف اشارہ تھا۔

ہندوستانی حکومت نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا تاکہ پاکستان کی معیشت پر بار پڑے اور سرمایہ دار ہندوؤں کو یہاں سے بلا لیا تاکہ پاکستان کی اقتصادی قوت مفلوج ہو جائے۔ مگر اللہ تعالےٰ کا فضل شامل حال رہا کہ پاکستان ان مصائب سے دوچار ہو کر کمزور نہیں ہوا بلکہ مضبوط تر ہو گیا۔

آئین اسلامی کے جاری ہونے میں بھی اس لئے دیر ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی ان مسلمانوں کی آباد کاری پر توجہ زیادہ دینی پڑی جو ہندوستان سے یہاں آ رہے تھے۔ اب ذرا اس طرف سے اطمینان ہوا ہے تو انشاء اللہ بہت جلد آئین پاکستان' اسلامی آئین کی صورت میں مکمل ہو جائے گا۔

قائد اعظم کی عمر نے وفا نہ کی کہ وہ اپنے سامنے اسلامی آئین پیش کر دیتے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو پاکستان کا آئین اسلامی ہوتا کیونکہ وہ اپنی تقاریر میں بارہا اس کی وضاحت فرما چکے تھے۔

قائد اعظم کی اچانک وفات سے پاکستان کے ایک انتہائی قلیل مگر بااختیار طبقے نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اسلام کے اصولوں کو اس زمانے میں ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے پاکستان کو لادینی ریاست (سیکولر اسٹیٹ) بنانے پر زور دیا۔

یہ دستوری کشمکش اس وقت کم ہوئی جب مارچ ۱۹۴۹ء میں وزیر اعظم لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور کرا کے اس بحث کو ختم کر دیا۔

اس قرارداد کے مطابق پاکستان میں اسلامی دستور کا نفاذ آئینی طور پر طے ہو گیا۔ قرارداد مقاصد کے منظور کرانے میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی سعی بلیغ کو

بہت بڑا دخل تھا۔

حضرت مرحوم نے اس کے لئے فروری ۱۹۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ، چاٹگام وغیرہ میں بڑے بڑے جلسے ہوئے جن میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ان میں طے کیا گیا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا، غیر اسلامی آئین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

اس دورے کے بعد جب مولانا کراچی واپس آئے اور دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مارچ ۱۹۴۹ء میں ہوا تو قرارداد مقاصد منظور کر لی گئی۔ مولانا کا مکتوب میرے نام ڈھاکے آیا۔ اس میں تصریح تھی کہ قرارداد مقاصد کے پاس کرانے میں مشرقی پاکستان کے جلسوں کی قراردادوں کا بڑا اثر ہوا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا نے اسمبلی میں جو تقریر فرمائی وہ بھی بے نظیر تھی۔ اس کا بھی بہت اثر ہوا۔

قرارداد مقاصد کے پاس ہونے سے تمام عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ تعالےٰ پاکستان اسمبلی کو اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۱۹۴۸ء میں میرا تعلق مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) سے ہو گیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اگست ۱۹۴۹ء مطابق شوال ۱۳۶۸ھ میں حکومت پاکستان نے حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف وفد خیر سگالی بھیجنا چاہا جس میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا نام بھی طے ہوا تھا مگر مولانا پر فالج کا دورہ پڑ گیا تو ان کی جگہ مجھے اس وفد میں شامل کیا گیا۔

اس وفد کے کارناموں کی پوری تفصیل ماہنامہ ”ندائے حرم“ کراچی میں بصورت سفر نامۂ حجاز (حصہ دوم) قسط وار شائع ہو چکی ہے ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔

اس سفر میں سلطان عبدالعزیز بن سعود مرحوم سے بار بار ملاقات ہوئی۔ مرحوم نے پاکستان کے قیام پر بڑی خوشی ظاہر کی۔ موجودہ سلطان امیر اکبر فیصل سے بھی ملاقات ہوئی۔ وزیر مالیات عبداللہ بن سلیمان، شیخ الاسلام اور دیگر علماء کرام سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

مکہ معظمہ میں علامہ سید علوی مالکی سے مل کر میں بہت متاثر ہوا جوان عالم ہیں مگر علوم شرعیہ میں بڑی دستگاہ ہے۔ ان سے اکثر مسائل میں گفتگو رہتی تھی۔ ان کو مجھ سے محبت ہو گئی اور مجھے ان سے الفت' حرم مکی میں حدیث کا درس دیتے ہیں اور بڑی اچھی عربی بولتے ہیں بہت سی گراں مایہ تصانیف کے مصنف ہیں۔

اسی سال حکومت ہند نے بھی اپنا ایک وفد خیر سگالی سعودی عرب کی طرف بھیجا تھا مگر اس کی وہاں پذیرائی نہیں ہوئی جب کہ وفد پاکستان کو ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور تمام عالم اسلام کے علماء عمائد نے اس سے ملاقاتیں کیں اور پاکستان کے قیام پر بہت خوشی ظاہر کی۔ (تفصیل میرے سفر نامہ ءحجاز میں ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے)

سفر حجاز سے واپس ہوا تو میری اہلیہ ہندوستان سے اس حال میں واپس ہوئیں کہ ان کو روزانہ بخار آتا تھا جو بعد میں تپ دق ثابت ہوا۔ بہت کچھ علاج معالجہ ہوا مگر صحت نہ ہوئی۔ محرم ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا لله وانا اليه راجعون يغفر الله لنا ولها ويرحمنا واياها ويدخلنا وايا ها الجنة۔ امين!

میں اس وقت مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) میں مدرس اول تھا اور اپنی تقاریر میں دستور اسلامی کے جلد نافذ کیئے جانے کی حکومت پاکستان کو تاکید کر رہا تھا۔

وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہ کیا تو انھوں نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

"کہ علماء ہمارے پیش کردہ دستور کو تو رد کرتے ہیں' خود کوئی دستور بنا کر پیش نہیں کرتے!"

اس پر مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب خیال کے علماء کا ایک اجتماع کراچی میں طلب کیا۔ اور ۳۳ علماء کے دستخط سے بائیس نکاتی دستور بالاتفاق پاس کرا کے حکومت کو بھیج دیا کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لئے اٹھتے ہی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔

اس واقع کو ملت پاکستان کے خلاف ایک خطرناک سازش قرار دیا جاتا ہے میں اس وقت ڈھاکے ہی میں تھا۔ اس موقع پر جو اجتماع ڈھاکے میں ہوا جس میں اس اندوہناک واقعے پر سخت رنج و غم کا اظہار کیا گیا تھا' بندہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ :۔

دشمن یہ نہ سمجھے کہ لیاقت علی خان کو قتل کر کے وہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ یاد رکھے کہ لیاقت علی خان کے ہر قطرۂ خون کے بدلے صدہا لیاقت علی پیدا ہو جائیں گے اور پاکستان انشاء اللہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔”

لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین کو وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنادئے گئے۔

۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب ڈھاکے تشریف لائے تو میں نے ایک جماعت علماء کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستور اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ کوشش جاری ہے۔

اسی سال ملت پاکستان نے مطالبہ کیا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کی وزارت خارجہ سے علیحدہ کیا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ علماء اسلام کے متفقہ فتوے سے یہ فرقہ مرتد مانا گیا ہے۔ اس کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ لوگ خود بھی اپنے کو مسلمانوں سے الگ ایک جماعت سمجھتے ہیں چنانچہ قائداعظم کی نماز جنازہ میں ظفر اللہ خاں شریک نہیں ہوئے۔

اس تحریک نے زور پکڑا یہاں تک کہ ایک وفد علماء و عمائد کا خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملا پھر ایک اجتماع خصوصی' حضرات علماء کا ہوا جس پر پندرہ علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی کہ اگر حکومت نے ایک مہینے کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اس کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔

جس کا فیصلہ اس کمیٹی کے مشورہ سے ہوگا (کمیٹی میں مشرقی پاکستان سے چار پانچ علماء کو لیا گیا تھا جس میں ایک میرا نام تھا اور مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری مہتمم جامعہ قرآنیہ (ڈھاکہ)' مولانا دین محمد خاں صاحب مفتی ڈھاکہ' مولانا اطہر علی صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ (کشور

گنج) اور پیر سرسینہ کا نام تھا بقیہ حضرات مغربی پاکستان کے تھے، مگر لاہور میں نو ارکان کمیٹی نے جمع ہو کر راست اقدام کا فیصلہ کر لیا۔ مشرقی پاکستان کے علماء سے رائے نہیں لی گئی۔

اگرچہ ہم نے اس فیصلے کو تسلیم کرایا اور کوئی مخالفت نہیں کی مگر یہ ضرور ہے کہ ہم نے مشرقی پاکستان میں راست اقدام شروع نہیں کیا۔

اس وقت مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ نور الامین صاحب تھے ان کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ قادیانیوں کے بارے میں جو فتویٰ علماء کا ہے آپ اس کو مسلمانوں کے اجتماعات میں بیان کر سکتے ہیں۔ جو بات حق ہو۔ اس کے بیان سے آپ کو روکا نہیں جا سکتا۔ مگر مغربی پاکستان کی طرح یہاں راست اقدام مناسب نہیں۔ میں نے کہا:۔

”بس میں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ یہاں راست اقدام کرنا ہمارا مقصود نہیں“۔

اسی زمانے میں لاہور سے جتھے پر جتھے کراچی کو روانہ ہو رہے تھے بعض حضرات نے لاہور میں ایک متوازی حکومت بھی بنالی تھی۔

اسی خلفشار کو روکنے کے لئے فوج طلب کر لی گئی اور مارشل لاء لگا دیا گیا۔ مسلمانوں کا بہت خون ہوا اور بہت سے لوگ جیل خانوں میں بند کر دیئے گئے۔

مولانا مودودی بھی گرفتار کیئے گئے اور فوجی عدالت نے ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کر دی۔

میں نے جامع مسجد چوک بازار (ڈھاکہ) میں عشاء کے بعد جلسہ طلب کیا اور فوجی عدالت کے اس حکم پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ:۔

”غالباً فوجی عدالت کا بڑا افسر قادیانی ہے اسی لئے اس نے مولانا مودودی کا رسالہ ”قادیانی مسئلہ“ ضبط کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے۔

مگر اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مسئلے میں سارا عالم اسلام متفق ہے اگر اس بنا پر مولانا مودودی کو پھانسی دی جاتی ہے تو ہم سب پھانسی پانے کو تیار ہیں۔“

پھر خواجہ ناظم الدین صاحب کو اسی قسم کا لمبا تار دیا گیا۔ جلسے کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی صاحب بوگرا (جو اس وقت غالباً وزیر خارجہ تھے) اپنے گھر سے کراچی جانے کے لئے ڈھاکے

ے ہوئے ہیں ہم نے طے کیا کہ صبح ہی ان سے ملاقات کریں گے۔

چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ہم ان سے ملنے گئے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے اور قات کی غرض معلوم کی۔ میں نے کہا کہ ”حکومت پاکستان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ م اسلام قائم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اسکا عمل یہ ہے کہ نظام اسلام کے لئے کوشش نے والوں کو پھانسی دینا چاہتی ہے۔“ کہنے لگے کس کو پھانسی دینا چاہتی ہے

ں نے کہا:۔

پ کو خبر نہیں کہ مولانا مودودی کے لئے فوجی عدالت نے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے؟“ کہنے لگے:۔

”مجھے بالکل خبر نہیں۔ میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں اور جاتے ہی اس فیصلے کی منسوخی ے لئے پوری کوشش کروں گا۔“

ہم نے شکریہ ادا کیا۔ اگلے ہی دن خبر آگئی کہ پھانسی کی سزا کو چودہ سال کی قید میں یل کر دیا گیا ہے۔

میں نے اس پر بھی جلسہء عام میں کڑی تنقید کی کہ:۔

”مولانا مودودی بڑھاپے کی حد میں آچکے ہیں ان کے لئے چودہ سال کی قید کے معنے ں کہ وہ جیل ہی میں مر جائیں گے! یہ پھانسی ہی کی دوسری شکل ہے۔“

اللہ نے کیا یہ سزا بھی کم ہو گئی اور دو تین سال کے بعد مولانا رہا ہو گئے۔

لیاقت علی خان مرحوم نے قرارداد مقاصد منظور کرانے کے بعد قومی اسمبلی کے ے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور تیار کرے۔

١٩٥٣ء میں بعض ترمیموں کے ساتھ اس کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم صاحب نے پیش کی جس پر غور کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب خیال ء کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا۔

ں یہ احقر بھی شریک تھا اور مولانا مودودی، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا محمد حسن

صاحب امر تسری (ثم لاہوری) اور مولانا داؤد غزنوی بھی موجود تھے۔

قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو دستور
روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد (گورنر جنرل) نے بر طرف کر
جب کہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ قادیانی میں ان کی نا
روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔

اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب کو ا
ان کی کابینہ کو بر طرف کر دیا۔

اگر خواجہ صاحب نے مجلس ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے ظفر اللہ خاں کو وزار
سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرز عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

میرا اپنا خیال یہی ہے اور جس وقت خواجہ صاحب نے اپنے کو گورنر جنرل
عہدے سے اتار کر وزارت عظمےٰ کا عہدہ قبول کیا تھا اس وقت بھی میں نے اپنے دوستوں سے کہہ د
کہ خواجہ صاحب نے اچھا نہیں کیا' ان کے لئے گورنر جنرل کا عہدہ ہی مناسب تھا اس طرح خو
ناظم الدین مرحوم کے دور میں آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب گورنر جنرل نے محمد
صاحب بوگرا کو نیا وزیر اعظم نامزد کیا۔

اسی زمانے میں مسلم لیگ اور عوامی لیگ کا مقابلہ مشرقی پاکستان میں ہوا جس
عوامی لیگ غالب ہو گئی۔

میں نے یہ صورت حال دیکھ کر مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان آنے کی نیت کر لی کیونکہ
۱۹۵۴ء میں مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) سے ریٹائرڈ ہو چکا تھا۔

اگرچہ موجودہ پرنسپل نے مجھ سے کہا بھی کہ آپ بدستور اپنے کام پر آجائیں آ
میعاد میں توسیع کرا دی جائے گی۔ مگر عوامی لیگ کی کامیابی اور مسلم لیگ کی ناکامی نے مشرقی پا
سے دل برداشتہ کر دیا تھا۔ اس لئے میں نے توسیع کو گوارا نہ کیا۔

وزیر تعلیم مشرقی پاکستان نے بھی مدرسہ عالیہ سے میرے الگ ہو جانے پر افسوس ہر کیا۔ اگر میں چاہتا تو یہ جگہ میرے لئے مدت تک برقرار رہ سکتی تھی مگر اب مغربی پاکستان ہی کی ف دل کی کشش ہو رہی تھی۔

پہلے حج کا ارادہ کیا۔ مولانا مفتی دین محمد صاحب، مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری چند علماء ڈھاکہ اس حج میں میرے ساتھ تھے۔ حج سے فارغ ہو کر ڈھاکے واپس آیا ہی تھا کہ اکتوبر ١٩٥ء میں مولانا احتشام الحق صاحب ہوائی جہاز سے مجھے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے عہدہ، شیخ یث پر لانے کے لئے تشریف لائے۔ میں نے وعدہ کر لیا اور سامان کر کے اواخر اکتوبر ١٩٥٤ء ں کراچی ہوتا ہوا ٹنڈو اللہ یار پہنچ گیا اور اب تک اسی دارالعلوم میں قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم کی مت کو قبول فرمائیں۔

میرے اعزہ و احباب کا خیال ہے کہ میں نے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں قیام کر کے پنے کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا۔ کراچی یا لاہور میں قیام ہوتا تو مغربی پاکستان میں بھی میرا وہی مقام تا جو مشرقی پاکستان میں تھا۔

ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ زندگی کے آخری ایام میں سکون قلب اور یکسوئی کے تھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اور یہ بات قصبات ہی میں حاصل ہوتی ہے، وں میں نہیں اس لئے میں اپنی اس گمنامی پر خوش ہوں۔

تمنا یہ ہے کہ زندگی کے آخری ایام اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزر جائیں اور مدینہ منورہ مرنا اور بقیع الغرقد میں دفن ہونا نصیب ہو جائے۔

وما ذلك على الله بعزيز

حمد اللہ میں اس گمنامی میں بھی خدمت پاکستان سے غافل نہیں ہوں۔ صدر ان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کو برابر خطوط سے نیک مشورہ دیتا رہتا ہوں عمل نہ کرنا ان کا کام ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ میرے خطوط پر توجہ فرماتے اور بعض دفعہ یہ سے یاد بھی فرماتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حکومت پاکستان کو صحیح معنے میں اسلامی حکومت بنادے۔ یہاں
قانون اسلام اصلی صورت میں نافذ ہو جائے تو ساری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی۔ حق تعالےٰ ک
اٹل وعدہ ہے :۔

"ولو ان اھل القرٰی امنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء
والارض"

اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ پر گامزن ہوں تو ہم ان کے لئے آسمان و زمین کی
برکتیں کھول دیں گے۔

ہم نے کسی قدر جذبہء ایمانی سے کام لیا تھا تو حق تعالےٰ نے ہماری کیسی مدد فرمائی ک
ہمیں اپنے سے چھ گنی طاقت پر غلبہ عطا فرمادیا۔ اگر ہم پوری طرح ایمانی جذبے اور تقویٰ کو اپنا شعار ب
لیں، پھر کیا کچھ ہوگا۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو اپنے دین کا شیدا بنائیں اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے
مالامال فرمائیں، آمین۔ والحمد للہ رب العلمین

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ
١٨ جمادے الاولی ١٣٨٦ھ مطابق
٥ ستمبر ١٩٦٦ء بمقام : ٹنڈو اللہ یار
(اشرف آباد ضلع : حیدر آباد)
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی
شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ۔ ٹنڈو اللہ یار

﴿دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب﴾

دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب

عزیزم مولوی محمد تقی سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ مدیر البلاغ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ برسات میں ایک دو دفعہ بخار آ گیا تھا اس کے بعد بلڈ پریشر بہت بڑھ گیا اس لئے جواب خطوط میں دیر ہو رہی ہے اب بھی طبیعت بالکل صاف نہیں مگر پہلے سے اچھا ہوں۔ والحمد للہ علی ذلک۔ سوالنامہ کے بارے میں آپ نے البلاغ میں جو کچھ لکھا ہے ابھی تک نہیں پڑھا اس لئے جو میری سمجھ میں اس کے اسباب ہیں وہ عرض کرتا ہوں :

(۱) میں ۱۹۴۰ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں اپنے استاد مرحوم کی جگہ بلایا گیا تو ایک دن وائس چانسلر نے مجھ سے سوال کیا کہ ڈھاکہ مدرسہ عالیہ میں تعلیم دین اور دینیات کا نصاب دیوبند سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے مگر یونیورسٹی ڈھاکہ اور مدرسہ عالیہ سے ڈھاکہ میں مدرس اول دینیات مدرسہ عالیہ جیسے تیار نہیں ہوتے مدارس عربیہ ہندوستان ہی سے بلانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ آپ سے پہلے مولانا محمد اسحٰق بردوانی اس عہدہ پر تھے اس سے

پہلے مولانا ناظر حسن صاحب دیوبندی تھے ان سے پہلے بھی مدرسہ عالیہ کا کوئی عالم اس عہدہ پر نہیں رکھا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

میں نے کہا کہ قومی مدارس عربیہ کے طلبہ علم کو علم کی طرح اور اللہ تعالیٰ کے لئے حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کے لئے حکومت میں کوئی جگہ نہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کے طلبہ ڈگری کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہی ہے کہ ان سے قابل علماء باعمل پیدا نہیں ہوتے یا بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ افسوس کہ اب مذہبی قومی مدارس عربیہ کے طلبہ بھی مولوی فاضل پاس کرنے اور اسکولوں کالجوں میں معلم دینیات بننے کے لئے علم حاصل کرتے ہیں علم کو علم کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے علم حاصل کرنے والے کم ہیں۔

(۲) العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك۔ آجکل طلبہ میں یہ جذبہ بھی نہیں رہا۔ زیادہ وقت فضول قصوں میں ضائع کرتے ہیں اور مطالعہ تکرار اور کتب بینی بہت کم ہے۔

(۳) ہمارے بزرگوں کو طلبہ کی صرف درسی تعلیم کا اہتمام نہ تھا بلکہ دینی و اخلاقی اصلاح کا بھی اہتمام تھا۔ مولانا سراج احمد صاحب دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا کرتے تھے' ایک دن درس کے درمیان کوئی جنازہ آیا مولانا نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو بہت سے طلبہ وضو کے لئے چلے گئے نماز جنازہ سے واپس آ کر لوگوں نے دیکھا مولانا رو رہے ہیں۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا ہم نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حدیث و تفسیر کا سبق بلاوضو کبھی نہیں پڑھا۔ آج کل کے طلبہ بلاوضو یہ اسباق پڑھتے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم الامتؒ نے مجھے اور میرے بڑے بھائی صاحب کو بڑے اہتمام سے گنگوہ بھیجا تھا کہ حضرت کی زیارت کر آؤ اس وقت میری عمر تیرہ برس تھی۔ بزرگوں کو اس کا اہتمام ہوتا تھا۔ طلبہ اہل اللہ کی زیارت و صحبت سے مستفید ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ طلبہ ایام تعطیل رمضان وغیرہ کسی اہل اللہ کی صحبت میں گذاریں۔ آجکل طلبہ نے صحبتِ اولیاء اللہ کا اہتمام

چھوڑدیا۔

(۴) حضرت مولانا محمد مرتضیٰ صاحب چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پہلے زمانہ میں طلبہ کو زمانۂ طلب میں بیعت نہ کرتے تھے مگراب ضرورت ہے کہ طلبہ کو زمانۂ طلب میں بیعت کرلیا جائے اگر وہ بیعت کی درخواست کریں کیونکہ پہلے زمانہ میں طلبہ کو بغیر بیعت کے بھی دین کا اہتمام تھا۔ آجکل اہتمام نہیں۔ بیعت کے بعد دین کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۵) ہمارے اسلاف طلبہ کو محض درس دیکر نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ایک وقت ان کی نصیحت و اصلاح کا بھی مقرر کرتے تھے کہ اس وقت طلبہ اپنے اساتذہ کے ملفوظات سے مستفید ہوں یاان کے ارشاد سے بزرگوں کے مواعظ وملفوظات ان کے سامنے پڑھیں۔ والسلام۔

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ۔

۲۸رجب ۱۳۹۱ھ

حکیم الامت مجدد الملت

حکیم الامت مجدد الملت

مولانا محمد اشرف علی صاحب محدث تھانوی نور اللہ مرقدہ

وہ حکیم امتِ مصطفیٰ وہ مجددِ طرقِ ہدیٰ
وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

اشرف علی مہ ارتقاء شمس المعارف والتقیٰ، جو عمل سے اپنے نمونۂ عمل صحابہ دکھا گئے۔

اسلامیان ہند کی یہ بزرگ ہستی ابھی چار مہینے پہلے ہماری نظروں کے سامنے تھی اور ہمیں فخر تھا کہ اگر کوئی ہم سے یہ پوچھتا کہ اس وقت مسلمانوں میں سلف کا نمونہ کون ہے؟ تو ہم یہ کہہ سکتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا نے ایک قدم بھی خلاف شریعت نہیں اُٹھایا، آپ نے

صرف اللہ پر نظر رکھ کر کام کیا، کسی والی ریاست یا سلطان ولایت پر کسی وقت نظر نہیں کی آپ کی آٹھ سو سے زائد کتابوں اور ہزاروں خطوط میں جو مردوں کے نام بھی ہیں اور عورتوں کے بھی، کوئی ایسی بات پیش نہیں کی جاسکتی، جس کو پڑھتے ہوئے تہذیب کے چہرہ پر جھینپ کے آثار نمودار ہوں،

مولانا ابتدائے عمر ہی سے جب کہ اٹھارہ سال کی عمر تھی، مصنف تھے، اور آخر عمر تک مصنف رہے، ایسا مصنف جس نے تقریباً ہر علم میں تصنیف کی ہو، اور اتنی کثیر مقدار میں کتابیں لکھیں ہوں، امام سیوطی کے بعد مولانا کے سوا نہیں دیکھا گیا، وعظ اور خوش بیانی میں تو بے نظیر تھے ہی کہ جس جلسہ میں تقریر کو کھڑے ہوئے پھر کسی کی تقریر سامعین کو پسند نہ آتی تھی، مولانا نے اپنی تصانیف سے دنیوی نفع کبھی نہیں حاصل کیا، نہ کسی کتاب کا حق تصنیف کسی سے لیا، تمام کتابیں اللہ کے لئے اور اصلاحِ امت کے لئے لکھیں اور ہر شخص کو چھاپنے کی اجازت دے دی۔

میں اس وقت صرف آپ کی خدمتِ حدیث پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، کیونکہ عام طور پر مسلمان آپ کو ایک صوفی عالم، مفسر، فقیہ و واعظ کی حیثیت ہی سے پہچانتے ہیں، حالانکہ خدمتِ حدیث بھی اس زمانہ میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو آپ کے تاجِ مجددیت کا درخشاں گوہر ہے، آپ نے علمِ حدیث کی باقاعدہ سند ملا محمود دیوبندی اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، اور مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند سے حاصل کی، ملا محمود صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب سے حدیث پڑھی، اور مولانا محمود حسن صاحب نے مولانا محمد قاسم صاحب سے، حضرت حکیم الامت کو قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی سے بھی سند حدیث حاصل ہے، اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے بھی بعض کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی ہے، پندرہ برس تک مدرسہ جامع العلوم کانپور میں باقاعدہ حدیث کا درس دیا، اور آپ کے شاگردوں میں بکثرت محدث پیدا ہوئے، جن میں مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کا نام سب سے زیادہ روشن ہے۔

حضرت مولانا حکیم الامت نے ۱۳۱۵ھ میں توکلاً علی اللہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

میں قیام فرمایا، اس وقت سے باقاعدہ درسِ حدیث کا سلسلہ ملتوی ہو گیا، اور ہمہ تن تزکیہ و تربیت قلوب و اصلاحِ اُمت میں مشغول ہو گئے، مگر علماء اس مدت میں بھی آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے رہے، علامہ محقق محمد زاہد کوثری مصری نے جو مصر کے اجل علماء محققین و مصنفین سے ہیں، بذریعہ خط کے حضرت سے حدیث کی سند حاصل کی، اسانید حدیث میں مولانا کا رسالہ السبعۃ السیارہ طبع ہو چکا ہے، ترمذی پر آپ کا حاشیہ الثواب الحلی بھی طبع ہو چکا ہے، دوسرا حاشیہ المسلک کی بصورت مسودہ مکمل ہے، ایک چہل حدیث بھی طبع ہو چکی ہے۔ جس میں چالیس حدیثیں نسخہ ہمام کی جمع کی گئی ہیں، جن کو معمر، ہمام بن منبہ سے وہ ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، سب حدیثوں کی سند ایک ہی ہے۔ مولانا کے مواعظ و رسائل میں میرے اندازے میں پانچ ہزار حدیثوں سے کم نہیں جن کی شرح کر کے امت کو تبلیغ کی گئی ہے۔

۱۳۳۰ھ میں آپ کو دلائل حدیثیہ للحنفیہ کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، تو جامع الآثار اور تابع الآثار دو رسالے تصنیف فرمائے ہیں ابواب الصلوۃ تک وہ حدیثیں جمع کی گئیں جو حنفیہ کی دلیل ہیں، پھر تمام ابواب کے دلائل کو دستیاب کرنا چاہا اور احیاء السنن کے نام سے ضخیم کتاب ابواب الحج تک تالیف فرمائی، مگر جس عالم کو اس پر نظر ثانی کے لئے متعین کیا گیا، اس نے اپنی رائے سے اس میں اس قدر ترمیم و تنسیخ کر دی، کہ مولانا کی تصنیف باقی نہ رہی، بلکہ مستقل کتاب ہو گئی، اس لئے اس کی اشاعت ملتوی کر دی گئی، اور حضرت کے منشاء کے موافق دوبارہ اس مہم کام کو انجام دیا گیا۔ پندرہ سال سے کچھ زیادہ مدت میں ابواب الصلوۃ سے ابواب المیراث تک جملہ ابوابِ فقہیہ کے دلائلِ احکام، حدیث سے جمع کر دیے گئے۔

یہ کتاب جس کا نام اعلاء السنن ہے، بیس جلدوں میں تمام ہوئی ہے، ابتداء کی آٹھ جلدیں حرفا حرفا حضرت حکیم الامت کی نظر سے گزر چکی ہیں، بقیہ جلدوں میں مشکل اور مہم مقامات حضرت کے سامنے پیش کیئے گئے ہیں، حضرت حکیم الامۃ کو اس کتاب کی تکمیل سے جس قدر

مسرت ہوئی ہے، اس کو لفظوں سے بیان نہیں کیا جا سکتا، فرماتے تھے، کہ اگر خانقاہ امدادیہ میں اعلاء السنن کے سوا اور کوئی کتاب بھی تصنیف نہ ہوتی، تو یہی کارنامہ اس کا اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس میں صرف حنفیہ ہی کے دلائل حدیثیہ نہیں بلکہ متن کتاب میں احادیث مؤیدہ حنفیہ ہیں اور حواشی میں بڑی تحقیق اور تفتیش سے جملہ احادیث احکام کے استیعاب کی کوشش کی گئی ہے، پھر غایت انصاف کے ساتھ محدثانہ وفقیہانہ اصول سے جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ مختلف فیہا میں حنفیہ کے سب اقوال کو تلاش کیا جائے، پھر جو قول حدیث کے موافق ہوا، اسی کو مذہبِ حنفی قرار دیا گیا، تحقیق کامل کے بعد پورے وثوق سے کہا جاتا ہے کہ جس مسئلہ میں حنفیہ کا ایک قول حدیث کے خلاف ہوگا، تو دوسرا قول حدیث کے موافق ضرور ہوگا، یا کوئی حدیث یا آثار صحابہ ان کے قول کی تائید میں ہوں گے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ مسئلہ مصراۃ میں بھی امام ابو حنیفہ کا ایک قول حدیث صحیح کے بالکل موافق ہے، جس کو علامہ ابن حزم نے محلی میں روایت کیا ہے، اعلاء السنن میں تقلید جامد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ تحقیق فی تقلید سے کام لیا گیا ہے، جس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل کمزور تھی، وہاں صاف طور سے ضعف دلیل کا اعتراف کیا گیا، یا دوسرے مذاہب کی قوت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

جن حضرات کو مذہب حنفی پر مخالفتِ حدیث کا اعتراض ہے وہ انصاف سے کام نہیں لیتے، جس مذہب میں مرسل و منقطع بھی حجت ہے اور راوی مستور الحال کو قبول کیا گیا ہے، قولِ صحابی کو بھی قیاس سے مقدم مانا گیا ہے اس سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ بات یہ ہے کہ خبر واحد کی تصحیح و تضعیف میں جس طرح باہم محدثین میں اصولی اختلاف ہے، اسی طرح حنفیہ کو بھی بعض مقامات میں محدثین سے اصولی اختلاف ہے، مثلاً حنفیہ کے نزدیک صحت خبر واحد کے لئے یہ بھی ضروری شرط ہے، کہ وہ اصول مشہورہ کے خلاف نہ ہو، اور یہ اصول قیاسی نہیں بلکہ نصوصِ قرآنی اور احادیث مشہورہ سے ماخوذ ہیں، بعض علمائے عصر نے حنفیہ کے کلام میں موافقت

اصول کی شرط دیکھ کر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ حنفیہ روایت پر درایت کو مقدم کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک تو حدیث ضعیف اور مرسل بھی قیاس سے مقدم ہے، وہ درایت کو روایت پر مقدم کیسے کر سکتے ہیں؟ حنفیہ کی مراد موافقتِ اصول سے اُن اصول کی موافقت ہے، جو نصوص قرآنیہ اور سنتِ مشہورہ سے ماخوذ اور امت کے نزدیک مسلم ہیں، یہ اور بات ہے کہ اصول درایت و قیاس کے موافق بھی ہیں، مگر قیاس سے ماخوذ نہیں، (ملاحظہ ہو ملفوظات عزیزیہ ص ۱۱۵ء۱۱۶ طبع مجتبائی میرٹھ) اس قاعدہ کی بنا پر حنفیہ بعض دفعہ ضعیف حدیث کو صحیح حدیث پر مقدم کر دیتے ہیں، کیونکہ ضعیف موافق اصول ہے، اور صحیح خلاف اصول، مگر وہ کسی حدیث کو رد نہیں کرتے، بلکہ حدیث مرجوح کا بھی اچھا محمل بیان کر دیتے ہیں، جس کی تائید حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے، اسی طرح حنفیہ کے نزدیک آثار و اقوال صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی مراد سمجھنے میں بڑا دخل ہے، وہ ہر خبر واحد کو آثار صحابہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل کے لئے اعلاء السنن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس کتاب کا مقدمہ بھی مستقل کتاب کی صورت میں الگ چھپ چکا ہے جس میں حنفیہ کے اصولِ حدیث جمع کیئے گئے ہیں، اور ثابت کیا گیا ہے کہ جن اصول میں حنفیہ عام محدثین سے متفرد ہیں، ان میں بھی محدثین ان کے موافق ہیں، پھر مقدمہ فتح الباری کی ایک طویل فصل کا خلاصہ لکھ کر ثابت کیا گیا ہے کہ امام بخاری جیسا محدث بھی بعض دفعہ حنفیہ کے اصول پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے، پس جب تک حنفیہ کے اصولِ حدیث سے پوری واقفیت حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک ان کی کسی دلیل کو کسی محدث کے ضعیف کہنے سے ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔

الحمد للہ اس کتاب کی تکمیل سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی وہ بات پوری ہو گئی، جس کو انھوں نے فیوض الحرمین میں کبریت احمر واکسیر اعظم بتلایا ہے،

قال عرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فى المذهب الحنفي طريقه انيقة فى اوفق الطرق بالسنة المعروفة التى جمعت ونقحت فى زمان البخارى و اصحابه و ذلك ان يوخذ من اقوال الثلاثة قول اقربهم بها فى المسئلة ثم بعد ذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من اهل الحديث قرب شئى سكت عنه الثلاثة فى الاصول وما تعرضوا لنفيه و دلت الاحاديث عليه فليس بد من اثباته والكل مذهب حنفى، اه	فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی میں ایک طریقہ بڑا عمدہ ہے، جو اس طریقِ سنت کے بہت زیادہ موافق ہے، جو بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں مدون اور منقح ہو چکا ہے وہ یہ کہ (ائمہ) ثلاثہ (ابو حنیفہ وابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ) کے اقوال میں سے اس قول کو لیا جائے، جو اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حدیث کے قریب ہو، پھر ان فقہائے حنفیہ کے جو محدثین میں سے تھے اختیارات کا تتبع کیا جائے، کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر روایت میں سکوت کیا، اور ان کی نفی سے تعرض نہیں کیا، اور احادیث ان پر دلالت کر رہی ہیں، تو ان کو ثابت ماننا ضروری ہے، اور یہ سب مذہب حنفی ہوگا،
آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:۔	(مذہب سے خارج نہ ہوگا)
و هذه الطريقة ان اتمها الله تعالىٰ و اكملها فهى الكبريت الاحمر والاكسير الاعظم	(شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ اگر اللہ تعالیٰ اس طریقہ کو پورا کردیں تو وہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہوگا،

الحمدللہ یہ طریقہ کبریت احمر و اکسیر اعظم شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دورِ تجدید میں پورا ہو گیا، کیونکہ اعلاء السنن میں یہی کیا گیا ہے، کہ ائمہ ثلاثہ اور علماء حنفیہ کے اقوال کا پورا تتبع کر کے جو قول حدیث کے زیادہ موافق ملا، اسی کو مذہب قرار دیا گیا،

اس وقت تک اس کتاب کی گیارہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں، نو جلدیں بصورتِ مسودہ رکھی ہوئی ہیں، جن میں سے تین کی کاپی ہو چکی ہے، کاغذ کی گرانی کی وجہ سے طباعت میں تاخیر ہو رہی ہے، حضرت حکیم الامت کی جماعت کا خصوصاً اور تمام مسلمانوں کا عموماً فرض ہے کہ اس کتاب کی تکمیلِ طباعت میں پوری کوشش کریں، علامہ محمد زاہد کوثری مصری نے اس کی دس جلدوں پر نظر فرما کر اپنی طرف سے مفصل تقریظ جریدہ الاسلام مصر میں شائع فرمائی ہے، جس کو دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیرونِ ہند کے علماء نے اس کتاب کو کس وقعت کی نظر سے دیکھا ہے، ان کی تقریظ کے آخری چند جملے یہ ہیں، فرماتے ہیں،

والحق يقال انی دهشت من هذا الجمع و هذا الاستقصاء ومن هذا الاستيفاء البالغ فی الكلام علی كل حديث بما تقضی به الصناعة متناوسنداً من غيران يبدوعليه آثار التكلف فی تائيد مذهبه بل الانصاف رائده عند الكلام علی آراء اهل المذاهب فاغتبطت به غاية الاغتباط و هذا تكون همة الرجال و مبرالابطال اطال الله بقائه فی خير و عافية و وفقه لتاليف امثاله من المؤلفات النافعة،

حق بات کہنا پڑتی ہے میں تو اس طرح حدیثوں کے جمع کرنے، تلاش کرنے اور پوری طرح ہر حدیث کے موافق مفصل کلام کرنے سے حیرت میں رہ گیا، پھر خوبی یہ ہے کہ مذہب کی تائید میں تکلف کے آثار کا نام ونشاں نہیں بلکہ جملہ اہل مذاہب کی رایوں پر انصاف کو امام بنا کر کلام کیا گیا ہے، مجھے اس کتاب سے بے انتہا خوشی ہوئی، ہمت مردانہ اسے ہی کہتے ہیں اور بہادروں کا استقلال ایسا ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کو خیر و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور اس جیسی اور نافع تالیفات کی توفیق دے (آمین)

حضرت حکیم الامۃ نے ایک طرف مذہبِ حنفی کو احادیث کی روشنی میں منقح فرمایا اور دوسری طرف مسائل سلوک و تصوف کو قرآن کی آیاتِ کثیرہ سے مجتہدانہ شان کے ساتھ مدون فرمایا، جس کا نام مسائل السلوک ہے پھر احادیث تصوف کو کتاب التعرف باحادیث التصوف میں جمع فرمایا اور دنیا کو بتلا دیا کہ صحیح اسلامی تصوف صرف قرآن وحدیث التعرف سے ماخوذ ہے، اس کا کوئی مسئلہ بھی کسی غیر اسلامی مآخذ سے لیا ہوا نہیں، التعرف سے پہلے احادیث تصوف میں مستقل کتاب سننے میں نہیں آئی، الحمد للہ اس کتاب نے صحیح اسلامی تصوف سے مسلمانوں کو روشناس کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ حکیم الامۃؒ کی جماعت میں کوئی صاحبِ ہمت اس موضوع کی تکمیل کے لئے قدم آگے بڑھائیں کیونکہ التعرف میں ہنوز جملہ احادیث تصوف کا استیعاب نہیں ہوا۔

(اشرف المقالات جلد دوم)

محبوب نبی شبّیر علی

www.alhehaq.org

محبوبِ نبی شبیّر علی

مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ کا تذکرہ

برادرم مولوی شبیر علی مرحوم کا یہ سجع حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا بنایا ہوا ہے۔ میں نے ان کا سجع مرغوب نبی شبیر علی کہا تھا۔ حضرت نے اس کو بدل کر محبوبِ نبی شبیر علی بنا دیا۔ واقعی وہ اس سجع کے مصداق تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے بھی محبوب تھے اور اپنے اساتذہ وغیرہ اقرباء کے بھی محبوب تھے اور جو ان سے ملتا تھا وہ ان سے محبت کرتا تھا۔ برادرم مرحوم کی ولادت ماہ رمضان ۱۳۱۲ھ میں ہوئی جو انتقال سے ایک ماہ پہلے مجھ سے خود بیان کی تھی‘ چونکہ کئی لڑکیوں کے بعد پیدا ہوئے۔ ماموں صاحب مرحوم کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس وقت ماموں صاحب مرحوم غالباً بانس بریلی میں ملازم تھے۔ یا شاہو سہارنپور میں سنا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے ماموں صاحب مرحوم سے فرمایا کہ بھائی میری کوئی اولاد نہیں شبیر علی کو مجھے دے دو میں اس کو عالم بنا دوں گا‘

انھوں نے منظور کیااور جب وہ دس گیارہ سال کے ہوئے تھانہ بھون میں حضرت ہی کے پاس آگئے۔ اس وقت میں بھی دیوبند سے تھانہ بھون آ گیا تھاہم دونوں ساتھ ساتھ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ سے ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں پڑھتے تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب نے ہم دونوں ہی کے لئے کتاب تیسر المبتدی لکھی تھی جس کا ہر سبق لکھ کر حضرت حکیم الامۃؒ کو دکھلاتے پھر ہمیں پڑھاتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے والد کے پاس چلے گئے' غالباً خرابی صحت کی وجہ سے ایسا ہوا۔ میں تو عربی پڑھتا رہااور انھوں نے اپنے والد کے پاس یا اسکول میں انگریزی پڑھی' دو تین سال کے بعد پھر تھانہ بھون آگئے' میں اس وقت کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں پڑھتا تھااور وہ تھانہ بھون میں مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ سے عربی کتابیں پڑھتے تھے۔ جب میں جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ ہو کر تھانہ بھون آ گیااور وہاں سے مدرسہ مظاہر علوم میں درسیات کی تکمیل کے لئے چلا گیا۔ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ بھی مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لے آئے ان کے ساتھ مولوی شبیر علی بھی مظاہر علوم میں آگئے وہ اس وقت عربی کی متوسط کتابیں پڑھتے تھے' حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی ان پر بہت نظر عنایت تھی۔ طبیعت کے بہت تیز اور ذہین تھے مگر کتابوں کے مطالعہ اور تکرار میں سست تھے بایں ہمہ قراءت تو سب سے اچھی اور صحیح کرتے تھے۔ جب میں مظاہر علوم میں درسیات سے فارغ ہوتے ہی ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں مظاہر علوم کا مدرس ہو گیا۔ تب بھی وہ مظاہر علوم میں تعلیم پارہے تھے یہ یاد نہیں کہ دورۂ حدیث مظاہر علوم میں پڑھایا نہیں مگر انتقال سے ایک ماہ پہلے اثناء گفتگو میں یہ کہا تھا کہ جب مولانا عنایت علی صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر علوم نے مجھے سند لینے کو بلایا میں نے سند لینے سے انکار کر دیا۔ وجہ پوچھی تو میں نے کہا آپ تو ہر کس وناکس کو سند دے رہے ہیں' میرا فلاں ساتھی بالکل کند ذہن ہے جسے کچھ بھی لیاقت نہیں آپ اس کو بھی سند دے رہے ہیں تو آپ کی سند قابل اعتبار نہیں۔ انھوں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا' مولوی شبیر علی سے کہہ دو کہ ان کو ہم خود اپنے ہاتھ سے سند یں گے۔ چنانچہ حضرت نے اپنے ہاتھ سے مجھے سند دی تو سر آنکھوں پر رکھ لی اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ مظاہر علوم میں بھی وہ دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے' اس کے بعد دیوبند جاکر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کے درس حدیث میں شرکت کی اور وہاں بھی دورہ سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد وہ تھانہ بھون ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔ اس زمانہ میں مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ تھانہ بھون سے کاندھلہ کے مدرسہ عربی میں مدرس اوّل ہو کر چلے گئے تو مولوی شبیر علی نے ان کا تجارتی کتب خانہ خرید لیا اور کتابوں کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ اپنے والد صاحب کی زمینداری کا دیکھنا بھالنا بھی شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد منشی رفیق احمد صاحب کی شرکت میں امداد المطابع کے نام سے ایک پریس جاری کیا اور تھانہ بھون سے ماہنامہ "الامداد" جاری کیا۔ میں اس وقت مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں مدرس اوّل تھا' جب میں ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کے اول میں پھر حج کو گیا اور ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں واپس ہوا تو کاندھلہ کے اسٹیشن پر وہ میرے استقبال کو آئے۔ کیونکہ وہاں شاہدرہ اور سہارنپور سے آنے والی گاڑیوں کا میل ہوتا تھا اور اس وقت حضرت حکیم الامت قدس سرہ بھی بمبئی سے ہمارے ساتھ واپس آرہے تھے کہ ان کی اہلیہ صغریٰ بھی ہمارے ساتھ حج کر کے واپس آرہی تھیں۔ تو مولوی شبیر علی صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں تو دراصل آپ کے استقبال کو اسٹیشن آیا ہوں کہ اب آپ گڑھی پختہ جانے کا خیال نہ کریں' بلکہ تھانہ بھون ہی میں قیام کریں کیونکہ مجھے بیان القرآن کا خلاصہ کرانا ہے جو حمائل کے حاشیہ پر طبع ہو گی۔ اس وقت منشی رفیق احمد صاحب کی شرکت ختم ہو چکی تھی وہ بڑی تقطیع کے قرآن پر پوری تفسیر بیان القرآن چھاپ رہے تھے میں نے ان کی فرمائش منظور کر لی اور تلخیص البیان کے نام سے خلاصۂ بیان القرآن ایک سال کے عرصہ میں مکمل کر دیا۔ مولوی شبیر علی صاحب نے اس حمائل کا کچھ حصہ تو لکھنؤ میں چھپوالیا تھا وہ تو اچھا رہا اس کے بعد عجلت کے خیال سے ایک بڑی مشین خود خرید لائے اور اس میں بقیہ حصہ حمائل کا طبع کیا گیا مگر جلدی کی وجہ سے وہ اچھا نہ چھپا' اس لئے کچھ زیادہ نفع نہ ہوا تو مشین کو فروخت کر دیا۔ پھر تفسیر بیان القرآن پر حضرت حکیم الامۃ سے نظر ثانی کرا کر مطبع مجتبائی دہلی کے طرز پر چھاپ دی۔

یہ لکھنا بھول گیا کہ جب وہ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ کا کتب خانہ خرید کر تجارت

کا سلسلہ شروع کر چکے تھے اسی زمانہ میں ان کی شادی ہوئی۔ اہلیہ گنگوہ کی رہنے والی تھیں مگر اس وقت وہ اپنے بھائی مظہر احمد صاحب کے پاس حیدر آباد میں تھیں‘ اس لئے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ بھائی شبیر علی کو اپنے ساتھ لے کر حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں دس پندرہ دن قیام کر کے دلہن کو اپنے ساتھ لائے ماموں اکبر علی صاحب مرحوم نے بڑی شان سے ولیمہ کیا ساری بستی کو دعوت دی اور جو مسافر ملا اس کو بھی ولیمہ میں مدعو کیا گیا۔

مولوی شبیر علی صاحب کو خدا نے بہت اولاد دی مگر بچپن ہی میں اکثر کا انتقال ہو گیا۔ ایک لڑکا ظہیر علی گیارہ بارہ سال کا ہو گیا تھا میں نے اس کو صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اور روضۃ الادب پڑھائی تھی۔ بڑا ہونہار سلیم الطبع تھا۔ جب وہ گیارہ بارہ سال کا ہوا تھانہ بھون میں طاعون شروع ہو گیا حضرت حکیم الامۃ کے ارشاد سے میں نے مسلمانوں کی تسلی کے لئے چند وعظ کہے۔ ایک وعظ میں طاعون کا شہادت ہونا بیان کر کے اس کے فضائل بتلائے تو ظہیر علی مرحوم نے باہر آ کر دوستوں سے کہا کہ میرا تو دل چاہتا ہے کہ مجھے طاعون ہو جائے کیسی گھڑی تھی کہ دعا قبول ہو گئی اور چند روز بعد وہ طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کی بڑی بہن حلیمہ کو بھی طاعون ہو گیا جس کا نکاح مولوی شمس الحسن امام مسجد خضراء کراچی سے ہوا تھا۔ یہ دونوں صدمے یکے بعد دیگرے بڑے جانکاہ تھے مگر بھائی مولوی شبیر علی مرحوم نے بڑے ضبط و صبر سے کام لیا جس پر مجھے بہت حیرت تھی‘ اس ضبط کامل کا یہ اثر ہوا کہ ان کا دل کمزور ہو گیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد ان کو استسقاء کا مرض بھی ہو گیا جس کے علاج کے لئے مولانا حکیم صدیق احمد صاحب کاندھلویؒ کے پاس ان کو کاندھلہ جانا پڑا، جس سے بحمد للہ صحت ہو گئی مولوی شبیر علی صاحب نے کچھ ابتدائی عربی کتابوں کا درس بھی خانقاہ امدادیہ میں دیا ہے جب مولوی احمد حسن سنبھلی سے اہتمام خانقاہ کا کام نہ چلا تو حضرتؒ نے مجھ سے مشورہ کیا کہ اہتمام کا کام کس کے سپرد کیا جائے میں اس وقت ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں مدرس تھا۔ میں نے عرض کیا مولوی شبیر علی اس کام کے لئے موزوں ہیں‘ فرمایا ٹھیک ہے۔ مگر اہل خانقاہ اس سے راضی ہوں گے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا جب آپ راضی ہوں گے پھر کوئی خلاف نہ کریگا یہ زمانہ ۱۳۳۷ھ کا تھا۔

پھر غالباً ۱۳۴۰ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے کلید مثنوی کو پورا کرنا چاہا دفتر اوّل اور دفتر ششم و ہفتم کو تو پہلے ہی پورا کر دیا تھا بقیہ دفتروں کی شرح اس طرح شروع کی گئی کہ برادرم مولوی شبیر علی اور مولانا حبیب احمد کیرانوی مرحوم سبقاً سبقاً مثنوی کا درس حضرت سے لیتے اور مولانا کی تقریر ضبط کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کرتے اس طرح شرح شبیری اور شرح حبیبی کے نام سے مثنوی کے سب دفتروں کی شرح مکمل ہو گئی۔ شرح شبیری آسان ہے اور شرح حبیبی زیادہ آسان نہیں۔ برادرم مولوی شبیر علی نے خانقاہِ امدادیہ کا انتظام بہت خوبی سے انجام دیا۔ جس کو اہل سلسلہ نے پسند کیا۔

مولوی شبیر علی مرحوم حضرت حکیم الامتؒ کے مزاج شناس تھے' اس لئے حضرت کو بھی ان سے بہت راحت تھی' زمانہ تحریکات خلافت میں جب حضرت حکیم الامتؒ کے خلاف بہت شورش تھی مرحوم حضرت کی حفاظت کا بہت خیال رکھتے تھے۔

مہمات امور میں وہ بڑی ذہانت سے کام لیتے اور کامیاب ہو جاتے تھے۔ ایک بار حضرت حکیم الامتؒ اپنے چھوٹے بھائی مولوی مظہر علی صاحب مرحوم سے ملنے علی گڑھ تشریف لے گئے کہ وہ اس وقت وہاں ملازم تھے۔ واپسی میں ان کی اہلیہ بھی حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ تھانہ بھون آنے کو تیار ہو گئیں اور ماموں مظہر علی صاحب نے ان کا ٹکٹ اور زائد سامان کی رسید حضرت کے حوالہ کر دی۔ اور یہ نہ کہا کہ جس سامان کی یہ رسید ہے وہ ساتھ نہیں ہے بلکہ لگیج میں ہے حضرت یہ سمجھے کہ جو سامان بھاوجہ کی ساتھ ہے وہی قانون سے کچھ زیادہ ہے اور رسید اسی کی ہے' چنانچہ شاہدرہ اسٹیشن پر اترے تو ٹکٹوں کے ساتھ وہ رسید بھی ٹکٹ بابو کے حوالہ کر دی اور چھوٹی لائن کی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ بھاوجہ کو زنانہ درجہ میں سوار کروا دیا گیا۔ تھانہ بھون پہونچکر جو سامان ساتھ تھا بھاوجہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ یہ سمجھی کہ سارا سامان آ گیا ہے دوسرے یا تیسرے دن انھوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ لگیج کا سامان نہیں پہنچا' انھوں نے کہلا کر بھیجا کہ میرا بہت سامان لگیج تھا اس کی رسید بھی آپ کو دی گئی تھی وہ سامان کہاں ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ بھائی صاحب نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ یہ رسید لگیج کے سامان کی ہے۔ میں سمجھا کہ جو سامان ساتھ ہے وہی قانون سے زیادہ ہے اور رسید اسی کی

ہے۔ میں نے تو ٹکٹوں کے ساتھ وہ رسید بھی بابو کو دے دی ہے۔ اب ریلوے سے مطالبہ کرنے کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی‘ چھوٹی ممانی صاحبہ بڑی پریشان ہوئیں کہ میرا تو سارا قیمتی سامان اسی میں تھا۔ حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ پر بھروسہ کرو میں کچھ انتظام کرتا ہوں‘ یہ کہہ کر مولوی شبیر علی کو بلایا اور سارا واقعہ سنا کر فرمایا اللہ کا نام لیکر جاؤ اور شاہدرہ اسٹیشن کے گودام میں وہ سامان ہوگا کسی تدبیر سے وصول کر لاؤ۔ مولوی شبیر علی شاہدرہ پہونچے گودام کھلا ہوا تھا وہ سیدھے گودام میں پہنچے اور اپنی چچی کے بکسوں کو پہچان کر قلی کو آواز دی کہ یہ سارا سامان اُٹھالو۔ بابو نے کہا پہلے اس کی رسید دیجئے کہا رسید آپ کو ٹکٹوں کے ساتھ مل چکی ہے۔ غلطی سے یہ سامان یہاں رہ گیا ہے میں اب اس کو لینے آیا ہوں‘ بابو نے کہا بغیر رسید دیئے آپ نہیں لے جاسکتے۔ انھوں نے ڈانٹ کر کہا کہ اپنے ٹکٹوں کو فلاں تاریخ میں دیکھو ان میں رسید نہ ہے تو مجھ سے بات کرو۔

بابو بھی تیزی میں آگیا تو مولوی شبیر علی صاحب فوراً ٹیلیفون پر جابیٹھے اور اپنے ایک عزیز کو جو دہلی کی پولیس میں سپرنٹنڈنٹ تھے فون کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بابو ڈر گیا اور کہنے لگا اچھا اچھا آپ اپنا سامان لے جائیں کسی کو فون کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ اپنی چچی کا پورا سامان قلی کے سر پر رکھوا کر شاہدرہ سہارنپور ریلوے کی گاڑی میں سوار ہو کر خیریت تھانہ بھون پہنچ گئے اور سارا قصہ حضرت کو سنایا‘ بڑے خوش ہوئے بہت دعائیں دی۔

ایک بار حضرت حکیم الامۃؒ کی بڑی اہلیہ مرحومہ نے ایک بھنگن کی لڑکی کو جو ہمارے گھروں میں کام کرتی تھی اس کی خواہش پر کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا اور نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا کر اپنے پاس بٹھلا لیا۔ حضرت حکیم الامۃؒ گھر میں تشریف لائے تو لڑکی کو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ ہماری بھنگن کی لڑکی ہے‘ اس نے کہا مجھے مسلمان کر لو۔ اور میں نے غسل دلا کر کپڑے پہنا کر اسے کلمہ پڑھا دیا اور مسلمان کر لیا ہے۔ اب یہ نماز سیکھ رہی ہے فرمایا تم نے غضب کیا پہلے مجھ سے تو

ذے ہے۔ اب کسی طرح اسے بھنگیوں کے حوالہ نہیں کر سکتے۔ کچھ تدبیر کریں گے' اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں پھر خانقاہ میں تشریف لا کر مولوی شبیر علی کو بلایا اور سارا قصہ سنا کر فرمایا کوئی تدبیر کرو کہ بھنگی اس سے دست بردار ہو جائیں اب ہم کسی طرح اس کو ان کے حوالے نہیں کر سکتے۔ مولوی شبیر علی مرحوم اپنے مکان پر آئے اور ملازم کے ہاتھ اس لڑکی کے شوہر کو بلایا اور کہا تیری بیوی مسلمان ہو گئی ہے اب وہ تیرے حوالہ نہیں ہو سکتی' تیرا جو خرچہ اس کے نکاح میں ہوا ہو بتلا دے ہم ادا کر دیں گے اس نے کہا حضور میرے پچاس روپے خرچ ہوئے ہیں۔ انھوں نے فوراً بکس سے پچاس روپے نکالے اور کاغذ پر دستخط کرا لئے۔ جس میں پہلے سے لکھدیا گیا تھا کہ چونکہ میری بیوی فلاں اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئی ہے' اور اب میرے پاس نہیں رہ سکتی۔ اس لئے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں جو کچھ میرا خرچ ہوا تھا وہ میں نے وصول کر لیا ہے۔ اس لئے اب میرا اس پر کوئی دعویٰ نہیں وہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے شادی کرے۔ سرکاری ٹکٹ لگا کر شوہر کا انگوٹھا بھی لگوالیا۔ اور حضرت حکیم الامۃؒ کے حوالہ کیا اور کہا اب کوئی کچھ نہیں کر سکتا آپ بے فکر رہیں ہیں چنانچہ وہ لڑکی حضرتؒ کی اہلیہ کبریٰ کے پاس ہی ایک دو سال رہی' قرآن شریف اور بہشتی زیور وغیرہ پڑھتی رہی' پھر ملا عبدالکریم نو مسلم سے شادی کر دی گئی جو بعد میں موضع آبہ تعلقہ نانوتہ گاؤں کی مسجد کے پیش امام ہو گئے اور یہ لڑکی گاؤں کی بچیوں کو قرآن شریف' بہشتی زیور پڑھانے لگی اور ملانی کہلانے لگی۔

حضرت حکیم الامۃؒ سیاسی تحریکات سے الگ رہتے تھے کیونکہ سب میں کانگریس کے ساتھ مل کر مسلمان کام کر رہے تھے جب مسلم لیگ کو مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم) نے کانگریس سے الگ کر کے مستقل اسلامی پلیٹ فارم قائم کیا تو حضرتؒ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا ۔اس سلسلہ میں برادرم مولوی شبیر علی صاحب نے جو کام کیئے ہیں وہ رسالہ (تعمیر پاکستان اور علماء ربانی) میں مذکور ہیں۔ جو منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب جھلیک ملتان شہر نے تالیف کیا ہے اور انھی سے مل سکتا ہے۔ حضرت حکیم الامۃؒ کی حیات میں ہی تحریک پاکستان کا آغاز ہو گیا تھا' ۱۹۴۰ء میں لاہور کے اجلاس میں پاکستان کے نام سے تو نہیں مگر مسلمانوں کے لئے علیٰحدہ حکومت کا مطالبہ

شروع ہو گیا تھا۔ حضرت حکیم الامۃؒ اس مطالبہ کے دل سے حامی تھے، مگر کبھی کبھی یہ تشویش بھی ظاہر فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی علیحدہ حکومت تو ان صوبوں میں قائم ہو گی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو یو۔ پی وغیرہ میں جو اسلامی مدارس، خانقاہیں اور مساجد ہیں ان کا کیا حشر ہو گا: میں نے عرض کیا ابتداء میں تو ان کو اسی طرح یہاں چھوڑنا ہو گا۔ جس طرح ہجرت مدینہ کے وقت حضور ﷺ نے بیت اللہ کو کفار مکہ کے قبضہ میں چھوڑ دیا تھا۔ پھر اللہ نے کیا تو مکہ بھی فتح ہوا اور یہ سب مقامات مسلمانوں کی حکومت کے تحت آ گئے۔ جب تک ہندوستان پر حکومت اسلام کا غلبہ ہو انشاء اللہ جو مسلمان یہاں رہ جائیں گے وہ ان مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی حفاظت کریں گے۔ حضرت نے فرمایا خدا کرے یہ مسلم لیگ والے علیحدہ حکومت مل جانے کے بعد وہاں دین کو جاری کریں، بد دینی کو مٹائیں، نیک اعمال کی پابندی کریں برے کاموں سے پرہیز کریں۔ تو جلد کامیابی ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں کہ یہ لوگ اپنے وعدے پورے کریں اب تک تو وہ بہت کچھ وعدے کر رہے ہیں۔ بھائی مولوی شبیر علی مرحوم بھی مسلم لیگ کی حمایت کرتے اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ حکومت بن جانے کی بڑی تمنا رکھتے تھے جب ہم نے ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی تو بہت خوش ہوئے۔ جب لیاقت کاظمی الیکشن شروع ہوا میں اس وقت تھانہ بھون ہی تھا۔ سردار امیر اعظم خاں (جو اسوقت بھی بقید حیات ہیں اور پاکستان کے وزیر بھی رہ چکے ہیں) قائد ملت لیاقت علی خاں مرحوم کا خط لے کر میرے اور مولوی شبیر علی صاحب کے پاس پہونچے۔ پہلے مولوی شبیر علی صاحب سے ملے کہ ان کے ساتھ پہلے سے تعارف بھی تھا اور انکے ہی مکان پر اس وقت قیام بھی تھا۔ جب میں خانقاہ میں نماز پڑھ کر بھائی مولوی شبیر علی کے دفتر میں آیا تو وہاں سردار امیر اعظم سے میرا تعارف کرایا گیا۔ پھر قائد ملت مرحوم کا خط دکھلایا۔ اور کہا بھائی صاحب! اگر پاکستان بنانا شرعاً فرض ہے جیسا کہ آپ تقریروں میں برابر کہتے ہیں تو اس وقت کاظمی صاحب کے مقابلہ میں لیاقت علی خاں صاحب کی مدد کے لئے آپ کو دورہ کرنا ضروری ہے کیونکہ کاظمی صاحب کی مدد کو جمعیۃ علمائے ہند کے علماء مع اپنے شاگردوں کے دورہ پر نکل پڑے ہیں اور جن اضلاع سے ووٹ حاصل کرنا ہے وہاں علماء دیوبند کا خصوصاً مولانا مدنیؒ کا جس قدر اثر ہے آپ کو

معلوم ہے۔ علی گڑھ کے طلباء بھی لیاقت علی خاں کی مدد کو نکلے ہیں مگر ان سے مولانا مدنیؒ کی باتوں کا جواب نہیں ہو سکتا ان کی تو صورت ہی دیکھ کر عوام مسلمان کہہ دیں گے کہ تم کیا پاکستان قائم کرو گے نہ صورت اسلامی نہ شعائر اسلامی کی پابندی' اس لئے آپ کا الیکشن کے لئے دورہ کرنا ضروری ہے۔ میں نے ان کی سفارش منظور کر لی اور اللہ کا نام لے کر دورہ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

بھائی مولوی شبیر علی صاحب نے جب میں دورہ کر کے تھانہ بھون واپس آیا بڑی داد دی' میں نے کہا یہ سب اللہ کی تائید سے ہوا ورنہ میں کیا کر سکتا تھا۔ بہر حال وہ پاکستان کی کامیابی سے اور پاکستان بن جانے سے بہت خوش ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد کچھ عرصہ تھانہ بھون رہے' پھر وہاں کے حالات دگرگوں دیکھ کر پاکستان کا ارادہ کر لیا' مگر یہ ہوشیاری کی کہ ہندوستان سے براہ راست پاکستان نہیں آئے ورنہ اپنی کسی چیز کو فروخت نہ کر سکتے۔ انھوں نے پہلے حج کا ارادہ کر لیا' ہندوستان سے مکہ آئے اور وہاں ایک دو سال قیام کیا اس عرصہ میں ان کی زمین وغیرہ کا روپیہ سب مل گیا تو پھر وہاں سے سیدھے پاکستان آگئے' اوّل اوّل حیدرآباد میں قیام کیا پھر وہاں سے کراچی آگئے' یہاں آ کر کتب خانہ کی شکل میں ایک دوکان کھول دی اور بہشتی زیور مکمل مدلل طبع کرائی۔ ناظم آباد نمبر ۴ میں اپنا ذاتی مکان تعمیر کر لیا۔ بڑا کمال یہ کیا کہ خانقاہ امدادیہ میں جو ضروری مسودات رہ گئے وہ سب بحفاظت مکہ لے گئے اور وہاں سے بحفاظت تمام پاکستان لے آئے۔

مسودات اعلاء السنن کا مجھے بہت فکر تھا کہ وہ سب کے سب خانقاہ کے کتب خانہ ہی میں محفوظ تھے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ بھائی مولوی شبیر علی سب کو بحفاظت تمام اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ تو میری خوشی کی انتہا نہ تھی' یہاں آ کر وہ برابر اس کوشش میں رہے کہ جو حصے اعلاء السنن کے ابھی تک طبع نہیں ہوئے مسودہ ہی کی صورت میں ہیں جلد طبع ہو جائیں اور ایک دفعہ پوری کتاب منظر عام پر آ جائے۔ اس کے لئے رنگون کے اہل خیر کے ساتھ بھی خط و کتابت کی اور افریقہ والوں سے بھی مگر کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ہندوستان ہی کے ایک رئیس نے جو اس وقت پاکستانی بن گئے ہیں اس کار خیر کے لئے ہمت کی اور بارہ سے اٹھارہ تک اعلاء السنن کی غیر مطبوعہ جلدیں چھپوا دیں۔ اور انہار السکن مقدمہ اعلاء السنن کا دوسرا حصہ اور انجاء الوطن کا پہلا حصہ بھی طبع کرا دیا۔ نیز

احکام القرآن کا حصہ اوّل ودوم بھی اس ناچیز ظفر کا لکھا ہوا تھا، چھپوا دیا۔ یہ سورہ فاتحہ سے سورۃ النساء کے ختم تک لکھا گیا تھا، اس کے آگے کے حصے زیر تالیف ہیں۔ احکام القرآن کی آخری جلد مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے لکھی ہے وہ بھی چھپ گئی ہے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی دو جلدیں تالیف کی ہیں اور زیر طبع ہیں۔

جن صاحب نے یہ حصے طبع کرائے ہیں انھوں نے اپنا نام بھی ظاہر نہیں کیا اللہ تعالیٰ ان کے خلوص میں برکت وترقی دیں خدا کرے بقیہ حصے بھی لکھے جائیں اور ان کے طبع کا بھی انتظام ہو جائے۔ وما ذلك على الله بعزيز ۔

میں نے مرحوم کو اگست ۱۹۶۸ء کے آخر میں اطلاع دی تھی کہ اوائل ستمبر میں کراچی آنے والا ہوں تو انھوں نے میرے بڑے لڑکے مولوی عمر احمد کو فون کیا کہ بھائی ظفر آگئے یا نہیں مولوی عمر اس وقت گھر پر نہ تھے، بہو نے ٹیلیفون پر بات کی مگر یہ نہ پوچھا کہ آپ کون صاحب ہیں جب مولوی عمر احمد گھر پر آئے ان سے ذکر کیا کہ ایک صاحب پوچھ رہے تھے کہ بھائی ظفر آگئے یا نہیں میں نے کہدیا کہ کل کو آرہے ہیں۔ مولوی عمر نے کہا بھائی ظفر کہنے والا چچا شبیر علی صاحب کے سوا کوئی نہیں۔ پھر انھوں نے خود فون پر بات کی اور کہہ دیا کہ والد صاحب کل کو آرہے ہیں فرمایا ہاں مجھے ان کا انتظار ہے۔ میں اگلے دن ملنے گیا۔ بڑے خوش ہوئے اور اعلاء السنن حصہ اوّل کے بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ احیاء السنن اور استدراک الحسن کو الگ الگ چھاپنے کی ضرورت نہیں دونوں کو ملا کر ایک کتاب کر دی جائے اور اس کو اعلاء السنن کا حصہ اوّل قرار دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامۃؒ کا منشا تھا۔ یہ حصہ آجکل ٹائپ میں طبع ہو رہا ہے، خدا کرے جلد ہی طبع ہو جائے۔ پھر دعوۃ الحق کے سلسلہ میں بات ہوئی کہ مجھے اس کام کا بہت فکر ہے۔ میں نے اس کی مجلس منتظمہ میں تمھارا نام بھی لکھ دیا ہے میں نے کہا جتنا مجھ سے ہو سکے گا کام کرنے کو تیار ہوں۔ پھر جب میں رخصت ہونے لگا تو پوچھا تمھاری عمر اس وقت کیا ہے میں نے کہا ربیع الاوّل ۱۳۸۸ھ میں اسی سال میں آگیا ہوں۔ فرمایا میری پیدائش رمضان ۱۳۱۲ھ میں ہوئی ہے، خاندان میں مجھ سے بڑے تم ہی ہو اور سب مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میں سلام کر کے اور ان کی پوتی کو پیار کر کے رخصت ہوا اور ٹنڈوالہ یار پہنچ گیا تو

۲۵ رجب کی رات کو ساڑھے دس بجے عزیز قاری احترام الحق سلمہ کا فون آیا کہ تائے ابا مولوی شبیر علی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اگر آپ حیدر آباد سے خیبر میل پا سکیں تو جنازہ میں شرکت ہو جائے گی مگر اس وقت حیدر آباد جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ جن دوستوں کے پاس کاریں تھیں ان کو فون کیا تو کسی نے نہ اٹھایا دل مسوس کر رہ گیا اور جنازہ میں شریک نہ ہونے کا سخت افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صبح ہی دار العلوم الاسلامیہ میں اعلان کر دیا کہ بھائی مولوی شبیر علی صاحب کا انتقال رات کو ساڑھے سات بجے دفعتہً ہو گیا طلبہ اور مدرسین بعد ظہر مسجد مدرسہ میں جمع ہو جائیں قرآن خوانی کے بعد ان کے لئے دعا اور ایصال ثواب کریں۔ چنانچہ چار پانچ قرآن ختم کیئے گئے ہیں۔ پھر میں نے مرحوم کی مختصر سوانح حیات بیان کر کے ان کے لئے دیر تک دعائے مغفرت ورحمت کی ایصال ثواب کیا اللہ تعالےٰ قبول فرمائیں۔

مرحوم نے اپنی آخری عمر میں دو بڑے کام کیئے ایک اعلاء السنن کے بقیہ حصے اور احکام القرآن کے تین حصے اور انجاء الوطن اور انہاء السکن حصہ دوم کا طبع کرا دینا جس کی امید منقطع ہو چکی تھی دوسری دعوۃ الحق کا کام شروع کر دینا جس کی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے اپنے متوسلین کو سخت تاکید کی ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ کو چاہتے ہیں آخر عمر میں اسے ایسے ہی کاموں کی توفیق دیتے ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور درجے بلند فرمائے آمین۔

مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ اور دو بچے برخوردار مشیر علی اور منیر علی سلمہما اور دو بھائی دو بہنیں چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سب کو صبر جمیل کی توفیق دیں اور ان کے صاحبزادوں کو ان کاموں کی تکمیل کا حوصلہ دیں جو مرحوم ناتمام چھوڑ گئے ہیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

مرحوم کے انتقال سے ایک ماہ پہلے میں کراچی گیا تھا۔ اچھے خاصے چلتے پھرتے تھے گو بوجہ سانس کی تکلیف کے کہیں آتے جاتے نہ تھے، گھر پر ہی رہتے تھے کہ زیادہ چلنے سے سانس

پھول جاتی تھی۔ انتقال کے دن بھی ایسے ہی تھے۔ چار گھنٹے پہلے فون پر ناظم دعوۃ الحق سے آدھ گھنٹہ تک دعوۃ الحق کے سلسلہ میں باتیں کرتے رہے۔ مغرب کے بعد لڑکوں سے کہا مجھے نیند آرہی ہے ذرا سو رہوں، یہ کہہ کر لیٹ گئے اور ابدی نیند سو گئے۔

ناظم آباد نمبر ۴ کے قبرستان میں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ خلیفہ حکیم الامۃ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

یغفر اللہ لنا ولہ ویرحمنا وایالا و ادخلنا وایاہ الجنہ برحمتہ و فضلہ و کرمہ وھو ارحم الرّحمین۔

مرثیہ

مرثیہ

(حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ)

يا عين جودی به مع هاطل همل   علی حبيب جميل الموجه والعمل
واحسرتاه من موت الحبيب ومن   بدرالجمال ببطن الارض منجدل
واحسرتاه كريم كان موضعه   بين العيون رهين الترب والجزل
واحسرتاه احيط البدر فی ظلم   من الغمام وغاب الشمس فی ظلل
وافرقتاه فان القلب متصدع   والعيش منكدر والعين فی همل
ما كان احسنهٗ خلقا و مكرمة   ما كان اطيبه نفسا بلا دخل
العلم ادبه والحلم هذبه   لم يلف قط علی شتم ولا جدل
بُعدَ اد سحقا لدنيا لايزال بها   هم يكدر صفوالعيش بالخلل
لله در فتی قد كان منشاه   فی طاعة اللّٰه من ايامه الاول
مزين بحلی الاداب تائرة   مطهر من قذی الامّارة السفل
حلو الشمائل طلق الوجه مبتسما   عون المساكين محبوب الانام ولی
حر كريم سخی ماجد فطن   بر حليم تقی غير ذی دغل

زين العشيرة نورالعين قرتها   نعم ومنطقه احلى من العسل
لا يبعد اللّٰه من قد كان طلعته   عين الحياة لنا بالاعين النجل
كنا نئومل ان تبقى لنا خلفا   فكنت سلفا لنا يا خير مرتحل
تبكى عليك عيون الناس قاطبة   مع السموات والارضين والجبل
وعد من اللّٰه ماتى على اجل   ولات حين مناص منه بالحبل
روى الاّ له صريحاضد عظمة   بصيب من رياض القدس منهمل
ثم الصلاة على من كان فائاته   اصل الخلائق جراها من الازل
محمد خاتم الانبياء سلاهم   واكرم الناس ظرا فضل الرسل
والال الصحب ثم التابعين لهم
مالاح نجم علٰى الآ فاق بالاصُل

جریح الفؤاد ظفر احمد العثمانی التھانویؒ
۱۹ شعبان ۱۳۸۸ھ

﴿جہاد فلسطین﴾

جہاد فلسطین

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

ایک عربی قصیدہ جہاد فلسطین بھیج رہا ہوں، یہ اسرائیل کی پہلی جنگ کے موقعہ پر لکھا تھا اور حفلۃ العلماء منعقدہ مئی ۱۹۴۸ء کے یوم فلسطین میں پڑھا گیا تھا مگر شائع نہیں کیا گیا، اب اس کی اشاعت کا وقت ہے............................والدعاء ظفر احمد عثمانی

جاء البريد على الهوا بكتاب   من عندنا عمة القوام كعاب
نفسى وما بيدى فدا مصرية   من ال عثمانٍ ذوى الاحساب
يامنه منية الساق كيف رثيت لى   من بعد طول تبتل و عتاب
قالت دعوتك كى تطهر ساحتى   من قوم دجال وجوه كلاب
من معشرباء و ابلعنة ربهم   فى العالمين مدنسى الأثواب
جاء واوقد ضربت عليهم ذلة   من عند ربى سيد الارباب
جاء ت اميريكا لنصرة معشر   لعنوالاخر هذه الاحقاب

من ينصر الملعون باء بلعنة   وترد نصرته على الاعقاب
من يلعن الله فلن تجد واله   من ناصر يا معشر الاحزاب
نرجوالاله ولا نخاف كتيبة   سارت انى اخواننا الاعراب
يكفى الاله المومنين قتالهم   ويثيبنا فى الاجر خير ثواب
جائت يهود لكى تغالب ربها   فليغلبن مغالب الغلاب
يامعشر الاسلام قوموا واضربوا   اعدائكم ضربا بغير حساب
ياقومنا قوموا اليهم و انزعوا   بيت المقدس من يدالخلاب
طوبىٰ لقوم قدموا فتقدموا   لنكال كل مكذب مرتاب
يا معشر العرب الكريم فديتكم   لا يغلبنكم اليهود بباب
انتم جنود الله فى يوم الوغىٰ   انتم اسود فى صريمة غاب
يا قوم لا تهنوا ولا تخشوهم،   وامحوا ظلامهم، بضوء شهاب
بعدا وسحقا لليهود ومن اتىٰ   معهم يريد غنائم الاسلاب
الله ينصركم على اعدائكم   ويبيدهم حقا بشر عقاب
هذا فلسطين لنا من غير ما   ريب عطاء مليكنا الوهاب
ثم الصلوة على النبى محمد   خير الورىٰ والاٰل والاصحاب

مفہوم قصیدہ جہاد فلسطین

باد صبا دوشیزہ مصر کا پیغام لے کر آئی ہے۔

حیرت ہے کہ جس کا شیوہ جفا تھا، اب وہ مائل بہ کرم ہے۔

میں نے پوچھا کہ طویل بے رُخی کے بعد یہ التفات کیوں؟

کہنے لگی، میں نے تمھیں پکارا ہے کہ تم میرے صحن کو

دجال کی سگ رُد قوم سے پاک کر دو۔

اُس قوم سے پاک کر دو جس پر پروردگار کی لعنت کا پشتارہ لدا ہوا ہے۔

جو زمین پر ذلت وخواری کی مہر لگائے اتری ہے۔

امریکہ بھی اُس گرو کی مدد کو آ گیا، جس پر رہتی دنیا تک لعنت برستی رہے گی۔

لیکن جو کسی ملعون کی پشت پناہی کرے، اس کی مدد ہی کیا؟

اُس کی مدد ایک نہ ایک دن الٹے پاؤں لوٹ جائے گی،

ہم خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں، ہمیں کسی لاؤ لشکر کا خوف نہیں۔

اگر ہم مومن ہوں تو خدا ہماری مدد کریگا، اور آخرت میں ہمارے لئے بہترین اجر ہوگا۔

اے توحید کے فرزندو! کمربستہ ہو جاؤ، دشمن تمھارے کاری وار کے انتظار میں ہے۔

اے قوم! ہمت کر اور بیت المقدس کو غاصبوں سے چھین لے۔

آفرین ہو ان جانبازوں پر جو کفر کو عذاب دینے کے لئے آگے بڑھیں،

سرزمین عرب کے جوانو! ہم تم پر فدا ہیں، یہودی تم پر دائمی غلبہ نہیں پا سکتے۔

تم میدانِ کارزار میں اللہ کے سپاہی ہو۔

تم کچھاروں کے شیر ہو جو ڈرنے اور جی چھوڑنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔

اٹھو، اور ظلم کی تاریکی میں انصاف کے ستارے روشن کرو۔

یہودی نامراد ہیں، نامراد ہوں گے۔

اور جو دولت و مال کی ہوس میں ان کے ساتھ آئے گا، وہ بھی نامراد ہوگا۔

فلسطین ہمارا ہے ہمارا رہے گا،

درود و سلام ہو اس پر جو تمام مخلوقات کا سردار ہے!

﴿حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا
ایک اہم انٹرویو﴾

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا ایک اہم انٹرویو

مولانا مرحومؒ کا انٹرویو

تنگ نظر مخالفین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے نظریہ کی تائید میں کسی دلیل کے پیش کرنے کے بجائے اپنے مخالف کو ذاتی طور پر ہدف طعن و تشنیع بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک پمفلٹ لائل پور سے شائع ہوا جس میں یہی انداز اختیار کیا گیا تھا اور بہت ہی گھٹیا قسم کے ذاتی رکیک حملے کیئے گئے تھے۔ اس کی زبان ایسی سوقیانہ تھی جس کی توقع کسی بھی شریف انسان سے نہیں کی جا سکتی اور یہ پمفلٹ تو علماء کرام کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ ؎

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

مذکورہ رسوائے زمانہ پمفلٹ کے جواب میں حضرت مولانا مرحومؒ کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جو آپ کی عالی حوصلگی اور وسعت ظرفی کا عمدہ نمونہ ہے۔ حضرت مولانا مرحومؒ نے مخالفین کی بدترین الزام تراشی کے جواب میں اصل واقعات کو بیان کرنے پر ہی اکتفاء فرمایا اور "ادفع

بالتی ھی احسن السیئہ“ کے مطابق مدافعت ہی فرماتے رہے۔ کوئی جارحانہ کلمہ زبان پر نہیں آیا۔ مولانا نے اس انٹرویو میں اپنے مجاہدانہ عزم کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے :

> ”انشاء اللہ ان باتوں سے ہمارے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے نہ ست ہوں گے۔ ہمیں ان الزامات کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر ایک دفعہ عامۃ المسلمین کے سامنے اصل واقعات بیان کردینا ضروری ہے تاکہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔
>
> (بحوالہ انٹریو صفحہ ۲)

مولانا مرحوم نے اس انٹرویو کے آخر میں دوسری جماعتوں کے ساتھ اپنے اختلاف کی حدود بھی متعین فرمادی ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

”ہم علمائے حق سے ہرگز برسرپیکار نہیں بلکہ سوشلزم، کمیونزم، کیپٹل ازم، نیشنلزم وغیرہ سے برسرپیکار ہیں اور جب تک زندہ ہیں پاکستان میں انشاء اللہ نظام اسلامی کے سوا کوئی ازم نہ چلنے دیں گے پاکستان میں نظام اسلام ہی جاری ہوگا۔ اگر دوسری جماعتیں بھی یہی چاہتی ہیں تو وہ سوشلزم کی حمایت اور پرچار چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیں چشم ماروشن دل ماشاد اور اگر وہ یہ نہیں چاہتیں جیسا کہ ان کا منشور بتلارہا ہے اور اُن کے حامیوں کے یہ بے ہودہ سوالات پتہ دے رہے ہیں تو بتلایئے اس میں ہمارا کیا قصور ہے ؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

والسلام ظفر احمد عثمانی ۲۷ رجب ۱۳۸۹ھ

چونکہ علماء کے ذمہ اصل کام دینی رہنمائی اور ہدایت کا ہے اس لئے ملکی حالات اور سیاسیات میں بھی مسلمانوں کی رہبری اور رہنمائی کرنا اور اُن کے لئے صحیح راہ عمل تجویز کرنا انکے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مرحوم نے بھی ایک عالم دین اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے بڑی حسن وخوبی کے ساتھ یہ فرض ادا فرمایا اور تحریر و تقریر کے ذریعے پاکستان میں لادینی ازموں کے خلاف مسلمانوں کو منظم اور آگاہ کرنے کی پوری

طرح کوشش فرمائی۔ مگر مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور طریق انتخاب کے غلط ہونے کی وجہ سے ١٩٧٠ء کے انتخابات کے نتائج توقع کے خلاف بر آمد ہوئے اور نظریہ پاکستان کی حامی جماعتوں کو سخت مایوس کن حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں بالآخر سقوط ڈھاکہ کا المیہ پیش آیا اور پاکستان کا مشرقی حصہ کٹ کر پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔

حضرت مولانا مرحومؒ کے نزدیک اس انتخاب میں ناکامی کی وجہ دوسرے اسباب کے علاوہ اصولی طور پر انتخاب کا مخلوط ہونا تھا۔ چنانچہ ایک عریضہ کے جواب میں مولانا نے ارقام فرمایا:۔

"مرکزی جمعیت کی شاخوں کو اس وقت تبلیغ احکام کا کام کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ آئندہ انتخابات میں انتخابات جداگانہ پر زور دیں۔ انتخاب مخلوط کی مخالفت کریں اور اس انتخاب کو باطل قرار دیں کیونکہ مخلوط تھا۔ اسی لئے عوامی لیگ کامیاب ہوئی کہ ہندوؤں نے اس کو ووٹ دیئے اور پیپلز پارٹی کو قادیانیوں نے کامیاب کیا اگر انتخابات جداگانہ ہو تو قادیانی، قادیانی کو ووٹ دے گا مسلمانوں کو نہ دے سکے گا۔"

(٢٨ ربیع الاول ١٣٩١ھ)

غرضیکہ مخلوط انتخاب کے ذریعہ پاکستان کو جو عظیم نقصان پہنچا اور نظریۂ پاکستان جس طرح مجروح ہوا اس سے پہلے اس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی اور ظاہر بات ہے کہ جب تحریک پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ اور جداگانہ انتخابات پر ہی رکھی گئی تھی تو اب اس بنیاد کو ہلا کر اور اس کی جگہ مخلوط طریقۂ انتخاب رائج کر کے پاکستان کی عمارت کو کیسے قائم رکھا جا سکتا تھا۔

مسلمانانِ پاکستان کے اس نظریہ میں تبدیلی کے اندر چونکہ اسلامی احکام اور اسلامیات سے ناواقفیت کے علاوہ شریعت اسلامی پر عمل کرنے میں سستی اور بے پروائی کا بھی بڑا دخل ہے اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اس والا نامہ میں نیز دوسرے والا ناموں میں بھی تبلیغ احکام پر ہمیشہ زور دیا ہے ایک والا نامہ میں ارشاد ہے:۔

"اب آپ مرکزی جمعیت کے نام سے تبلیغ کا کام کریں۔ مسلمانوں کے معاشرہ کو درست

کیا جائے۔ لوگوں کو نماز، روزہ اور شعائر اسلام کا پابند کیا جائے۔"

بعد میں جب ہزاروی گروپ بھی محمودی اور ہزاروی گروپوں میں تقسیم ہو گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے تو چونکہ مخلوط انتخابات وغیرہ سیاسی نظریات میں یہ دونوں گروپ متحد ہیں اور ایسے عناصر کی تائید و حمایت کرتے رہے ہیں جو پاکستان کے بنیادی طور پر مخالف اور قیام پاکستان کے خلاف ہیں اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے ان دونوں میں سے کسی گروپ کو بھی اس قابل قرار نہیں دیا کہ اس کا ساتھ دیا جائے اور جب تک صحیح اصولوں پر اپنی سیاسی جماعت ہو۔ صرف تبلیغ احکام کے کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مولانا ارقام فرماتے ہیں :۔

"ہزاروی گروپ اور محمودی گروپ دونوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے اس لئے جب تک اپنی سیاسی جماعت قائم نہ ہو صرف تبلیغ سے کام لیا جائے حکومت کی مخالفت ہی نہ کی جائے مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے یہی ہماری سیاست ہے باقی حالاتِ موجودہ سے آپ بخوبی واقف ہیں۔"

والسلام

ظفر احمد عثمانی جمعہ ۲۶ شوال ۱۳۹۳ھ۔

واقعی مسلمان کی سیاست یہی ہے کہ شریعت پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے۔ یہاں تک کہ جس وقت مرکزی جمعیت علمائے اسلام سیاسی کام کر رہی تھی اس وقت بھی حضرت مولانا مرحوم نے اس بات کی ہدایات جاری فرمائیں۔ چنانچہ مولوی سلمان احمد صاحب خطیب جامع مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ کو مرکزی جمعیت کے لئے کام کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے ارقام فرمایا تھا :

> ”کام یہ ہے کہ اسلام اور نظامِ اسلام پر قوم کو متحد کیا جائے دوسرے کافرانہ نظاموں سے برأت کا اظہار کریں۔ معاشرہ کی اصلاح کریں۔ لوگوں کو نماز جماعت اور شعائر اسلام کے احترام کی ترغیب دیں۔“ (۲۱۲۰ ۱۳۸۹ھ)

نماز جماعت اور شعائر اسلام کی پابندی کا خیال مسلمانوں کے اندر اگر پیدا ہو جائے اور معاشرہ کی اصلاح ہو جائے تو پھر لازماً ان کے سیاسی رجحانات اور ملکی نظریات بھی اسلام کے موافق ہو جائیں اور خود بخود دوسرے تمام ازموں اور کافرانہ نظاموں سے بے زاری اور علیحدگی کا جذبہ اُن کے اندر پیدا ہو جائے۔ نظام اسلام کے قیام کے لئے مسلمانوں میں شعائر اسلام کے احترام اور احکام اسلام کی پابندی کا جذبہ پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ارشاد کے موافق تبلیغ احکام اور شریعت پر چلنے کی لوگوں کو ترغیب دینے کا اہتمام کیا جائے اور اس پر پوری محنت کی جائے تو یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور اہل علم کا اصل کام اور ان کی صحیح سیاست یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے ۱۹۶۹ء کی سیاسیات ملکی میں علمی رہنمائی کے ساتھ عملی طور پر حصہ لے کر علماء کے لئے سیاسیات میں عملی حصہ لینے کا طریق کار مقرر فرما کر اس کی حدود متعین فرمادی ہیں اور واضح فرمادیا ہے کہ علماء کا اصل کام تبلیغ احکام اور علمی مشاغل میں انہماک واشتغال اور اصلاح معاشرہ ہے۔ عملی سیاسیات میں حصہ لینے کی ضرورت اگر پیش آجائے تو بقدرِ ضرورت اس میں حصہ لینے اور اس ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد علماء کو پھر اپنے اصل کام کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔ اور درس وتدریس اور تبلیغ احکام میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ اپنے ضروری مشاغل کو ترک کر کے عام سیاسی لیڈروں کی طرح جوڑ توڑ اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ہی ہر وقت نہیں لگا رہنا چاہیے اس لئے حضرت مولانا مرحوم ۱۹۷۰ء کے بعد عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور پھر اپنے انھی سابقہ علمی مشاغل ارشاد ہدایت خلق کے کام میں مشغول ہو گئے تھے جو علماء کا اصل فرضِ منصبی ہے اور مدت العمر اسی فرضِ منصبی میں مشغول ومنہمک رہے۔

امیر اعلیٰ کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کا پیغام بنام سکھر کانفرنس

امیر اعلیٰ کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کا پیغام بنام سکھر کانفرنس

زیر اہتمام مرکزی جمعیت علماء اسلام : منعقدہ ٣، ٤ اگست ١٩٧٠ء

بعد الحمد والصلوٰۃ! حضرات! اس کانفرنس میں شرکت کا میرا مصمم ارادہ تھا۔ مگر اتفاق سے آخر جولائی میں مجھے ٣، ٤ دن موسمی بخار آیا اور اس سے ضعف بہت ہو گیا کہ سفر کی ہمت نہ رہی آپ حضرات کو میری غیر حاضری سے کلفت ضرور ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں اور جسمانی شرکت کے بجائے روحانی شرکت پر اکتفا کر کے ایک ضروری پیام پیشِ خدمت کر رہا ہوں۔

حضرات اہل علم حدیث غار سے بخوبی واقف ہوں گے۔ جس میں سیدنا رسول اللہ ﷺ نے پہلی امتوں کے تین افراد کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً

بارش ہونے لگی۔ انھوں نے بارش سے بچنے کے لئے ایک پہاڑی غار میں پناہ لی اور اوپر سے ایک بڑا پتھر غار کے منہ پر گرا۔ جس سے نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ پتھر اتنا بھاری تھا کہ ان کے ہلائے نہ ہل سکا تو انھوں نے کہا اے دوستو! اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال میں ایک ایک عمل ہر شخص پیش کرے جو اس نے اللہ کے لئے خلوص دل سے کیا ہو اور اس عمل کے وسیلہ سے دعا کرے تو امید ہے اس بلا سے نجات ہو جائے گی۔ چنانچہ ہر شخص نے اپنا نیک عمل بارگاہ الٰہی میں عرض کر کے دعا کی تو پہلے شخص کی دعاء سے پتھر اتنا کھسک گیا کہ آسمان نظر آنے لگا دوسرے کے عمل پیش کرنے سے اور زیادہ کھسک گیا۔ مگر نکلنے کا راستہ نہ تھا۔ تیسرے کے عمل کے وسیلہ سے پتھر بالکل ہٹ گیا اور وہ تینوں آرام کے ساتھ غار سے باہر نکل آئے۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ قصہ بیان فرما کر امت کو سبق دیا ہے کہ اعمالِ صالحہ کو بلاؤں کے دفع کرنے میں بڑا دخل ہے۔ جب کہ خلوص کے ساتھ کیئے گئے ہوں۔ حتیٰ کہ وہ بلائیں بھی جن کے دفع کرنے کے لئے اسبابِ ظاہرہ کافی نہ ہوں۔ اعمالِ صالحہ سے دفع ہو جاتی ہیں۔ آج کل مسلمانوں پر بالخصوص پاکستانی مسلمانوں پر جو مصائب سیلاب وغیرہ کی شکل میں آرہے ہیں۔ ان کا علاج بھی یہی ہے کہ مسلمان اعمالِ صالحہ میں کوشش کریں۔ اور ان کے وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں دُعا کریں اور اس وقت پاکستانی مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا عمل صالح یہی ہے کہ پاکستان میں نظامِ اسلام جاری کریں اور اس کو شوشلزم اور کمیونزم وغیرہ سے بچائیں ہم پاکستانیوں نے پاکستان بناتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ پاکستان کو اسلامی سلطنت یعنی دارالاسلام بنائیں گے۔ یہاں اقتدار اسلام کا احترام اور نظامِ اسلام کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ مگر افسوس ۲۳ سال گزرنے پر بھی ہم نے یہ عہد پورا نہ کیا۔ پاکستان بناتے وقت ہمارا نعرہ یہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ۔ مگر چند سالوں سے پاکستان میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو سوشلزم کو نظامِ اسلام سے اچھا سمجھتے ہیں اور اس کی ترویج میں کوشش کر

رہے ہیں۔ اس کی ابتداء مشرقی پاکستان سے ہوئی پھر مغربی پاکستان میں بھی یہ بلا نازل ہوئی۔ مشرقی پاکستان میں بنگالی غیر بنگالی کا سوال پیدا ہوا۔ بنگالی ہندو کو پنجابی و بہاری مسلمانوں سے اچھا سمجھا گیا اور اس کفریہ طرزِ عمل نے وہ بھیانک صورت اختیار کی کہ مارشل لاء قائم ہونے سے پہلے مشرقی پاکستان میں سوشلسٹوں نے مہاجر مسلمانوں اور غیر سوشلسٹوں کا وہ قتل عام کیا اور اس بے دردی سے کیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی پاداش میں سیلاب بلا مسلط کیا گیا۔

دوستو! اس بلا سے بچنے کے لئے، صرف مادی تدابیر کافی نہیں ہیں خدائی قہر سے کوئی پشتہ وغیرہ نہیں بچا سکتا۔ اس سے تو اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہی بچا سکتا ہے۔ قال لا عاصم الیوم من امر الله الا من رحم ۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اعمالِ صالح میں کوشش کریں اور پاکستان بنانے کے وقت جو عہد ہم نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اس کو پورا کریں۔

یہاں نظامِ اسلام جاری کریں۔ اقدار اسلام کا احترام کریں اور پاکستان کو حقیقی معنی میں دار الاسلام بنائیں اور جو لوگ اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ سوشلزم سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں جو لوگ سوشلزم کو قرآن و سنت کے موافق بتلاتے ہیں ان کو قرآن و سنت سے کوئی واسطہ نہیں۔ چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر پاکستان میں نظامِ اسلام صحیح طور پر جاری ہو گیا تو سیلاب اور غربت و افلاس وغیرہ کی سب مصیبتیں دور ہو جائیں گی

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتیباں

اگر یہ نہ ہوا تو آپ لاکھ پشتے بنائیں ہزاروں نظریئے قائم کریں یہ بلائیں، دور

نہ ہوں گی۔

آخر میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دیں کہ ہم پاکستان کو صحیح معنی میں دار الاسلام بنائیں اور آئین پاکستان ایسا بنائیں جس میں نظریہ اسلام اور نظریہ پاکستان کا پورا تحفظ ہو اور یہاں کوئی قانون خلاف شریعت نہ بنایا جائے اور جو قوانین خلافِ شرع رائج ہیں۔ ان کو موافق شریعت بنائیں۔ آمین

وصلى الله تعالىٰ علىٰ سيدنا محمد خاتم
النبين و اله واصحابه اجمعين وسلم تسليماً
كثيرا۔

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ
٢٧ جمادی الاول ١٣٩٠ھ

صیانۃ المسلمین

حیاۃ المسلمین

صیانۃ المسلمین ۔۔۔ حیاۃ المسلمین

جمہوری نظام اور شخصی اصلاح
کا جامع اور اکسیری نسخہ

بعد الحمد والصلوۃ، حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین کے متعلق حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ یہ دو کتابیں انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیام عمل ہے ۔ ایک حیات المسلمین شخصی اصلاح کے لئے، دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے ۔ ان کے مضامین اپنے موضوع میں گو رنگین نہیں مگر سنگین ہیں ۔ الخ ۔

(اقتباس از والانامہ بنام مسلم لیگ اپریل ۱۹۴۳ء)

مجھے یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ لاہور میں ۶۹ مال روڈ پر مجلس صیانۃ المسلمین قائم ہے جو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ارشاد کے موافق شخصی اور جمہوری ہر دو نظام پر عمل کرنے کے لئے قائم ہوئی ہے اور بڑی خوشی اس کی ہے کہ دردمندان اسلام اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں

؏ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

امید ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شخصی اور جمہوری اصلاح میں جلد کامیابی ہوگی۔

اگر عذر ضعف مانع نہ ہوتا تو میں خود بھی اس مجلس کے نظام میں عملاً شریک ہوتا۔

چنانچہ ڈھاکہ میں بھی یہ مجلس قائم ہوگئی ہے اور بندہ نے چاٹگام کے دورہ میں اس مجلس کے ارکان کے ساتھ شرکت کی تھی جس سے مجلس کو مسلمانوں میں قبول عام حاصل ہوا اور ترقی ہورہی ہے۔

خدا کرے میری اس تحریر سے بھی مجلس کو فائدہ پہنچے اور دردمندان اسلام اس کی ترقی میں کوشش کریں۔

آخر میں یہ بھی ظاہر کردینا ضروری ہے کہ اس مجلس کو اس تبلیغ سے جس کا مرکز ہندوستان میں نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے ونڈ ہے پورا اتفاق اور تعاون حاصل ہے کیوں کہ دونوں کا مقصد خدمت اسلام اور اصلاح مسلمین ہے۔

صرف طریق کار کا فرق ہے کہ پہلی تبلیغ چند اصول میں منحصر ہے اور صیانۃ المسلمین پوری شریعت پر حاوی ہے، جیسا حیات المسلمین کے تفہیم المسلمین سے بخوبی معلوم ہوجائے گا۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی عف اللہ عنہ

٨ ربیع الاول ١٣٨٨ھ
شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار
اشرف آباد حیدر آباد (سندھ)

ارشادات وملفوظات

ارشادات وملفوظات

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت علمائے ربانی میں وہ عظیم شخصیت تھی جسے دین وسیاست کے رجال کار کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ آپ ایک عظیم محدث، جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہ، بہترین مقرر، اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز اور بلند پایہ سیاستدان تھے، صدق وصفا کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے اور ورع و تقویٰ اور استغفار کے پیکر تھے۔ آپ کی تمام زندگی خدمت اسلام، خدمت مسلمین اور خدمت ملک و ملت میں گذری آپ کی زبان اور قلم نے شریعت کے اسرار آشکار کیئے اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی روح دوڑادی۔ غرضیکہ آپ کی ذات اقدس علم و عمل کا سرچشمہ اور آپ کی شخصیت شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھی۔ آپ کی شخصی عظمت اور علمی وروحانی مقام کے بارے

میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اس تاریک دور میں علم و عمل اخلاص و محبت اور علم ظاہر و باطن کے ایک درخشندہ آفتاب تھے‘ رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے‘ آخر وقت تک تقریر و تحریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہ طریق و سلوک کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیۂ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف رہے‘ سینکڑوں علماء اور ہزاروں مسلمان آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفید ہوئے‘ اتباع سنت اور عظمت سلف کا آپ کو خاص شغف تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے حقیقی جانشین تھے۔

(بینات کراچی اکتوبر ۷۶ء)

بہر حال آپ کے مقام عالی کا اندازہ لگانا تو بہت مشکل ہے اور ان کے علمی و روحانی مقام کو وہی خوش نصیب بیان کر سکتے ہیں جنھوں نے ان کی نورانی مجالس سے پورا پورا لطف اٹھایا ہو یہ ناچیز کون ہے جو ان کے مقام و مرتبہ پر قلم اٹھائے یہاں تو صرف ان کے چند ارشادات و ملفوظات اور مکتوبات درج کیئے جاتے ہیں جو ہمارے لئے عین نمونۂ ہدایت ہیں۔

☆ توحید کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ توحید خالص یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ کرے کیونکہ وہ یکتا ہے‘ صمد ہے‘ سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں‘ جب تم نے یا اللہ کہا تو اللہ کو اسم اعظم سے یاد کیا مگر تم اس کی عظمت و ہیبت سے ہنوز محروم ہو‘ کیونکہ تم نے اپنی شان کے موافق کہا ہے اس نام کی شان کے موافق نہیں کہا! خدا کی قسم قرب الٰہی میں نہ وصال ہے نہ جدائی‘ نہ حلول ہے نہ انتقال‘ نہ حرکت ہے نہ سکون‘ نہ چھونا نہ تصور‘ نہ تاثر ہے نہ تغیر و تبدل‘ یہ تو سب کی سب تیری صفات ہیں‘ حق سبحانہ‘ تیری ان صفات و کیفیات سے منزہ ہے یہ تو اسی کی بنائی ہوئی ہیں پھر وہ ان کے ذریعے سے یا ان کے اندر کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے یہ تو خود اسی سے ظاہر ہوئی ہیں وہ ان سے ظاہر نہیں ہوا وہ ان شکلوں‘ صورتوں اور معانی سے پاک اور منزہ ہے! نہ وہ ان میں چھپا ہوا ہے نہ ان سے

ظاہر ہوا نہ کسی کا فکر اس تک پہونچا نہ کسی کی نظر نے ان کا احاطہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات پر قیاس نہ کرو، وہ جس عظمت کا مستحق ہے وہ تو علم اور عقل و فہم کے ادراک سے بہت دور ہے۔ ولا یحیطو ن بہ علماً لوگوں کا علم اس کو محیط نہیں ہو سکتا۔

☆ فرمایا کہ ! بندہ کے لئے اپنے پروردگار کو پہنچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے، جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے اللہ جل شانہ کو پہچان لیا۔ جس نے یہ جان لیا کہ میں خدا کا ہوں، (یہ ہے اپنا پہچانا) وہ اپنا سب کچھ خدا پر قربان کر دے گا (یہ ہے خدا کو پہچاننا) جو اپنے نفس سے اور تمام اغیار سے الگ ہو گیا جس نے طبیعت کے کروفر، ساز و سامان تکبر و عجب پر لات ماردی وہ جہل کی قید سے چھوٹ گیا اور عارف ہو گیا معرفت کی حقیقت یہ نہیں کہ اونی جبہ ہو، سر پر کلاہ ہو اونچے کپڑے ہوں بلحہ معرفت یہ ہے کہ خشیت و غم کا جبہ ہو، سچائی کا تاج ہو، توکل کا لباس ہو اگر ایسا ہو تو بس تم عارف ہو گئے ! عارف کا ظاہر شریعت کی چمک ہے اور باطن محبت الٰہی کی آگ سے خالی نہیں ہوتا۔

کار مرداں روشنی و گرمی است
کار دوناں حیلہ وبے شرمی است !

وہ حکم کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے اور راستہ سے ہٹنے نہیں پاتا اس کا دل وجد کی چنگاریوں پر لوٹتا رہتا ہے اسکا وجد ایمان ہے اس کا سکون یقین ہے (جس کے حاصل کرنے کا طریقہ اتباع سنت اور کثرت ذکر ہے) ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصال کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے، اور قرب ہی سے توحید کامل ہوتی ہے۔ جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہو گیا وہ اللہ تک پہونچ گیا مگر ذکر اللہ عارفین کی صحبت وبرکت سے دل میں جمتا ہے کیونکہ آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے (اگر ذاکر عارفین سے میل جول رکھے گا تو ذکر و معرفت سے حصہ پائے گا اور اگر غافلوں کی صحبت میں رہے گا تو غفلت میں گرفتار ہو گا۔

☆ فرمایا کہ ! تقویٰ کمال ایمان کو کہتے ہیں جو شخص اللہ سے ڈرے گا دین کے احکام کو بھی بجا لائے گا اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچے گا اسی سے ایمان کامل ہوتا ہے اور اسی سے دنیا بھی سنورتی ہے اور دین بھی آج جو مسلمانوں میں جرائم کی کثرت ہے کہ روزانہ اخبارات میں اغواء، قتل، چوری، ڈکیتی، رشوت، ذخیرہ اندوزی، دغا فریب وغیرہ کے واقعات چھپتے رہتے ہیں اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ دلوں سے خوف خدا اور اندیشۂ آخرت اٹھ گیا ہے۔ مسلمانوں نے آجکل یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے عمل کی کچھ ضرورت نہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مدد ان کے ساتھ نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر و تقویٰ کے بعد نازل ہوا کرتی ہے کیونکہ تقویٰ پر دنیا و آخرت دونوں کی فلاح موقوف ہے اس لئے قرآن کریم میں بھی اس کی بکثرت تاکید ہے اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی وصیت فرمائی ہے مسلمانوں کو تقویٰ کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ بغیر اس کے ان کی دنیا درست ہو سکتی ہے نہ دین، نہ خدا کی مدد ساتھ ہو سکتی ہے نہ دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

☆ فرمایا کہ :۔ ہمارے اکابر حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اپنے متعلقین واحباب کو " یاحی یا قیوم برحمتك استغیث " کی تعلیم فرما کر فرماتے کہ جب کوئی مشکل در پیش ہو تو اس دعا کو صبح و شام کم از کم سو بار پڑھا جائے زیادہ جتنی ہمت ہو۔ "

☆ فرمایا کہ :۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کی جگہ میں جاؤ یعنی سونے کا قصد کرو تو سورہ الحشر پڑھ لیا کرو اگر تم اس رات میں مر گئے تو شہید مرو گے ایک اور روایت میں بجائے سورہ الحشر کے اواخر سورہ الحشر یعنی " ھو الذی لا الہ ھو عالم الغیب والشھادۃ " سے ختم سورہ تک پڑھنے کا یہی ثواب آیا ہے ایک اور حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ نے چند بہترین خصلتوں کی

وصیت فرمائی :۔

۱۔ دینوی امور میں اپنے سے فوق کو نہ دیکھو بلکہ اپنے سے کمتر کو دیکھو۔

۲۔ مساکین سے محبت کرو

۳۔ صلہ رحمی کرو اگرچہ قرابت دار اعراض ہی کریں

۴۔ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے الے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو

۵۔ ہمیشہ حق کہو اگرچہ اپنے خلاف ہی ہو اور اگرچہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو

۶۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کی کثرت کیا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک بڑا خزانہ ہے

۷۔ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو

۸۔ غصہ نہ کرو کیونکہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کرتا ہے جیسا شہد کو ایلوا

۹۔ طمع و حرص سے بچتے رہو

۱۰۔ اللہ سے ڈرو تلاوت قرآن کی پابندی رکھو' ذکر اللہ کی پابندی رکھو' خاموش زیادہ رہا کرو اپنی زبان کو قابو میں رکھو' ہمیشہ موت کو یاد رکھو'

حضرت حکیم الامت قدس سرہ ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی سختی سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہمیں اسپر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

☆ فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کو اپنے اکابر سے بڑی محبت و عقیدت تھی۔ ۱۳۲۳ھ میں حضرت حکیم الامتؒ بڑے اہتمام سے اپنے متعلقین کو اور مریدین کو

ساتھ لے کر حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو مجھے اور میرے بڑے بھائی مولانا سعید احمد عثمانیؒ کو بھی ساتھ لیا اس طرح مجھے حضرت گنگوہیؒ کی زیارت اور دعا کی دولت نصیب ہوئی' حضرت حکیم الامتؒ کو کشف کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کا آخری سال ہے چنانچہ اسی سال ہم دونوں بھائی آپ کے ہمراہ کانپور جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر آگئی اس خبر کو سن کر حضرت حکیم الامتؒ نے دیر تک سر جھکائے خاموشی اختیار فرمائی اور اس وقت آپ کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا کافی دیر کے بعد سر اٹھا کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے مناقب و کمالات بیان فرماتے رہے۔

☆ فرمایا ایک دفعہ سفر حجاز پر بہت سے اکابر کا ساتھ رہا اس حج میں حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی اور نواسے حافظ محمد یعقوب صاحب کے علاوہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نماز فجر کے بعد طواف بیت اللہ میں مشغول تھے اور میں اس وقت مولانا محب الدین صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' یہ بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے خلفاء میں صاحب کشف مشہور تھے وہ اس وقت درود شریف پڑھ رہے تھے کہ دفعتۃً میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اس وقت حرم شریف میں کون آ گیا کہ سارا حرم اس کے انوار سے بھر گیا۔" مولانا خلیل احمد صاحبؒ طواف سے فارغ ہو کر صفا مروہ کی سعی کے لئے باب الصفا کی طرف چلے تو مولانا محب الدین صاحبؒ کے پاس آئے مولانا کو دیکھ کر مولانا محب الدین صاحبؒ کھڑے ہو گئے اور فرمایا "میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آ گیا' پھر معانقہ' مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صفا مروہ کی سعی کو تشریف لے گئے اور مولانا محب الدین صاحبؒ اپنی جگہ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو تو نہیں دیکھا مگر مجھ سے کہا گیا ہے

کہ وہ قطب الارشاد تھے ان کے خلفاء کو دیکھ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ واقعی قطب الارشاد تھے مولانا خلیل احمد صاحب تو سراپا نور ہیں اور مولانا عبدالرحیم صاحبؒ قوی النسبت ہیں کہ مرید کے دل کو جھاڑ جھنکاڑ سے ایک دم صاف کر دیتے ہیں"۔

☆ فرمایا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جا رہے تھے ان کے پاس گنے زیادہ وزن میں تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کا محصول دے کر گاڑی میں سوار ہوں ریل بابو نے کہا کہ تھوڑے سے ہیں لے جاؤ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ کی اجازت تو معتبر نہیں، پھر اگر کسی نے راستہ میں پوچھا اس نے کہا میں گارڈ سے کہہ دوں گا۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ گارڈ کہاں تک جائے گا کہا کہ یہ گارڈ غازی آباد تک جائے گا، حضرتؒ نے فرمایا کہ آگے کیا ہو گا اس نے کہا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا وہ کلکتہ تک جائے گا اور کانپور تو راستے میں پڑے گا حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کانپور کے بعد کیا ہو گا اس نے کہا کہ آپ کو تو کانپور جانا ہے، حضرتؒ نے فرمایا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے آخرت کا سفر ابھی باقی ہے اگر وہاں پکڑ ہوئی تو پھر کونسا گارڈ سفارش کرے گا اگر کوئی اللہ تعالےٰ سے کہہ دے گا تو میں ضرور لے جاؤں گا۔ سبحان اللہ! کتنی فکر تھی آخرت کی۔

☆ فرمایا کہ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ جو میاں جی کے نام سے مشہور تھے دیوبند کے ایک نہایت ہی برگزیدہ ہستی گذرے ہیں ان کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے ہیں کہ ان کا ایک کچا مکان تھا جس کی ہر موسم برسات میں لپائی کراتے تھے اس عرصہ میں میرے ہاں قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ اپنا مکان پختہ کیوں نہیں کروا لیتے تاکہ ہر سال کی تکلیف سے نجات مل جائے انھوں نے مفتی صاحبؒ کو شاباش دیتے ہوئے فرمایا کہ واقعی نہایت اچھی بات کہی ہے کچھ دیر بعد خاموشی سے آہستہ سے بولے"۔ میں جس محلے میں رہتا ہوں۔ وہاں سارے مکان کچے ہیں اگر میں اپنا مکان پختہ بناتا ہوں تو غریبوں کو اپنی مفلسی کا احساس اور شدید ہو جائے

گا میں یہ نہیں چاہتا' دیکھا کتنا خیال تھا غرباء و مساکین کا۔

☆ فرمایا کہ حضرت حکیم الامتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے ہاں موجودہ وقت کا بڑے سے بڑا کافر و مشرک آ جائے تو بحیثیت مہمان ہونے کے میں اس کی مدارات کروں گا لیکن اس سے میدان جنگ میں سامنا ہو جائے تو سب سے پہلے میں ہی اس کا سر قلم کرنے والا ہوں گا۔

☆ فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ گناہ کا تقاضا ہی نفس کے اندر پیدا نہ ہو جواب میں فرمایا کیا تم دیوار بنا چاہتے ہو؟ جماد ہونا چاہتے ہو؟ تقاضا تو ہو گا مگر تمھارا کام اس پر عمل نہ کرنا ہے چند روز اور چند دفعہ کے مقابلہ اور نفس کے خلاف کرنے سے نفس خود بخود ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور کمزور ہو جاتا ہے۔

پنج گنج۔ سودمند

پنج گنج۔ سود مند

از شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ

نوٹ :۔ حضرت اقدسؒ نے یہ قیمتی نصائح اپنے خاص مرشد اور مجاز صحبت جناب حاجی ظفر علی صاحب ساکن موضع بانٹھ ضلع پنڈی کی فرمائش پر تحریر فرمائے تھے جن کو افادہ عام کے لیے پہلی مرتبہ قارئین "الصیانۃ" کے مطالعہ وافادہ کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ نفعنا اللہ تعالٰی بھا آمین۔ سید عبد القدوس ترمذی

١٠ ذی قعدہ ١٤١٣ھ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودہا

بعد الحمد والصلوٰۃ :۔

١۔ دنیا میں سب سے بڑا گناہ غفلت ہے اور غفلت کا بڑا سبب حرص اور طول امل ہے غفلت کا

علاج ذکر اللہ ہے اور ان دعاؤں کی پابندی جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں اور حرص و طول امل کا علاج فنائے دنیا کو پیش نظر رکھنا اور موت کو یاد رکھنا ہے۔

۲۔ مسجد میں جب بھی داخل ہوں' اعتکاف نفلی کی نیت کر لیں۔

۳۔ سوتے ہوئے دن بھر کے اعمال کا حساب کر لیں جتنی نیکیاں کی ہوں' ان پر شکر کریں جو خطا ہو گئی ہو' اس سے توبہ استغفار کر کے سوئیں۔

۴۔ تلاوت قرآن پاک کی پابندی کریں اس میں کوتاہی نہ آنے پائے۔

۵۔ ملفوظات و مواعظ حکیم الامۃ قدس سرہ کا مطالعہ کرتے رہیں۔

(ماہنامہ الصیانۃ' لاہور)

تمت بالخیر